کشمیر

آتش زیرِ پا

حسن زینہ گیری



بسم اللہ الرّحمٰنِ الرّحِیمہ

اِنتساب

اپنے سادہ لوح کشمیریوں کے نام!
جو مکروفریب، دغا اور منافقت
کے
سوراخ سے بار بار ڈسنے کے باوجود
اپنی رَوش بدل نہیں ڈالتے
اور
دوسروں کی دنیا بنانے کی حماقت میں
نہ صرف
اپنی آخرت برباد کرتے ہیں
بلکہ
اپنی قوم کا مستقبل بھی تاریک تر بنانے کا باعث بنتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

عرضِ ناشر

جب سے انسانی معاشرہ وجود پذیر ہوا تب سے لیکر آج تک بلکہ تا صبحِ قیامت حق اور باطل کی کشمکش برپا رہی اور رہے گی۔ اس کشمکش میں سعید روحوں نے ہمیشہ حق کا ہی ساتھ دیا ہے اور اپنی ساری زندگی اُسی مقصدِ عظیم میں کھپا دی جس کے لیے حق تعالیٰ نے اِس عظیم کائنات کو وجود بخشا ہے۔ جن لوگوں کے فکر کی اساس قرآن اور سُنتِ مطہرہ ﷺ پر ہو وہ کبھی بھی اور کسی بھی صورت میں باطل کے ساتھ مصالحت کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے ہیں۔ اگر چہ وہ لوگ جسمانی اور سیاسی طور غلامی کی ذلت انگیز زندگی ہی کیوں نہ گزار رہے ہوں اُن کی انقلابی فکر اور سوچ اُن کو ہر دم فعال اور متحرک رکھتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں سے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی ملّت کے لیے کوئی مفید کام کر سکیں، جسکی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے اُن کے اندر ودیعت کر دی ہے۔ غلامی میں زندگی گزارتے ہوئے جب کوئی انسان اپنے اوپر خوف کو طاری کرتا ہے تو وہ اُس کے اپنے حدِ اختیار میں ہوتا ہے مگر پھر بعد میں کبھی بھی اُس مسلط کردہ خوف سے نکلنا اُس کے اپنے حدِ اختیار میں نہیں ہوتا ہے۔ تمام غلامیوں سے ایک انسان نجات پا سکتا ہے اور اُس سے نکلنے کی راہیں بھی نکال سکتا ہے، مگر جب انسان فکری اور ذہنی طور غلام بن جاتا ہے تو اُس کا دیوالیہ نکل جاتا ہے اور وہ کبھی بھی کام کا نہیں رہ جاتا ہے۔ قلم بھی اسی فکر و خیال کی ترجمانی کرے گا جو قلم کار کے قلب و ذہن نے قبول کیا ہو۔ آقا کو خوش کرنا ہو یا انعامات اور مفادات کا حصول مقصود ہو تو قلم بھی وہی اسلوب اختیار کرے گا برعکس اس کے مقصد حق و صداقت کی آبیاری کرنا ہو اور غاصب اور سرکش طاقتوں کو بے نقاب کرنا ہے تو تمام قسم کی لالچ اور خوف سے بالاتر ہو کر ایک سنجیدہ فکر کا حامل اور انصاف پسند قلم کار

اسی فریضہ کو انجام دے گا۔محترم حسن زینہ گیری صاحب اسی قبیل کے قلم کاروں سے تعلق رکھتے ہیں۔

آج ہم محترم حسن زینہ گیری صاحب کی تاریخی نوعیت کی اہم کتاب ''کشمیر آتش زیرِ پا'' آپ کے مبارک ہاتھوں میں اِن حالات میں پیش کرنے جارہے ہیں جب ہماری قوم کئی سازشوں کی شکار بنائی جارہی ہیں اور ان سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں کئی محاذوں پر پیش بندی کرنی ہوگی۔زینہ گیری صاحب نے حق گوئی اور بے باکی کے ساتھ اپنے منفرد انداز کو اپناتے ہوئے حال اور مستقبل کے حوالے سے ان سازشوں اور منصوبوں پر سے پردہ اٹھایا ہے جو کشمیر کی ڈیموگرافی اور مسلم تشخص کو تبدیل کرنے کے لیے تیار کی جارہی ہیں۔امید ہے کہ ادارہ کی یہ تازہ پیش کش ملّت مظلومہ کے لیے نہ صرف فائدہ مند ثابت ہوگی، بلکہ آنے والے خطرات جن سے زینہ گیری صاحب نے پردہ اٹھایا ہے اُن کی پیش بندی کرنے میں معاون اور مددگار بنے گی۔ادارہ بلاخوفِ تردید یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ کشمیر کے حوالے سے یہ ایک ایسی اہم کتاب ہے جس کا ہر گھر میں موجود ہونا ازبس ضروری ہے۔

ملّت پبلی کیشنز کو خدا کے فضل و کرم سے یہ طرۂ امتیاز حاصل ہے کہ ہم اس ادارے کے ذریعے سے مقبوضہ خطہ میں جہاں اسلام کی انقلابی فکر کی ترسیل کا کام پوری شدومد کے ساتھ کررہے ہیں، وہیں ہم نے اسلام کی انقلابی فکر کے حوالے سے بہت سی کُتب اپنے طور سے شائع کی ہیں اور جس میں سید علی گیلانی صاحب کی تصنیفات بھی شامل ہیں۔

ہم نے بھرپور کوشش کی کہ ''کشمیر... آتش زیر پا'' زیادہ دیدہ زیب بن جائے اور غلطیوں سے پاک ہو، پھر بھی اگر آپ کو اس میں کوئی خامی اور غلطی نظر آئے تو ضرور نشان دہی کیجئے گا تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کی مکمل تصحیح کردی جائے گی۔ہم آپ کے قیمتی مشوروں کے لیے شکر گزار رہیں گے۔ وَمَا علینا الا البلاغ

محمد افضل لون

منیجر ملّت پبلی کیشنز

فہرست عناوین

ابتدائیہ

۲۹ر جنوری ۲۰۱۵ء، حریت کانفرنس کی طرف سے اس کے مرکزی دفتر حیدر پورہ میں ''شرنارتھیوں کے متعلق سفارشات، لمحہ فکریہ'' کے موضوع پر ایک اہم سیمینار منعقد ہونے جا رہا تھا۔ مجھے بھی اس سیمینار میں بولنے کی دعوت دی گئی تھی۔ جونہی میں صبح ۱۱ بجے اپنے گھر سے نکل پڑا، مکرم دوست الطاف احمد شاہ کے فون نے بڑھتے قدموں پر بریک لگا دی۔ انہوں نے کہا حریت دفتر کو پولیس نے سیل کیا ہے اور کسی شخص کو بھی وہاں اندر جانے کی اجازت نہیں دی جا رہی ہے۔ اس لیے آج سیمینار نہیں ہوگا، تاہم انہوں نے مشورہ دیا کہ اس موضوع پر اپنے خیالات کو میں ایک پیپر (Paper) کی شکل میں محفوظ رکھوں تاکہ آئندہ ان سے استفادہ ہو سکے۔

یہ ایک بہتر مشورہ اور سودمند تجویز تھی۔ لیکن جونہی میں نے تقریر میں ابھارے گئے نکات کو ایک دوسرے سے مربوط کرنا شروع کیا تو کئی نئی کڑیاں سامنے آئیں اور نئے گوشے وا ہوتے چلے گئے۔ ذہن پر یہ خیال حاوی ہوا کہ شرنارتھیوں کے مسئلے کے ساتھ اور بھی بڑے مسائل ہیں جن کا اختصار کے ساتھ سیمینار کے لیے اٹھائے گئے نکات میں اگرچہ ذکر کیا گیا تھا، تاہم اب جب میں نے نئے سرے سے ان پر توجہ مبذول کی تو شدت کے ساتھ اس امر کا احساس ہوا کہ دس پندرہ صفحات کا ''پیپر'' اس کے لیے ناکافی ہے اور حریت ہیڈکوارٹر کا سبزہ زار (Lawn) اور وسیع میٹنگ ہال بھی اس ''نشاۃِ ثانیہ'' کی مکانیت سے قاصر دکھائی دے رہا ہے۔ یہیں سے شرنارتھیوں کو پورے سنگھ پریوار اور انڈین اسٹیٹ کے

تناظر میں دیکھنے اور سمجھنے کے لیے اس کتاب کی تخلیق ہوئی۔

ہمارے لیے تاریخ سینہ کھول کر بیٹھی ہے۔ قوموں کے زوال اور لٹنے مٹنے کی داستان عبرت کا پورا ذخیرہ ہماری آنکھوں کے سامنے کھولے پڑی ہے۔ ان عوامل اور اسباب کا خورد بینی جائزہ کیے ہوئے ہے جس سے زندہ جاوید بستیوں کو کھنڈرات میں تبدیل ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ ایک لمحے کی خطا کس طرح صدیوں رولاتی ہے، کس طرح بے خانماں بنادیتی ہے اور غیروں کے ہاتھ میں تقدیر کی نکیل تھمادیتی ہے، فلسطین کی مثال سامنے ہے۔

کل کیا ہونے جارہا ہے، بصیرت کی آنکھیں ہوں تو آج کے ''ساکن'' آئینے میں بھی اس کو صاف دیکھا جاسکتا ہے۔ کولریج (Coleridge) نے کتنی خوبصورت بات کہی ہے'' آج کے حال میں کل کا مستقبل پہلے ہی چلا جارہا ہے۔''

"And in today already walks tomorrow"

ہمارے گردوپیش میں جس طرح کے حالات بنتے جارہے ہیں وہ ایک بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہیں۔ آر ایس ایس (راشٹریہ سوئم سنگھ) اس وقت بھارت میں برسرِ اقتدار ہے۔ فاشسٹ فرقہ پرست نظریے کو اس لحاظ سے اسٹیٹ پاور (State Power) کی پوری توانائی، انتظامی طاقت، جملہ وسائل اور قوتِ نافذہ دستیاب ہے۔ طاقت اور وسائل کے اسی خُمار کے ساتھ، کشمیر کے حوالے سے، یہ اپنے تین اہداف پر فوکس (Focus) کیے ہوئے ہے یعنی زمین، آبادی اور مسلم شناخت (اسلامی تشخص) اور یہی وہ بنیادی ستون بھی ہیں جن پر مسئلہ کشمیر اور سیکورٹی کونسل کی قراردادوں کا روحِ استصواب ٹکا ہوا ہے۔

ایک ایک کرکے وہ آئینی ضمانتیں ختم کی گئیں ہیں جو ریاست کی اندرونی خودمختاری (Semi-Soverignty) کا تحفظ کرتی تھیں۔ اب دفعہ 370 اور 35-A کو ختم کرنے، شرنارتھیوں کو اسٹیٹ سبجیکٹ دینے اور اسرائیلی طرز کی کالونیاں (Composite Colonies) وغیرہ کے جن گھناؤنے منصوبوں کو آر ایس ایس نے اپنے ہاتھ میں لیا، اس سے

حقیقی معنوں میں ریاست کی ڈیموگریفی تبدیل ہوگی۔ بھاری فوجی جماؤ اور امرناتھ یاترا کے ماحولیات پر تباہ کُن اثرات سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا ہے۔ایک بار مزاحمت کا بند ٹوٹ گیا تو شرنارتھیوں کو شہریت دینے تک کا معاملہ نہیں رُکے گا۔اس کی آڑ میں غیر ریاستی باشندوں کا سیلاب ہمارے گھروں تک پہنچ پائے گا اور ہم ہاتھ ملتے ہی رہیں گے۔ پاور بیلنس (بچا کھچا) سرینگر سے جموں کی طرف شفٹ ہوجائے گا۔ہماری حالت بھارتی مسلمانوں سے مختلف نہ ہوگی۔

اتنا ہی نہیں ہر دریا، ہر چشمے اور ہر ندی کے گھاٹ سے سوسو دیوتا اور بھگوان، مندروں کے مطالبے کے ساتھ، اٹھ کھڑے ہوں گے۔رام کے پجاری تمام آبی ذخائر اور پہاڑوں اور گلیشروں پر یاترا کے نام پر رام نگر بسائیں گے۔"حق ملکیت" کے اس دعویٰ کو بدلنے یا مسترد کرنے کا یارا کسی کے پاس نہ ہوگا۔وندے ماترم کے سلوگن(Slogan) پر زمین کا چپہ چپہ گونجے گا۔یاد رہے نا،موہن بھگوت نے حال ہی میں کیا کہا "بھارت ایک ہندو نیشن ہے"۔اور آرگنائزر (Organiser) کے مطابق "کشمیر کی سرزمین کے چپے چپے پر ہندو کلچر کے نشانات ہیں"۔

اریسٹوٹل اوناسس (Aristotle Onasis) نے بڑی اہم بات کہی ہے۔
"حالات گھمبیر ہوں اور اندھیرا چھا چکا ہے، یہی ہے وہ وقت جب روشنی کی تلاش پر نگاہیں مرکوز ہوں"

"It is during our darkest moments that we must focus to see the light."

بے شک فوج نے بھارت کو کشمیر کی زمین دی اور اب بھی فوجی قوت ہی کشمیر میں بھارت کے دعوی کی ضامن ہے۔لیکن اور بھی بہت کچھ ہوا جسے غیر فوجی اقدامات کے ذریعے حاصل کیا گیا۔خود فوج کی موجودگی کو جواز بخشنے کے لیے "آئینی" اور "قانونی" طریقے عمل میں لائے گئے۔آج بھی ریاست کے مسلم اکثریتی کردار کو ختم کرنے کے لیے اسمبلیوں اور دوسرے

اداروں پر ہی ان کی نظریں لگی ہوئی ہیں۔ اسٹیٹ سبجیکٹ کو ان ہی ایوانوں سے خطرہ ہے۔ غور کریں ہندو فرقہ پرست قوتیں پہلے قدم کے طور پر ان ہی راستوں اور ان ہی اداروں سے ہم پر حملہ آور ہو رہی ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ فوج کی طاقت سے ہی بھارت کی رِٹ قائم ہے مگر بہت سے دوسرے ادارے اور شعبے ہیں جو اس رٹ کو مستحکم کر کے بھارت کی پوزیشن کو مضبوط بناتے ہیں۔

اس مقام پر ہمیں ٹھنڈے دماغ سے غور کرنا ہوگا۔ جذبات کو عقل پر حاوی نہیں ہونے دینا ہے۔ ہمیں سوچنا ہے کہ اپنے مقاصد کے حصول میں لائحہ عمل اور طریقہ کار وضع کرتے ہوئے کہیں ہم سے بڑی چُوک تو نہیں ہو رہی ہے۔ کہیں مزاحمت کے دوران حریف ہماری کوتاہی اور غفلت کے کمزور پہلو سے فائدہ تو نہیں اٹھا پا رہا ہے اور جب آنکھ کُھلی تو اسے ہمارے صحن (Backyard) میں پایا۔ ٹینکوں سے دھاوا بولتے ہوئے نہیں بلکہ اس راستے سے پیدل چلتے ہوئے جہاں دفاع کا کوئی خیال تک نہ رہا اور صف بندی کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

ہمیں بھارت نواز کٹھ پتلیوں سے کب خیر کی اُمید تھی اب ہوگی۔ وہ تو بقولِ گیلانی صاحب ''بھارت کے ظلم و جبر کی کلہاڑی کے ہاتھ ہیں۔'' جو دلی کے ''استعماری مقاصد'' کو پورا کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار کھڑے رہتے ہیں۔ مگر اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ دربار کو جعفر اور صادق جیسے روباٹس تب ہی میسّر آتے ہیں جب یہ طاقت اور اختیارات کے مراکز پر پہنچتے ہیں۔ اِن ایوانوں سے باہر ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ علاوہ ازیں بھاجپہ جس ناگپور ایجنڈے کے ساتھ کشمیر پر حملہ آور ہوئی ہے، پہلے مرحلے کے طور پر اس نے اسی ''جمہوری'' اپروچ کو اختیار کیا ہے۔ اور اس امر میں کوئی شک و شبہہ نہیں کہ اس وقت اس کی اولین ترجیح ان آئینی پشتوں (Constitutional dykes) کو ڈھ دینے کی ہے جو فی الحال کشمیر کی ڈیموگریفی اور انفرادیت کو بچائے ہوئے ہیں۔ یہ مرحلہ طے ہوا تو تلواریں اور بندوقیں اگلے مرحلے کے لیے سنگھ پریوار نے تیار رکھی ہیں اور حال ہی میں ''وجے داشمی'' کے موقعے پر جموں میں اس نے اس

کا ریہرسل بھی کیا۔

مزاحمتی لیڈرشپ، سول سوسائٹی اور دانشور طبقہ کے لیے یہ امتحان کی گھڑی ہے کہ وہ اِن تمام چیلینجز سے کس طرح نبرد آزما ہوتے ہیں۔ منزلِ مقصود اور بیسک سنٹیمنٹ (Basic Sentiment) پر کمپرومائز (Compromise) نہیں ہوسکتا، کبھی نہیں، کسی بھی صورت میں نہیں۔ شہداء کا لہو پاک اور مقدس ہے اور اس پر سودا بازی نہیں ہوسکتی۔ اس اساسی عقیدے کو رگ و پے میں اُتارنے کے بعد یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے کہ حصولِ مقصد کے لیے تمام ممکنہ راستوں کو تلاش (Explore) کیا جائے۔ اخلاص اور وفا کے ساتھ عقل کی پاسبانی میسّر آئے تو آزادی کے حصول کے لیے آپ سے آپ راہیں کھلتی ہیں۔ دریا کی روانی سنگِ گراں کے حائل ہونے سے رُکتی نہیں بلکہ پتھر کے دائیں بائیں نظریں دوڑا کر اور جہدِ مسلسل سے کام لے کر وہ اپنا راستہ بناتا ہے اور بالآخر اپنی منزل سے ہمکنار ہوتا ہے۔ دریا کب پتھر سے راستہ مانگتا ہے، وہ راستہ بناتا ہے اور آزادی حاصل کرتا ہے۔

کسی نے بجا کہا ہے کہ ''بڑے لوگ آپ سے کچھ مختلف کام نہیں کرتے، بلکہ اسی کام کو مختلف طریقے سے کرتے ہیں۔''

"Great people don't do different things, they do the same things differently."

حسن زینہ گیری

30رنومبر 2015ء

تقریظ

زیرِ نظر کتاب ''کشمیر... آتش زیرِ پا'' مسئلہ کشمیر کی دردناک صورتحال پر کشمیر کے ایک صاحبِ علم، دانشور و قلمکار جناب حسن زینہ گیری کی ایک ایسی اثر انگیز ''رننگ کمنٹری'' ہے جو ایک قاری کے سامنے ستر اسی دہائیوں سے لہولہان جنتِ بے نظیر یعنی کشمیر کو لاحق اس مرضِ مہلک کی مفصل نشان دہی کرتا ہے جس کی علامتیں دُنیا جہاں پر اظہر من الشمس تو ہیں لیکن جس مرض کی وجوہات سے سب سے باخبر نہیں۔ حسن زینہ گیری صاحب نے اپنے برمحل موضوع کے ساتھ نہ صرف انصاف کیا ہے، بلکہ اسے دلائل وحقائق کے بروقت حوالوں سے بغیر کسی شک کے عین الحق بھی ثابت کیا ہے اور پھر مسئلہ کشمیر کی ابتداء اور اس کی موجودہ غیر یقینی ہئیت کے درمیان جو فکر انگیز اور پریشان کن سیاسی کڑیاں باہم مربوط ہیں، انہیں جدا جدا کر کے جس حقیقت پسندانہ انداز سے منصۂ شہود پر لانے کی انہوں نے کوشش کی ہے وہ نہ صرف ایک قاری کے سامنے مسئلہ کشمیر کا ترش و تلخ منظر نامہ لاکھڑا کر دیتا ہے بلکہ ان تمام متعصب اور ظالم صورتوں سے بھی اُسے روشناس کر دیتا ہے جو بدستور ریاکاری کے ملمع میں اٹی پڑی رہنے میں ہی اپنے حقیر اور غیر انسانی مقاصد کی آبیاری کرتی رہی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ خواہ یہ صورتیں دلی کے تختِ حکمرانی پر جلوہ افروز رہتی ہوں یا سرینگر و جموں کے سرکاری محلات میں تخت نشین ہوں، بہر حال انہیں بے نقاب کرنے میں صاحبِ تصنیف نے اپنی علمی بلوغت، سیاسی بصیرت اور دینی حمیت کی پختگی کا جو احساس کرایا ہے وہ لائق صد تحسین و آفرین ہے۔

یہاں حسن زینہ گیری صاحب کا اسلوب بیان نہ تمثیلی ہے اور نہ ہی علامتی بلکہ ایک خبر رساں رپورٹر کی طرح ان کا بیانیہ صاف اور واضح ہے کہ جس میں وقوع پذیر واقع یا واردات کے دائرے میں رہ کر ہی کچھ کہا یا لکھا جاتا ہے اور جس میں ''دائرے'' سے باہر کے ایک حرف کو بھی نہیں جوڑا جا سکتا۔ یوں ''کشمیر... آتش زیرِ پا'' میں جہاں کشمیر کا درد وکرب اور رنج وغم نمایاں نظر آتا ہے وہاں دلی دربار کی عیاری ومکاری اور ظلم وستم بھی بے پردہ دکھائی دیتا ہے۔

زیرِ نظر تصنیف میں شامل ۲۳ عنوانات میں سے اکثر عنوان آر ایس ایس کے اُس مسلم دشمن فکر وعمل کا احاطہ کیے ہوئے ہیں جن کا راست نشانہ ۱۹۴۷ء سے ہی جموں کشمیر کے مسلمان بنے ہوئے ہیں۔ اپنے ذیلی موضوعات میں صاحب تصنیف جہاں آر ایس ایس کی مسلم دشمن فکری خباثت کی عفونت انگیز قبا چاک کرتے ہوئے کسی تھکن کا شکار نظر نہیں آتے، وہیں مگر انہیں اپنی ملتِ مظلوم کی سیاسی افلاس گری پر بھی قلبی ملال کی کیفیت سے بار بار دو چار ہونا پڑتا ہے، ایسا ضرور محسوس ہوتا ہے۔ زینہ گیری صاحب نے بجا طور پر مسئلہ کشمیر کی سیاسی تاریخ کے تمام المیوں کے لیے ہندو انتہا پسندی کو جادۂ حیات تصور کرنے والی آر ایس ایس کی کارگزاری کو ہی موردِ الزام ٹھہرایا ہے اور یہی وہ پہلو ہے جو ''کشمیر... آتش زیرِ پا'' کو کشمیر کے سیاسی موضوع پر دستیاب قابل ستائش معلوماتی کتب کی فہرست میں کوئی اضافہ نہیں بلکہ ایک ممتاز مقام عطا کرتا ہے کیونکہ اس کتاب کا ہر باب نہ صرف اُن سازشوں کا پردہ چاک کرتا ہے جنہیں روبہ عمل لا کر اہلِ کشمیر کو قند کی آڑ میں زہرِ ہلاہل پلایا جاتا رہا ہے اور تا حال بدستور پلایا جا رہا ہے، بلکہ ان سازشوں کے پس پردہ اُن تمام کرداروں سے بھی روشناس کراتا ہے جن میں غیروں کے ساتھ ساتھ وہ ''اپنے'' بھی قطار در قطار شامل ہیں جنہیں خیال میں لاتے ہی یہ شعر ذہن میں آتا ہے۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمین گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

ایک قاری کی حیثیت سے مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی جھجھک نہیں کہ دورانِ مطالعہ "کشمیر... آتش زیرِ پا" کی سطر سطر نے میرے اندر کے اُس مزاحمتی کارکن کو حصولِ حق کے لیے اپنا عزم پختہ تر بنانے کی ترغیب سے ہمکنار کردیا جو گزشتہ چار دہائیوں سے کشمیر پر چھائے ظلم وستم کے ساتھ نبرد آزما ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا ہر ذی شعور انسان بلا امتیاز مذہب وملت مسئلہ کشمیر کی چکی میں پسنے والے سَوا کروڑ مظلوم انسانوں کے حق میں اپنی حمایت کی آواز ضرور بلند کرے گا۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

الطاف احمد شاہ
آرگنائزر، کل جماعتی حریت کانفرنس
سرینگر کشمیر

حرفِ اول

حسن زینہ گیری صاحب پیشہ سے شعبہ تعلیم سے وابستہ ایک مدرس رہے ہیں۔ سرکاری کالجوں اور اسکولوں سے وابستہ اکثر اساتذہ فارغ اوقات ٹیوشن کرنے میں گزارتے ہیں اور اس طرح اپنے ذرائع آمدن بڑھاتے رہتے ہیں۔ حسن زینہ گیری صاحب اس کے برعکس سالہاسال سے تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ کشمیر اوراس سے وابستہ موضوعات پر اردو اور انگریزی اخباروں میں مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ اُن کی تحریروں کا اپنا ایک منفرد اسلوب ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر ان کی بے خوفی اور بیباکی ان تحریروں کو ممتاز مقام بخش دیتی ہے۔ وہ بے لاگ طریقے سے لکھتے ہیں اور اپنے قلم کو کسی کے پاس گروی نہیں رکھتے۔ وہ اپنے قلب وذہن پر نہ کسی خوف کو مسلط ہونے دیتے اور نہ کسی لالچ وحرص میں آکر اظہارِ حق سے باز آتے۔ زینہ گیری صاحب کسی بھی ردِ عمل سے بے پرواہ ہو کر کشمیر کی تحریک کو اپنے قلم سے آبیاری کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے۔ ان کا یہ کام اس لحاظ سے بھی قابل تحسین ہے کہ آپ کسی شہر یا قصبے میں قیام پذیر نہیں، بلکہ زینہ گیر جیسے دیہی علاقے میں سکونت اختیار کیے ہوئے ہیں، جہاں ظاہر ہے، ان کو وہ سہولیات اور موافق حالات اور نسبتاً محفوظ ماحول میسّر نہیں جو اس طرح کا کام کرنے والے لوگوں کو شہروں میں رہنے سے نصیب ہوتے ہیں۔ حسن زینہ گیری صاحب ان مشکلات اور خطرات سے بھی بے پرواہ ہو کر ہر ہفتے اخبارات میں کشمیر کے کسی نہ کسی موضوع پر تحریریں شائع کرتے رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی زینہ گیری صاحب کا یہ عمل قابل تحسین اور قابل داد ہے۔

''کشمیر، آتش زیرِ پا'' زینہ گیری صاحب کی کتابی شکل میں تحریر ہے۔ اس میں بھی زینہ گیری صاحب نے خالصتاً تحقیقی انداز اپناتے ہوئے اُن خطرات کا پردہ فاش کیا ہے جن سے کشمیر ہندوستان میں فسطائی عناصر کے برسرِ اقتدار آنے کی بنا پر دو چار ہے۔ ہر مضمون میں مذکور واقعیات اور تحریرات کو حوالوں سے مزّین کیا گیا ہے اس سے اس کتاب کی اہمیت اور اعتباریت عیاں ہے۔ ہمارے حریت پسند حلقوں کی طرف سے اکثر اس طرح کی تحریرات شاذ و نادر ہی سامنے لائی جاتی ہیں۔ نتیجتاً ہمیں اپنے موقف کو سامنے رکھنے میں اغیار کی ہی تحریروں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شُکر ہے کہ پچھلی ایک دہائی سے اس خلاء کو پُر کرنے کے ضمن میں کچھ پیش رفت ہوئی ہے۔ حسن زینہ گیری صاحب کی یہ تحریر اس چیز کا بین ثبوت ہے۔

یوں تو ہندوستانی مسلمان بالعموم اور کشمیری مسلمان بالخصوص 1947ء سے ہی مظالم اور مصائب کا شکار بنے ہوئے ہیں۔ ان مظالم کو پہلے سیکولرازم کے لبادے میں ڈھایا جاتا تھا اب جبکہ ہندوستان کے اقتدار پر وہ گروہ قابض ہے جس سے وابستہ کچھ اکائیاں مسلمانوں پر مظالم کو ہی نہیں، بلکہ گاندھی کو قتل کرنے میں بھی فخر محسوس کرتی ہیں حالات بے حد سنگین صورت اختیار کر رہے ہیں۔ جہاں ہندوستانی مسلمانوں کو گھر واپسی کے نام پر اجتماعی ارتداد کی جانب مجبور کیا جا رہا ہے، وہیں ریاست کی ڈیموگرافی کو تبدیل کر کے مسلم اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کے گھناونے منصوبے بھی بنائے جا رہے ہیں۔ حسن زینہ گیری صاحب نے ان تمام سازشوں کا بالتحقیق پوسٹ مارٹم کر کے ایک اہم ملی فریضے کو انجام دیا ہے۔ اس کتاب کا اردو میں آنا اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ یہ زبان اب بھی ریاست کے اکثر عوام اور قیادت میں مستعمل ہے اور یہ کاوش بجائے خود اردو زبان کی خدمت ہی ہے، خصوصاً اس وقت جب یہ زبان اپنوں کی عدم توجہی اور بے اعتنائی اور غیروں کے تعصب اور امتیاز

کی شکار ہو رہی ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب میں اُبھارے جانے والے نکات کشمیر کی حریت پسند قیادت کے لیے اپنا مستقبل کا لائحہ عمل مرتب کرنے میں مددگار اور معاون ثابت ہوگی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ زینہ گیری صاحب اس کتاب کا انگریزی متن بھی جلدی تیار کریں تاکہ ایک طرف ریاست کی نئی نسل اس سے بہرہ ور ہو وہیں دنیا کے سامنے اُس نام نہاد "سیکولر ڈیموکریسی" کا حقیقی چہرہ سامنے آجائے جس کا عتاب کشمیری مسلمانوں اور ہندوستان کی اقلیتوں اور دیگر دبے کچلے طبقات کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

ڈاکٹر شیخ شوکت حسین

صدر شعبہ قانون، سینٹرل یونیورسٹی کشمیر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ

پیشِ لفظ

احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا

گرامی قدر حسن زینہ گیری، جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں قابل رشک صلاحیت عطا کی ہے۔ انگریزی اخبارات خاص طور ''گریٹر کشمیر'' میں اکثر و بیشتر ان کے مضامین پڑھے جاتے ہیں۔ اردو زبان میں بھی ''کشمیر عظمیٰ'' میں اُن کے رشحاتِ قلم اخبار کے لیے باعث زینت بن جاتے ہیں۔ آج انہوں نے اردو میں ایک کتاب ترتیب دی ہے جس کا انہوں نے متن کے مطابق نام رکھا ہے ''کشمیر... آتش زیرِ پا''۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ میں اس کتاب کے بارے میں اپنے خیالات اور احساسات ترتیب دوں۔ میں نے اُن سے نہایت عجزوانکساری کے ساتھ معذرت کی کہ میری صحت ٹھیک نہیں ہے۔ شاید ہی میں اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کا حق ادا کرسکوں، مگر انہوں نے میرے دہلی میں قیام کے دوران میں ہی اس کتاب کا مسودہ روانہ کردیا۔ انہوں نے کتاب کے متن کو تئیس (۲۳) حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ میں نے اب تک بڑی مشکل کے ساتھ پہلا (Chapter) پڑھا ہے۔ میں نے پہلے حصے کے پچاس صفحات پڑھے ہیں، میں بغیر کسی مبالغہ اور تصنع کے اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوں کہ یہ کتاب اپنے عنوانات کے پیشِ نظر فی الواقع جموں کشمیر کے مظلوم، محکوم اور غلام قوم کے لیے دہکتے آگ کا انگارہ ہے۔ اگر اس انگارہ کی تپش اور تڑپ کو محسوس کرکے اپنے

آپ کو مسلمان کہلانے والے ہر فرد نے اس کا مداوا نہیں سوچا اور عملی اقدام کر کے اپنے مسلمان ہونے کی حیثیت اور شناخت کا تحفظ نہیں کیا تو یہ آگ نہ صرف ہمارے مال و متاع بلکہ ہمارے دین، ایمان، اخلاق، کردار، تہذیب، تمدن، دنیا اور آخرت سب کو مسمار کر کے ہمیں خسرِ دنیا و آخرہ کا شکار بنائے گی۔ فاضل مصنف نے انتساب میں اپنی قوم کو بجا طور پر نشاندہی کی ہے اور بتایا ہے کہ ہماری قوم ''مکروفن خواجگی'' کا ہمیشہ شکار ہو جاتی ہے۔ ہمارے زوال، ادبار، پستی اور غلامی کی بنیادی وجہ ہماری قوم کی اصول پرستی کے بجائے شخص پرستی کا جنون رہا ہے۔ ڈوگرہ شاہی دور ہمارے لوگوں اور لیڈروں نے دیکھا تھا۔ 13 ر جولائی 1931ء میں جن 22 شہداء نے اپنا خون نچھاور کیا تھا، کاش اُن کی مقدس اور عظیم قربانیوں کی لاج رکھی گئی ہوتی اور 38ء میں مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کا اقدام نہ کیا گیا ہوتا تو ہم دوبارہ ڈوگرہ شاہی کے چنگل میں نہ پھنس چکے ہوتے۔ 47ء میں متحدہ ہندوستان کی پونے چھ سو راجواڑے دو حصوں میں سے کسی ایک کا حصہ بن کر برطانوی سامراج سے آزاد ہو گئے۔ جموں کشمیر جو کبھی متحدہ ہندوستان کا حصہ نہیں تھا، بلکہ ایک الگ خطہ تھا، اس کا متنازعہ بن جانا اور 67 سال سے انسانی خون کی ارزانی کا تالاب بن جانا، ہمارے لیڈروں کی ہوس پرستی اور کوتاہ اندیشی کا نتیجہ تھا۔ علامہ اقبالؒ نے ہماری حرماں نصیبی کا رونا رویا ہے۔

لیکن نگاہِ نکتہ بین دیکھے زبوں بختی مری
رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم وصد سالہ راہم دُور شد!

''کاررواں منزل کی طرف جا رہا تھا اور میں بھی کاررواں کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ بدقسمتی اور حرماں نصیبی دیکھئے کہ میرے پاؤں میں

کانٹا چُبھ گیا۔ میں کانٹا نکالنے کے لیے کارواں سے باہر آ کر کھلی جگہ
کانٹا نکالنے لگا۔ اتنی دیر میں کارواں میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔
ایک لحظہ کی غفلت نے سو سال تک میری منزل دور کر دی۔"

اس ایک لحظہ کی غفلت نے ہماری قوم کو کس عذاب اور عتاب میں مبتلا کر دیا ہے یہ ہم گزشتہ 7 دہائیوں سے دیکھ رہے، سہہ رہے، بھگت رہے اور برداشت کر رہے ہیں۔ جس قوم کے ساتھ ہمارا واسطہ ہے، جس کی ساڑھے سات لاکھ فوج ہمارے سینوں پر مونگ دل رہی ہے، اُس قوم کے عزائم اور ارادے کیا ہیں۔ جب آپ فاضل مصنف کی لکھی ہوئی کتاب پڑھیں گے، آپ کے جسم کا رواں رواں لرز اُٹھے گا، ایک ایک سطر، ایک ایک لفظ، ایک ایک جملہ اور ایک ایک صفحہ جب آپ پڑھیں گے۔ آپ حیرت سے استعجات کے سمندر میں ڈوب جائیں گے۔ فاضل مصنف نے حوالہ جات اور تحقیقات کی اسناد پیش کر کے اپنی کتاب کو مستند اور حقائق پر مبنی بنا دیا ہے۔ کسی کو اس کتاب میں دیئے گئے واقعات کے بارے میں انگشت نمائی کا کوئی موقع نہیں ہو گا۔

ابتدائیہ، فاضل مصنف نے "کشمیر... آتش زیرِ پا" کا آغاز ابتدائی صفحات میں اس کتاب کے ترتیب پانے کے پس منظر میں کیا ہے۔ پس منظر میں آپ کو معلوم ہو گا کہ آتش زیرِ پا کی علامتیں اور نشانات کیا ہیں۔ چار دیواری میں بات کرنے پر پابندیاں اور پولیس راج کی قہر سامانیاں۔ یہی صورتحال ہر چہار طرف چھائی ہوئی ہے۔ ایسے حالات میں مزاحمتی سرگرمیاں کیسے جاری رہ سکتی ہیں۔ گھروں میں محبوس رکھا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ جمعۃ المبارک کی نمازیں بھی ادا نہیں کی جا سکتی ہیں۔ بھارت کا جبری اور فوجی قبضہ پورے خطہ کے مسلمانوں کے لیے خاص طور بدترین قسم کا عذاب اور عتاب ہے۔

کتاب کے ان صفحات میں اسی کی تصویر کشی ہے۔ ابتدائیہ کے صفحات میں بھی

پڑھنے والوں کو احساس ہو جانا چاہیے۔ ہمارا حال بے حال ہے اور ہمارا مستقبل تاریک تر ہے۔ 47ء سے انڈین نیشنل کانگریس بلا شرکت غیرے برسرِ اقتدار تھا۔ اُس نے مکروفریب کے ایسے جال بچھائے تھے کہ ہمارے قدآور اور درمیانہ قد کے لیڈر بھی ’’دام ہم رنگ زمین بود گرفتار شدم‘‘ کے مصداق پنجۂ استبداد میں جکڑے گئے۔ جھوٹ اور میقاولی سیاست کے داؤ پیچ میں ہمارے لیڈروں کی مت ماری گئی۔ کوتاہ اندیشی، مادہ پرستی اور ہوس پرستی نے اُن کو حواس باختہ بنادیا اور سادہ لوح عوام کی اندھی تقلید نے اُن کو زمین سے اُٹھا کر ہواؤں میں پرواز کرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے اپنی تدبیروں کی رسوائی دیکھ لی ہے۔

آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
سامنے تقدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ

اقبالؒ

ابتدائیہ میں فاضل مصنف نے رسوائی کی ایک جھلک دکھادی ہے:

’’ہمارے گردوپیش میں جس طرح کے حالات بنتے جارہے ہیں وہ ایک بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہے۔ آرایس ایس (راشٹریہ سوئم سنگھ) اس وقت بھارت میں برسرِ اقتدار ہے۔ فاشسٹ فرقہ پرست نظریے کو اس لحاظ سے اسٹیٹ پاور (State Power) کی پوری توانائی، انتظامی طاقت، جملہ وسائل اور قوتِ نافذہ دستیاب ہے۔ طاقت اور وسائل کے اسی خُمار کے ساتھ، کشمیر کے حوالے سے، یہ اپنے تین اہداف پر فوکس (Focus) کیے ہوئے ہے یعنی زمین، آبادی اور مسلم شناخت (اسلامی تشخص) اور یہی وہ بنیادی ستون بھی ہیں جن پر مسئلہ کشمیر اور سیکورٹی

کونسل کی قراردادوں کا روح استصواب لگا ہوا ہے۔"

(ابتدائیہ، صفحہ۸)

زمین، آبادی، مسلمانوں کی شناخت اور پہچان، ان تینوں بنیادوں کو تاراج کرنے کے منصوبوں پر بہت پہلے سے کام شروع کرایا گیا ہے۔ کانگریس سیکولرازم کا مکھوٹا پہن کر یہ سب کچھ کر رہا تھا۔ آر ایس ایس کھل کر ان منصوبوں کو پورا کرنے کے لیے BJP کا اقتدار اور پورے ملک کے ذرائع اور وسائل استعمال میں لا کر جموں کشمیر کے اقتدار پرست لوگوں کا تعاون حاصل کر کے خطرناک اور تباہ کن عزائم کی تکمیل کی طرف برق رفتاری سے بڑھ رہی ہے۔

فاضل مصنف نے سیکولر ڈیموکریٹک انڈیا کی بھی کامیاب اور حقائق پر مبنی تصویر کشی کی ہے۔ اس کو پڑھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ سیکولرازم اور نام نہاد جمہوریت کے سایے تلے کس طرح توسیع پسندانہ عزائم کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ اس کی زندہ مثال جموں کشمیر کے خطے پر جبری اور فوجی تسلط ہے۔ اس کو کس طرح مکر و فریب کے حربوں سے مضبوط سے مضبوط تر بنایا جا رہا ہے۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر عہد و پیمان کرنے کے بعد بھی ٹھکرا دیا جاتا رہا ہے۔ اس بارے میں مصنف نے شواہد پیش کئے ہیں جن کو جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس نے اپنے دورِ اقتدار میں شاطرانہ ہتھکنڈے اپنا کر اس فوجی تسلط کو جاری رکھا۔ پوری دنیا کی آنکھوں میں دھول ڈال کر سیکولرازم اور جمہوریت کے لباس میں محکوم قوم کا بے پناہ خون بہا کر عزت اور عصمت لوٹ کر جوانوں کو شرمناک اور بدترین تشدد اور بربریت کا نشانہ بنا کر انسانی حقوق کی پامالی کا ننگا ناچ کھیلتا ہے۔ اب آر ایس ایس اور اس کی سیاسی ونگ بی جے پی سیکولرازم کا مکھوٹا اتار کر اصل تصویر پیش کرتے ہیں۔ اس عنوان کے تحت آپ دیکھیں گے کہ کس طرح فسطائیت اور "ہندوتوا" کا جال بچھایا جاتا ہے۔

''آر ایس ایس چیف موہن بھگوت نے گزشتہ سال اپنے ایک بیان میں کہا کہ ''ہندوستان ایک ہندو نیشن ہے۔ ''ہندوتوا'' ہمارے نیشن کی شناخت ہے اور یہ ''ہندوازم'' باقی تمام دوسرے (مذاہب) اپنے اندر سموسکتا ہے۔''

(سیکولر ڈیموکریٹک انڈیا، صفحہ ۱۳)

بھارت کی حدود میں جتنے مختلف مذاہب کے لوگ صدیوں سے سکونت پذیر ہیں ان سب کو اپنے مذاہب سے دست بردار ہو کر ہندو نیشن میں مدغم ہو جانا ہے۔ اس کے لیے تمام ذرائع اور وسائل استعمال میں لائے جارہے ہیں۔

ہندوستان میں اکثر و بیشتر دانشور لوگ آر ایس ایس کے اس فسطائی طرزِ عمل اور پالیسی کو مسترد کر رہے ہیں۔ جیسے کہ ان صفحات میں آپ پڑھیں گے، مگر جب حکومت کے تمام ذرائع اور وسائل کو بروئے کار اس فسطائیت کو مسلط کرنے کے اقدامات کیے جائیں گے تو دانشور طبقہ کی آواز بھی دب کر رہ جائے گی۔ بھارت کی ممتاز مصنفہ اور عالمی شہرت یافتہ سماجی شخصیت ارون دھتی رائے نے کہا ہے:

''انڈین ڈیموکریسی ۲۱ویں صدی کا سب سے بڑا اسکنڈل ہے۔''

(سیکولر ڈیموکریٹک انڈیا، صفحہ ۱۳)

محترمہ اُرون دھتی رائے نے آج اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ میں نے 72ء میں اسمبلی کے ایوان میں مرحوم میر قاسم کے وزارت میں اعلاناً کہا تھا کہ بھارت کا سیکولرازم بیسویں صدی کا سب سے بڑا فراڈ ہے۔ مرحوم میر قاسم اپنے کمرے میں اٹھ کر ایوان میں آگئے اور سپیکر سے درخواست کی کہ ان الفاظ کو ریکارڈ سے ساقط کیا جائے، مگر ہمالیہ جتنی بڑی حقیقت کو اس طرح تاریخ کے صفحات سے مٹایا نہیں جاسکتا ہے۔ اس زندہ حقیقت کو کیسے

نظر انداز کیا جاسکتا ہے کہ کانگریس کے دورِ اقتدار میں 40 ہزار مسلم کش فسادات ہوئے ہیں جن میں لاکھوں انسانوں کو قتل کیا گیا ہے۔ جمعیت علما ہند کے سابق سربراہ نے اپنی وفات سے پہلے اپنے ایک بیان میں اس کا اظہار کیا ہے۔

ان صفحات میں آپ فاضل مصنف کی طرف سے شواہد اور اسناد کے ساتھ مسلمانوں کی قتل و غارت گری کے واقعات کی تفصیل پڑھیں گے۔ پھر بھی انڈین نیشنل کانگریس بھارت کو سیکولر ڈیموکریٹک کے علمبردار کے نام سے مانتی اور دوسروں سے منوانے کی کوشش کرتی ہے۔ سیکولر ڈیموکریٹک انڈیا کے Chapter میں آپ بھارت کے سیکولر منصوبے سینئر جرنلسٹ جناب کلدیپ نائیر کے خیالات کا بھی مطالعہ کریں گے کہ وہ جموں کشمیر کے فوجی قبضہ کا یہ کہہ کر جواز پیش کرتے ہیں کہ بھارت کا سیکولرازم خطرے میں پڑے گا اگر جموں کشمیر کے عوام کو استصواب رائے عامہ کا استعمال کر کے بھارت کے فوجی اور جبری قبضہ سے آزادی حاصل کرنے کا موقع دیدیا جائے گا۔ گویا جموں کشمیر کے ایک کروڑ تیس لاکھ عوام کو بھارت کے سیکولرازم کے بچاؤ کے لیے یرغمال بنایا جائے اور نسل در نسل اُن کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھا جائے تاکہ بھارت کا نام نہاد سیکولرازم محفوظ رہے۔ ''برین عقل و دانش ببابد گریست''۔

''سیکولر ڈیموکریٹک انڈیا'' کے صفحات میں بھارت کے کچھ حقیقت پسند افراد موقع ملنے پر بھارت کی کشمیر پالیسی پر جائز طور تنقید کرتے ہیں اور بھارت کی حکومت اور سیاسی قیادت کو یاد دلاتے ہیں کہ

> ''بھارت کو سیکولرازم اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پر وعظ پڑھنے کا کوئی حق نہیں اور نہ اس کے پاس اس قسم کا کوئی شاندار ریکارڈ ہے۔ اُنہیں دیکھنا چاہیے کہ کشمیر میں انڈیا اور انڈیانز کا ریکارڈ کیا ہے کہ وہ اکثریہ

دلیل نہیں دیتے کہ کشمیر کا بھارت کے ساتھ رہنا ضروری ہے تا کہ انڈیا سیکولر رہے؟ بھارت نے حقائق اور شواہد کو دبانے کے لیے نت نئے طریقے ایجاد اور اختیار کئے۔ صداقت کو دبانے اور صورتحال کو اپنے منشا کے مطابق پیش کرنے کے لیے قابض طاقت نے خاص اصطلاحیں وضع کیں۔"

(جناب گوتم نولکھا، ۲راپریل ۲۰۰۶ء سرینگر میں)

ان مثالوں سے جموں کشمیر کے برسرِ جدوجہد عوام کو حوصلہ مل جانا چاہیے کہ بھارت کی ایک ارب 21 کروڑ آبادی میں ہر چہار طرف سے ایسی آوازیں اٹھتی ہیں کہ بھارت نے جموں کشمیر کے عوام کے ساتھ کئے وعدے پورے نہیں کئے ہیں۔

2010ء میں جبکہ جموں کشمیر میں عوامی جدوجہد زوروں پر تھی جس میں 125 سے زائد لوگ جن میں طلباء اور جوان طبقہ شامل تھے پولیس اور سی آر پی ایف کے ہاتھوں شہید کر دئے گئے۔ بھارت کی حکومت میں اُس وقت کے وزیر داخلہ نے اعلان کیا کہ (Jammu Kashmir Problem is Broken Promises) مسئلہ کشمیر، بھارت کی طرف سے کئے وعدوں کی خلاف ورزی ہے۔

"ہندو راشٹر" فاضل مصنف نے آر ایس ایس کے بیانات کی روشنی میں بتایا ہے کہ بھارت صرف اور صرف ہندوؤں کی ریاست ہے یہاں کسی غیر ہندو کی کوئی گنجائش اور جگہ نہیں ہے۔ قارئین اس مضمون کو پڑھ کر جان لیں گے کہ بھارت کا اصل ایجنڈا کیا ہے۔ آر ایس ایس کے جملہ لیڈروں نے اس بات کو غیر مبہم الفاظ میں تسلیم کیا ہے کہ بھات کسی غیر ہندو کو ہندوستان کا باسی تسلیم نہیں کرتا ہے۔ نہ اس کے لیے حقوق اور مراعات ہیں، نہ اُس کے لیے اُس کے مذہب اور تہذیب کے لیے کوئی جگہ ہے۔ چند سطور نمونہ از خروارے پیش

خدمت میں:

"یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ساورکر، جس نے پہلی بار 1923ء میں اپنے مضمون "ہندوتوا" میں ہندوتوا اصطلاح کی تخلیق کی اور "دو قومی نظریہ" کا تصور پیش کیا، مسلمانوں کے لیے الگ ریاست کے قیام کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ وہ متحدہ ہندوستان پر بضد تھے، لیکن جہاں صرف ہندوؤں کی قومیت تسلیم کی گئی ہو، دوسری تمام قومیں جیسا کہ لکھا "غیر ملکی" ہیں اور ان کی وفاداریاں عرب (مسلمان) اور فلسطین (عیسائی) سے وابستہ ہیں۔ آج بھی یہی سوچ سنگھ پریوار پر غالب ہے۔ گھر واپسی کی تحریک اسی فسطائی ذہنیت کی مظہر ہے۔ گھر واپسی تحریک آج بھی جناح اور مسلم لیگ کے قیامِ پاکستان کے مطالبہ کو حق بجانب ٹھہراتی ہے۔"

(ہندو راشٹر، صفحہ ۳۶)

اس مضمون میں آپ پڑھیں گے کہ بھارت کے وزیرِ اعظم آر ایس ایس کے پرچارک اور اس کے نظریات اور پالیسی کے علمبردار ہیں۔ انتخابات میں اُن کو اکثریت ملی ہے۔ کیونکہ آر ایس ایس نے اپنی 1925ء سے بنائی ہوئی افرادی قوت اور بدلے ہوئے ذہن اور سوچ کے لوگ متحرک اور فعال بنائے اور اُن کو کہا گیا کہ یہ موقع اور وقت ہے کہ آر ایس ایس کو حکومت چلانے دیا جائے اور خاص طور سے نریندر مودی کو وزیرِ اعظم کی حیثیت سے برسرِ اقتدار لایا جائے۔

مودی کی مسلمانوں کے تئیں جو نفرت اور تعصب ہے وہ ان کے دورِ حکومت میں گجرات قتلِ عام سے ابھر کر سامنے آئی ہے۔ اس میں قریباً

دو ہزار مسلمان قتل کیے گئے جن میں ممبر پارلیمنٹ احسان جعفری اور ان کی فیملی اور رشتہ دار بھی شامل ہیں۔ ان کی گلبرگہ سوسائٹی کے 60/افراد جن میں بچے، بوڑھے، عورتیں، مرد سب شامل ہیں، کو احسان جعفری سمیت زندہ جلایا گیا۔ اس قتل عام میں آر ایس ایس کے تربیت یافتہ جنونیوں نے حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے رحم مادر میں پل رہے بچوں کو ترشولوں اور نیزوں پر اٹھا کر آگ میں جلا دیا، عورتوں کو ریپ کیا، بستیوں کو کھنڈروں میں تبدیل کیا اور لاکھوں لوگوں کو بے گھر کر کے گیٹوز میں رہنے پر مجبور کیا۔ گزشتہ سال جب مودی سے پوچھا گیا کہ اس منظم نسل کشی پر کچھ افسوس ہو رہا ہے؟ مودی نے جو جواب دیا وہ آر ایس ایس کے پرچارک کے اس سوچ کا آئینہ دار ہے جو گول والکر کی نظریاتی بھٹی میں ڈھل کر تیار ہوتا ہے۔ جواب دیا ''ہاں، افسوس ہے جیسے کتے کا کوئی بچہ کار کے پہیے کے نیچے کچل جائے۔''

(صفحہ 14، پرچارک وزیر اعظم)

انسانوں کے ساتھ نفرت اور عداوت انتہاؤں کو چھو رہی ہے۔ بہت بڑا ملک جہاں کی آبادی ایک ارب سے زیادہ ہے اور جن انسانوں کے ساتھ ''کتوں جیسا سلوک'' روا رکھا جائے وہ بھی اس ملک میں کروڑوں کی تعداد میں رہ بس رہے اور ان میں مسلمان، عیسائی، دلت اور بودھ شامل ہیں۔ ملک کے وزیر اعظم کا یہ رویہ کتنا افسوس ناک اور شرم ناک ہے۔ 2002ء میں جب گجرات میں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا، میں رانچی جیل میں مقید تھا مجھے وہاں ہندوستان ٹائمز اخبار آتا تھا۔ ایک خاتون نے گجرات جا کر مسلمانوں کے

قتل عام کا جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے 3 ہزار مسلمانوں کے قتل کیے جانے کی اطلاع فراہم کی ہے۔ میں نے اپنی کتاب (مقتل سے واپسی) میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

''برجستہ یہ جواب جو مودی کی زبان پر آیا یہ وہ ''اعزازی مقام'' ہے جس پر آر ایس یس مسلمانوں کو 'ہندوراشٹرا'' میں فائیز کرنا چاہتی ہے۔ یعنی مسلمانوں کی توقیر اور ان کا اسٹیٹس آر ایس ایس اور موجودہ وزیراعظم کی نگاہ میں "Puppies under the wheel" سے زیادہ نہیں۔''

(پرچارک وزیراعظم صفحہ 43)

فاضل مصنف نے ابتدائیہ سے لے کر 23 عنوانات مشتمل کتاب ''کشمیر۔آتش زیرپا'' بڑی عرق ریزی کے ساتھ ترتیب دی ہے۔ میں نے سب مضمونوں کا مطالعہ نہیں کیا، البتہ طاہرانہ نگاہ سے میں نے تجزیہ کیا کہ فاضل مصنف نے ہر عنوان اور موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے اور دلائل وشواہد کی بنیاد پر آر ایس ایس اور بی جے پی کے نظریات، انسانی سماج کی تقسیم اور تحقیر کے نمونے پیش کیے ہیں۔ انسانی برادری میں تفریق کی زندہ مثال نہایت شرمناک اور حد درجہ قابل مذمت ہے۔

''ہندوراشٹرا کس فسطائی سوچ کو جنم دیتا ہے اور کمینگی اور بے شرمی کے جاموں سے باہر آ کر انسانوں میں کس طرح کی تفریق پیدا کرتا ہے، مودی ہندوتوا بریگیڈ سے وابستہ مودی حکومت کی ایک خاتون وزیر مملکت سدھوی نیر نجن جیوتی نے اس کا کھلا مظاہرہ کیا۔ ایک چناوی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے سدھوی نے جلسے میں شامل لوگوں سے کہا وہ ''رام زادوں اور حرام زادوں'' کے مابین فرق کریں۔ یعنی

بھگوان رام کے ماننے والے ایک طرف اور یہ ہوئے "رام زادے"
اور شریف اور جائز اولاد، اور دوسری طرف وہ تمام لوگ "حرام زادے"
ہیں جن کی نسبت رام سے نہیں، اور یہ کمینے اور ناجائز اولاد ٹھہرے۔ یہ
لکیر کھینچ کر یوں "نیشن ہُڈ" کو کریوڈ فارم (Crude Form) میں
"ڈیفائن" کیا گیا۔ ہندوؤں کو رام زادے اور غیر ہندوؤں کو یعنی
مسلمانوں اور عیسائیوں کو "حرام زادوں" کا "اسٹیٹس" دیا گیا۔

وزیرِ اعظم مودی نے اس خاتون کو نہ تو منتری پد سے سبکدوش کیا اور نہ ہی کوئی سزا دی، بلکہ انہوں نے کہا:

"ہم اس کی "سوشل بیک گراؤنڈ کو جانتے ہیں، وہ گاؤں کی ہے اور
اس نے معافی مانگی ہے۔"

(صفحہ 51،50)

اس سوچ اور فکر پر اندازہ ہے کہ جلسے میں شرکاء نے تالیاں بجائی ہوں گی اور انتخابات میں اس انسانیت سوز کلام پر اُن کو ووٹ بھی ملے ہوں گے۔

"تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو"

پس چہ باید کرد!

زینہ گیر کے سپوت نے "کشمیر... آتش زیرِ پا" لکھ کر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ہم پر کیا ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں اس پر بات کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ کتاب جتنا ممکن ہو سکے زیادہ سے زیادہ چھاپی جائے اور پڑھے لکھے لوگوں تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش ہو۔ ہمارے پڑھے لکھے جوان، بیٹے ہوں یا بیٹیاں میری اُن سے دردمندانہ اپیل ہے کہ خود بھی پڑھیں اور گھر گھر پہنچانے کی کوشش بھی کریں۔

کتاب نہ صرف جموں کشمیر کے حدود میں پھیلائی جائے، بلکہ بھارت کے باسیوں تک بھی پہنچانے کی کوشش ہو۔ ہندو برادری بھی پڑھے، مسلمان، عیسائی، سکھ، دلت اور دوسرے لوگ بھی اس کتاب کو پڑھیں تا کہ اُن کو معلوم ہو جائے کہ آر ایس ایس والے ملک کو کس طرف لے جا رہے ہیں۔

بھارت میں مسلمانوں کی تعداد بغیر کسی مبالغہ کے کروڑوں میں تو ہے۔ اس کروڑوں کی آبادی کو معلومات حاصل کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ مسلمان برادری کو یہ کتاب پڑھ کر خود غور وفکر کرنا ہے کہ آر ایس ایس، بی جے پی اور اس کا پریوار بھارت کی پوری آبادی میں خاص طور مسلمانوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ نہ صرف اُن کی تعلیم، اُن کا کاروبار، اُن کا معاش، اُن کا مال، اُن کی جائیداد، بلکہ سب سے زیادہ اُن کا دین اور ایمان اُن سے چھیننا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ اُن کے پاس سب سے بڑا سرمایہ اور متاع صرف اور صرف اسلام، القرآن اور اسوۂ حسنہ ﷺ ہے۔ جیسے فرمایا گیا

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (یونس، ۵۸)

”یہ اُن سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں لوگ سمیٹ رہے ہیں۔“

بھارت میں کروڑوں کی تعداد میں مسلمان پورے ملک میں بکھرے ہوئے ہیں۔ وہ جسمانی طور یکجا نہیں ہو سکتے ہیں، البتہ اُن کو فکری طور مجتمع ہونے کی ضرورت ہے۔ فکری اتحاد کے لیے اُن کو بنیاد فراہم کی گئی ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران، ۱۰۳)

ترجمہ ”سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔“

مسلمانوں کو اسلام کا داعی بن کر کام کرنا ہے، اسلامی تعلیمات میں اُن سب خرابیوں، انسانی اور اخلاقی بیماریوں کا علاج ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان قرآن

اور اسوۂ رسول ﷺ کی تعلیمات کو تمام انسانوں تک بلا امتیاز مذہب، رنگ، زبان، پیشہ، ذات پات پہنچائیں۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ مسلمانوں کو خیر اُمت بن کر فریضہ انجام دینا ہے۔ نتیجہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

مسلم اُمت کے جوانوں کو دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔ اُن کو اسلام کے بغیر کسی ازم اور کسی نظریہ حیات کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام سارے مسائل کا کامیاب حل پیش کرتا ہے۔ کمیونزم، سیکولرازم، سوشلزم، سرمایہ دارانہ نظام، وطنیت، قومیت اور ذات پات جیسے نظریات عملی دنیا میں مکمل طور نا کام ہو چکے ہیں۔ ان ازموں نے نہ تو دنیا میں امن قائم کیا ہے اور نہ ہی غربت کو دُور کیا ہے اور نہ ہی انسانی سماج میں برادری اور بھائی چارہ قائم کیا ہے۔ اسلام انسانی سماج اور برادری میں وحدت پیدا کرتا ہے۔ اسلام وحدتِ آدم کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اسلام نے انسان کو شرف اور احترام بخشا ہے۔

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل، ۷۰)

''یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی۔''

ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کو جامع اور صحیح صورت میں لوگوں تک پہنچایا جائے۔ سب سے زیادہ اس بات کی ضرورت ہے کہ مسلمانوں میں کردار اور سیرت پیدا ہو جائے۔ وہ صرف قول پر ہی انحصار نہ کریں، بلکہ عملی نمونہ بھی پیش کریں۔

پورے بھارت میں اگر مسلمان اپنے کردار اور عمل سے اسلام کی دعوت عام کریں گے تو پورے بھارت میں ایک صالح اور خوشگوار انقلاب آئے گا۔ آر ایس ایس اور دوسرے نظریات جن میں انسانوں کو مذہب، رنگ، ذات پات کی بنیاد پر تقسیم کیا جا رہا ہے اس کا علاج صرف اور صرف اسلامی تعلیمات میں ہے۔ پیارے رسول ﷺ نے فرمایا ہے

کہ "اَلْخَلْقُ عَيَالُ الله و أحب خلقه اليه أنفعهم لعياله" ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جو اللہ کے بندوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

مسلمان جواں بیٹے ہوں یا بیٹیاں، اسلامی کردار کا مظاہرہ کر کے نفرت اور تفریق کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔یہ سب کچھ حسنِ اخلاق اور پُر امن طریق کار سے ہی انجام دینا چاہیے۔

آدمیت احترام آدمی
باخبر شو از مقامِ آدمی

اقبالؒ

یہ تو بھارت باسیوں کی خدمت میں خاص طور مسلمانوں کے لیے ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے۔اب جہاں تک جموں کشمیر کے متنازعہ خطہ کے عوام کا تعلق ہے، گزشتہ 67 سال سے یہ خطہ بھارت کے فوجی قبضہ میں ہے۔ساڑھے سات لاکھ فوج پورے خطے پر چھائی ہوئی ہے۔اُن کے مظالم،قتل و غارت گری، عصمت دری، مالی نقصان، جانی نقصان، تشدد اور بربریت انتہاؤں کو پار کر چکی ہیں،فوج کو ایسے قانون کا تحفظ ہے کہ وہ جب بھی چاہیں جس کو بھی چاہیں قتل کرتے ہیں اور کوئی پُرسان حال نہیں ہے۔بلاخوفِ تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ برطانوی سامراج کے دورِ اقتدار میں جلیاں والا باغ کا ایک خونین منظر رقم کیا گیا۔جموں کشمیر کی حدود میں لاکھوں کی تعداد میں ایسے خونین مناظر رقم کیے گئے ہیں۔اکتوبر، نومبر 1947ء میں صرف جموں میں ڈھائی لاکھ (جن کو تسلیم کیا گیا ہے) مگر عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ پانچ لاکھ مسلمانوں کو بے رحمی اور بے دردی کے ساتھ موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا ہے۔ڈوگرہ فوج، پٹیالہ فوج، بھارتی فوج اور فرقہ پرست قوتوں نے مل کر یہ قتل عام کیا ہے تاکہ جموں میں 61 فیصد مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں بدل دیا جائے۔گزشتہ 25 سال کے عرصے میں ایک لاکھ لوگ فوج، پولیس، وی ڈی سی اور اخوانیوں کے ہاتھوں قتل

کر دیے گئے ہیں۔ 10 ہزار لوگوں کو دن دھاڑے گرفتار کرنے کے بعد لاپتہ کر دیا گیا۔ 7 ہزار 6 سو قبریں ہیں جن میں معلوم ہی نہیں کہ کن لوگوں کو دفن کیا گیا ہے۔ کونن پوشہ پورہ، بدرہ پائین، شوپیان اور دوسرے مقامات پر کل ملا کر ہزاروں کی تعداد میں عصمت دری کی گئی ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں مکانات بلاسٹ یا نذرآتش کر دیے گئے ہیں۔ 11 ؍فروری 1984ء کو محمد مقبول بٹ کو تختہ دار پر لٹکایا گیا اور تہار جیل کے احاطے میں ہی دفنایا گیا۔ 9 ؍فروری 2013ء کو محمد افضل گورو کو تختہ دار پر لٹکایا گیا اور اُن کو بھی تہار جیل میں ہی دفنایا گیا ہے۔ اُن کے لواحقین کو بھی ملاقات کا موقع نہیں دیا گیا۔ قتل وغارت گری کا یہ بازار کانگریس کے دورِ اقتدار میں بھی جاری تھا اور اب آر ایس ایس اور بی جے کے دورِ اقتدار میں اس قتل وغارت گری میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ زمینیں فوجی قبضہ میں لی جا رہی ہیں۔ 2009ء میں ہم نے اعداد وشمار دیے ہیں اور بتایا ہے کہ 28 ؍لاکھ کنال زمین فوجی کیمپوں کے قبضہ میں ہے۔ جہاں کہیں زمین کا رقبہ دیکھنے میں آتا ہے فوج بغیر کسی جواز کے اُس پر قبضہ جماتی ہے۔ اسی طرح عام اور پشتنی باشندوں کے لیے زمین روز بروز تنگ کی جا رہی ہے۔ جنگلات صاف کیے جا رہے ہیں۔ شوپیاں ضلع میں 5,200 جنگلاتی زمین پر قبضہ کیا گیا ہے جہاں 3 لاکھ سے 4 لاکھ تک سبز درخت کٹ جائیں گے۔ بجبہاڑہ تحصیل میں تقریباً 896 کنال زمین پر کنٹونمنٹ بنایا جا رہا ہے۔ فوج نے دعویٰ کیا ہے کہ 1980ء میں یہ زمین خریدی گئی ہے۔ غیر ملکی فوج جو Non-State Subject ہیں، اُن کو کیسے اتنا بڑا رقبہ خریدنے دیا گیا ہے۔ یہ فوج کا دباؤ اور جبر ہے اور اُس وقت کے حکمرانوں کی قومی سرمایہ کی خیانت ہے۔ گرفتاریوں کا چکر جاری وساری ہے۔ کوئی دن نہیں گزرتا کہ جب جوانوں اور سیاسی لیڈران اور کارکنوں کو گرفتار کر کے جموں صوبہ کی جیلوں میں نہیں پہنچا دیا جاتا ہے۔ وادی کے جیل بھی بھرے رہتے ہیں۔ گھروں میں نظر بندیوں کا سلسلہ 2010ء

سے برابر جاری ہے۔صرف وادی میں ایک ہزار بستیاں ہیں جہاں فوج کے کیمپ قائم کیے گئے ہیں۔سول آبادی والے علاقہ جات میں فوج کے کیمپ کی موجودگی سے ہماری معاشرتی زندگی پر شرمناک اثرات پڑتے ہیں۔عفت اور عصمت داؤ پر لگی رہتی ہے۔ جموں صوبے میں فوج، پولیس، انتظامیہ اور 28,500 وی ڈی سی کو بندوقیں الاٹ کی گئی ہیں۔جموں میں مسلمانوں کو اقلیت میں بدل دیا گیا ہے۔اب اُن پر زبردست دباؤ جاری ہے، آئے دن ان کی زندگیاں، مکانات، جائیداد اور عزت وآبرو داؤ پر لگا ہوا ہے۔جموں صوبے کو گویا فوج اور ڈوگرہ شاہی نے فتح کرلیا ہے۔وہاں مسلمانوں، سکھوں، دلتوں کو سانس لینے کی آزادی بھی نہیں ہے۔اتنا اُن پر خوف اور دباؤ ہے۔وادی کے سیاسی لیڈروں کو قدم دھرنے کی اجازت بھی نہیں دی جاتی ہے۔بی جے پی کو 2014ء کے انتخابات میں 25 نشستیں ملی ہیں۔اس بنیاد پر پورا خطہ ان کے قبضہ میں ہے۔آر ایس ایس کی طرف سے وہاں مسلح مارچ کردئے جاتے ہیں، تاکہ اقلیت خوف زدہ ہوجائے اور اُن کو آزادی کے ساتھ زندگی گزارنے کا کوئی موقع نہ مل جائے۔

لداخ کا خطہ بھی براہِ راست یونین کے کنٹرول میں ہے۔وہاں کے مسلمان بودھ آبادی کے رحم وکرم پر ہے۔اکثر وبیشتر وہاں مسلمانوں کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔یہ صورتحال صرف آج کی ہی نہیں ہے، بلکہ گزشتہ 67 سال سے اس پورے خطے کو فوج کے قبضے میں رکھا گیا ہے۔بلاخوفِ تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ بھارت اٹوٹ انگ کی رٹ صرف اور صرف فوجی قبضہ کی بنیاد پر لگا رہا ہے۔اُن کے قبضے کی کوئی آئینی، اخلاقی، جمہوری اور انسانی بنیاد نہیں ہے۔

استعماری قوتوں کا ہمیشہ یہ طرزِ عمل رہا ہے کہ محکوم اور مظلوم قوم کو نہ صرف سیاسی سطح پر غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھتے ہیں، بلکہ اُن کی تہذیب، اُن کا تمدن، کلچر، اُن کی

زبان، اُن کا رہن سہن اور مجموعی طور اُن کی شناخت مکمل طور بدل دیتے ہیں۔ سیاسی اور جبری قبضہ کے بارے میں اُن کو ہمیشہ یہ خدشہ رہتا ہے کہ محکوم قوم جب بھی کوئی قوت اور موقع پائے گا استعمار کے خلاف بغاوت کرے گا۔ اس اندیشہ اور اس نوعیت کے امکانات کا سد باب کرنے کے لیے وہ ہمیشہ ذہن اور فکر بدلنے پر تمام ذرائع اور وسائل بروئے کار لاتے ہیں۔ برطانوی سامراج نے بھی متحدہ ہندوستان میں اپنا کلچر، اپنی زبان اور اپنی تہذیب مسلط کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں رکھا تھا۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان دو کے بجائے تین حصوں میں تقسیم ہو چکا ہے، مگر زبان اور تہذیب کے اثرات برطانوی سامراج کے ہی دیکھنے میں آرہے ہیں۔ زندہ قوموں کو اس بارے میں کافی محتاط اور ہوشیار رہنا پڑتا ہے۔ 1933ء میں علامہ اقبالؒ افغانستان کے دورے پر گئے، جہاں مرحوم ظاہر شاہ کی حکمرانی تھی۔ علامہ مرحوم نے ایک طویل نظم لکھی ہے اور ان کی حکومت اور مملکت کی خوشحالی اور آبادی کے لیے زرین مشورے دئے ہیں۔ مغربی ایجادات کے بارے میں انہوں نے مرحوم شاہ کو مشورہ دیا کہ مغربی ایجادات ان کی ہی میراث نہیں ہے۔ مسلمان بھی ایجادات کا بھرپور اور ضرورت کے مطابق استفادہ کر سکتے ہیں، مگر ایک چیز کا خاص خیال رکھیں کہ اُن کی لادین تہذیب کو اپنے ملک میں نہ آنے دیں، کیونکہ یہ تہذیب تاریخ کے ہر دور میں "حق" کو پسند نہیں کرتی ہے اور نہ "حق" کا وجود برداشت کرتی ہے۔ آج کے دور میں ہم لوگ بچشم سر دیکھ رہے ہیں کہ لادین تہذیب نے چاہے کس کے ہاتھوں میں ہو حق وصداقت.. انصاف، اخلاقی اقدار اور عدل ومساوات کی قدروں کو پامال کیا ہے اور مادہ پرستی کو ہر سطح پر فروغ دیکر انسانی بھائی چارہ، شرم وحیا، اخلاق وکردار کو زمین بوس کر دیا ہے۔ جموں کشمیر کا خطہ جس کو جنت نظیر کے نام سے یاد کیا جاتا رہا ہے، 1846ء سے ڈوگرہ شاہی کے استبداد میں رہ کر ظلم وجبر اور انتہا درجہ کی محکومیت کا شکار رہا ہے۔ 1947ء میں

برطانوی سامراج کے بظاہر خاتمہ کے بعد یہ جنت نظیر بھارت کے ابھرنے ہوئے سامراج کے زنغے میں آکر جہنم زار بن چکا ہے۔ گزشتہ 67 سال سے بھارت فوجی طاقت کا استعمال کر کے مظلوموں کا خون بہانے میں کوئی دریغ نہیں کرتا ہے. لیکن پھر بھی بھارت کے حکمرانوں اور سیاسی قیادت کو اندیشہ ہے کہ زیر استبداد قوم کسی نہ کسی وقت اپنے پیدائشی اور بنیادی حق حاصل کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے گا۔ اسی لیے انہوں نے محکوم قوم کی نسل کو چوتھے درجے سے ہی اپنی تہذیب کا شکار بنانے کی پالیسی اور منصوبہ بندی اختیار کی ہے۔ فوج نے جگہ جگہ ''سدبھاونا'' کے نام پر اسکول اور تعلیمی ادارے کھولے ہیں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں حکمرانوں کے اثر ورسوخ کو مضبوط کر کے بارپش اور تہجد گزار ذمہ داروں کو بھی موم کی ناک بنا کر لادین تہذیب اور مشرکانہ کلچر میں رنگ کر طلباء اور طالبات کی شناخت کو ختم کر دیا ہے۔ وہ نام کے مسلمان تو ہیں، مگر فکر، سوچ اور عمل کے دائرہ میں وہ حکمرانوں کے ذہنی غلام بن چکے ہیں۔ الا ماشاءاللہ۔ آر ایس ایس، بی جے پی اور اس کے پریوار کا تو کھل کر منصوبہ ہے۔ 47ء سے لے کر جو بھی پارٹی برسرِ اقتدار تھی اُن کے ہاتھوں یہی تہذیبی یلغار برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ جموں کشمیر کے مسلمانوں کے لیے یہ بہت بڑا اور اہم ترین مسئلہ ہے کہ وہ اپنا دین، اپنی تہذیب، اپنا کلچر اور زبان کیسے محفوظ رکھ سکیں گے۔ مسلمانوں کی اپنی شناخت کے لیے اولین اہمیت تین زبانوں کی ہے عربی، فارسی اور اردو۔ قومی زبان کا وجود مٹتا جا رہا ہے۔ آج کی نسل اور آنے والی نسل دینی لٹریچر کیسے پڑھ سکتی ہیں۔ جب کہ وہ ان زبانوں سے محروم ہوتی جا رہی ہیں۔ مسلمانوں کے لیے سارا لٹریچر ان ہی زبانوں میں ہے۔ جب یہ زبانیں ہی معدوم ہو جائیں تو ہمارا مستقبل از خود دینی اقدار سے محروم ہو جائے گا۔

آج بھی دیکھا جا رہا ہے کہ ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی اور بڑے بڑے اعلیٰ

درجوں کے پڑھے لکھے عربی، فارسی کی تو بات ہی نہیں اردو بھی نہیں پڑھ سکتے یا لکھ سکتے ہیں۔ گویا ہم اپنی شناخت اور اپنی دینی اقدار خود اپنے ہاتھوں دفن کر رہے ہیں۔

گرامی قدر حسن زینہ گیری صاحب نے "کشمیر... آتش زیرِ پا" میں آپ کو ان سب خطرات سے آگاہ کیا ہے، مگر عمل کرنے والے کہاں ہیں، ہمارا تو یہ حال ہے کہ بالغ لڑکیوں کو بھارت کی سیر کرانے کے لیے فوج کے حوالہ کر کے والدین چین کی نیند سو رہے ہیں۔ وا حسرتا!

شور ہے ہوگئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں تھے بھی کہیں مسلم موجود؟

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود!
یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

اقبالؒ

یہاں کے عوام کی اکثریت کی قربانیوں کا اس لیے بار بار تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ فوجی قبضہ کے خلاف جو عظیم اور بے مثال قربانیاں دی گئی ہیں یا دی جا رہی ہیں اُن کو کسی حال میں فراموش اور نظر انداز نہ کیا جائے۔ آر ایس ایس ہو، ان کی سیاسی ونگ بی جے پی یا دوسری ہندنواز پارٹیاں ہوں، وہ جدوجہد آزادی میں دی گئی قربانیوں کو خاطر میں نہیں لا رہی ہیں۔ وہ لوگ فوج کے سائے تلے صرف اقتدار کی کرسیوں کے طلب گار ہیں۔ اس میں کوئی استثنا نہیں ہے۔ نیشنل کانفرنس ہو، پی ڈی پی ہو، کمیونسٹ پارٹی ہو، عوامی اتحاد پارٹی ہو یا پی سی ہو جس نے 2014ء کے انتخابات میں براہِ راست بی جے پی کا دم چھلا بن کر کھواڑہ

میں دو سیٹیں حاصل کر کے آر ایس ایس کی مدد کی ہے۔ جموں کشمیر کے آزادی پسند عوام کی اولین اور اہم ترین ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ عظیم اور بے مثال قربانیوں کی حفاظت کریں اور بھارت کے فوجی اور جبری قبضہ سے ہر حال میں آزادی حاصل کرنا اپنا مشن بنائیں اور عزم راسخ کریں کہ ہم ہندو راشٹر اور تہذیبی یلغار سے ہر حال میں نجات حاصل کریں گے اور اب تک کی قربانیوں کو کسی حال میں فراموش نہ کریں۔

ہندنواز پارٹیاں اپنے اقتدار اور جاہ وحشمت کے لیے عام لوگوں کو دھوکہ اور فریب دیتی ہیں اور سبز باغ دکھا کر ان سے ووٹ حاصل کر کے بھارت کے جابرانہ قبضہ کی تائید کرتی ہیں۔ آزادی پسند عوام کو دیکھنا چاہیے کہ مجموعی طور ہمارے جوان کس طرح سرفروشی کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ہمیں اس کی قدر اور احترام کرنا چاہیے۔ مایوسی اور بددلی سے بالاتر ہو کر مستحکم اور مضبوط یقین رکھا جائے کہ ہم بھارت کے فوجی قبضہ سے ہر حال میں نجات حاصل کریں گے۔ ان شاء اللہ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ووٹ ڈالنے سے پرہیز کریں، کیونکہ اس طرح ہم اپنی قربانیوں پر پانی پھیر رہے ہیں اور بھارت کو استحصال کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ میں نے بار بار کہا ہے کہ ہندنواز پارٹیاں بھارت کے ظلم واستبداد کی کلہاڑی کے دستے ہیں۔ ووٹ ڈال کر ہم ان دستوں کو مضبوط بناتے ہیں اور خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورۂ یونس کی آیت ۴۴ میں ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ (یونس، ۴۴)

ترجمہ: ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا، لوگ خود ہی اپنے اُوپر ظلم کرتے ہیں۔“

تشریح: ''یعنی اللہ نے تو انہیں کان بھی دیے ہیں اور آنکھیں بھی اور دل بھی۔ اس نے اپنی طرف سے کوئی ایسی چیز ان کو دینے میں بخل نہیں کیا ہے جو حق و باطل کا فرق دیکھنے اور سمجھنے کے لیے ضروری تھی۔ مگر لوگوں نے خواہشات کی بندگی اور دنیا کے عشق میں مبتلا ہو کر آپ ہی اپنی آنکھیں پھوڑ لی ہیں، اپنے کان بہرے کر لیے ہیں اور اپنے دلوں کو اتنا مسخ کر لیا ہے کہ ان میں بھلے بُرے کی تمیز، صحیح و غلط کے فہم اور ضمیر کی زندگی کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔''

(تفہیم القرآن، جلد دوم، صفحہ ۲۸۸:۲۸۹)

موت ہے اِک سخت تر جس کا غلامی ہے نام
مکر و فن خواجگی کاش سمجھتا غلام

اے کہ غلامی سے ہے روح تیری مضمحل
سینہ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام

اقبالؒ

گرامی قدر حسن زینہ گیری کی خدمت میں ''گر قبول اُفتد زہے عز و شرف''

سید علی گیلانی

4 رمارچ 2016ء

مالویہ نگر دہلی

اظہارِ تشکر

اللہ سبحانہ تعالیٰ کا سراسر فضل واحسان ہے کہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچ کر آپ کے شعور کو دستک دے رہی ہے۔اس کے لیے میں صمیمِ قلب سے حافظ وناصر ربِّ ذوالجلال کا شکر ادا کرتا ہوں،ورنہ پہلے سے اس طرح کا کوئی ارادہ نہ تھا۔سیمنار ہونے دیا جاتا تو ایک آدھ گھنٹے کی میری بھی تقریر ہو جاتی اور پھر،زیادہ سے زیادہ۔ایک آدھ مضمون سیمنار میں رکھے گئے موضوع کی نسبت سے اخبار میں شائع ہوتا۔اور بس!لیکن اس ''شر'' میں خیر کا پہلو مجسم شکل میں نکلے معلوم نہ تھا۔ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔

۴ رمارچ ۲۰۱۶ءکو جناب سید علی گیلانی پر دل کا دورہ پڑنے کی خبر سوشل میڈیا سے آن کی آن میں پھیلی اور اسی کے ساتھ میکس اسپتال دہلی سے نازک حالت میں ان کی تصویریں جب پوسٹ ہونی شروع ہوئیں تو دوسرے ہزاروں لوگوں کی طرح میں بھی صدمے سے دوچار ہوا۔لیکن ایک اور چیز میری بے قراری اور ذہنی کوفت میں اضافے کی باعث بن رہی تھی۔میں اپنے آپ کو کوس رہا تھا کہ کیوں میں نے کتاب کا مسودہ دہلی گیلانی صاحب کی خدمت میں ارسال کیا جب کہ ان کی صحت ٹھیک نہ تھی (ان کی صحت اس حد تک بگڑ جائے،اس کا مجھے پہلے سے کوئی اندازہ نہ تھا)۔اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ گیلانی صاحب نے کتاب کے صرف پچاس صفحات ہی کیوں پڑھے ہیں۔بہر حال اُن کی ناسازیٔ صحت کے باوصف انہوں نے جتنا بھی پڑھا اور پھر اس حالت میں بھی کتاب کا ''پیش لفظ''لکھا،وہ اس کتاب کے مصنف کے لیے باعث سعادت ہے۔ان کی صحت ٹھیک

رہتی تو اُن کے رشحات قلم سے آپ کو اس سے زیادہ مستفید ہونے کا موقعہ ملتا۔ میرے پاس وہ الفاظ ہی نہیں کہ میں اس کے لیے بزرگ قائد کا شکریہ ادا کروں۔

سنٹرل یونیورسٹی کشمیر کے صدرِ شعبہ قانون، جناب ڈاکٹر شیخ شوکت حُسین صاحب نے اپنا قیمتی وقت نکال کر نہ صرف ''حرفِ اول'' لکھ کر کتاب کی زینت بڑھائی، بلکہ باریک بینی سے کتاب کا جائزہ لے کر اپنی مفید آراء سے بھی نوازا۔ میں اپنے مخلص دوست، جن کی اسلام پسندی اور حریت نوازی سب پر عیاں ہے، کا دل کی عمیق گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

جب سے خیالات کو کتابی صورت دینے کا ارادہ بندھا، جناب الطاف احمد شاہ صاحب کا اصرار ہر نئے دن کے ساتھ بڑھتا گیا کہ اس کام کو جلد از جلد پورا کروں۔ مواد کو پڑھ کر میری اس خواہش کے ساتھ ان کی خواہش بھی شامل ہوئی کہ پیش لفظ گیلانی صاحب ہی لکھیں۔ انہوں نے ''تقریظ'' لکھ کر نہ صرف ہماری حوصلہ افزائی کی بلکہ اس سنٹیمنٹ (Sentiment) کے ساتھ خود کو جوڑ لیا جس کی یہ کتاب نشو نما کر رہی ہے۔ میں اپنے شفیق دوست کا اس کے لیے شکر گزار ہوں۔

بھلا کمپوزر شبیر احمد راتھر صاحب کا شکریہ ادا کیے بغیر کیسے رہا جا سکتا۔ انہوں نے جس جان فشانی اور خندہ پیشانی کے ساتھ کتاب کی کمپوزنگ کی اور کبھی اپنے ماتھے پر ناگواری کے شکن تک نہ آنے دیے، اس کے لیے میں ان کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔

اس کے ساتھ محترم محمد افضل لون صاحب مینجر ملّت پبلی کیشنز اور ان تمام دوستوں کا شکر گزار ہوں جن کا تعاون کتاب کی طباعت اور اشاعت کے مرحلوں میں شامل رہا۔ اللہ آپ سب کو جزائے خیر عطا کرے۔

اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

حسن زینہ گیری

۱۹ر مارچ ۲۰۱۶ء

"The Most effective way to destroy people
is to deny and obliterate their own
understanding of their History."

- George Orwell -

(''کسی قوم کو تباہ کرنے کا سب سے مؤثر طریقہ یہ ہے کہ
اسے اپنی تاریخ سے محروم رکھو
اور جس طرح سے اس نے اپنی تاریخ کو سمجھ لیا اسے مٹاؤ۔'')

-جارج آرول-



"Tyrany fears nothing as much
as it fears awakening of people
and vigilance of hearts."

- Syed Qutb of Egypt -

(''ظالم دو چیزوں سے سب سے زیادہ خائف رہتا ہے۔
اوّل،لوگوں کی بیداری سے،دوئم،قلوب کی ہوشیاری اور چوکسی سے۔'')

-مصر کے سید قطب شہید-



سیکولر ڈیموکریٹک انڈیا

بھارتی جنتا پارٹی (بی جے پی) کی سربراہی میں مسلم اکثریتی ریاست جموں کشمیر کے سیاسی، تہذیبی، تمدنی تشخص کو چھیننے اور اس کی انفرادیت کو ختم کرنے کے جو شر انگیز اور خطرناک منصوبے تیار کیے گئے ہیں، شرنارتھیوں کے متعلق سفارشات اور حکومتِ ہندوستان کی طرف سے ان کو لمحہ بھر کی تاخیر کیے بغیر منظور کرنا اس کا واضح عکاس ہے۔ ایسا نہیں کہ یہ سب کچھ اچانک اور دفعتاً واقع ہوا ہے۔ اس سازش کے تخم ریاست کا بھارت کے ساتھ، کشمیریوں کی مرضی کے برعکس، جبری الحاق کے وقت سے ہی پڑے ہیں اور کانگریس نے سیکولرازم کی مالا جپتے ہوئے اپنے دورِ حکومت میں بھرپور طریقے سے اس کی پرورش کی۔ باریک بینی سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا، کانگریس سیکولر ماسک پہن کر ہندتوا ایجنڈے کو ہی آگے بڑھاتی رہی۔ موہن داس کرم چند گاندھی جیسے ''عدمِ تشدد کے علمبردار'' اور ''اہنسا کے پجاری'' کے نام کی تختی انڈین اسٹیٹ کے چہرے پر نصب کر کے کانگریس بھارت میں اقلیتوں، خصوصاً مسلمانوں اور کشمیریوں کو اس مقام پر لے آئی ہے جہاں ہندو نیشنلزم کا اژدھا، آر ایس ایس کے اوتار میں، زہریلا پھن پھیلائے ان کو نگلنے کے لیے بیقرار ہے۔

کانگریس کے برعکس آر ایس ایس اور اس کا سیاسی چہرہ بی جے پی (بھاجپہ) اپنے عزائم کو چھپائے نہیں پھرتے۔ وہ فریب کی مسکراہٹ سے اپنے ارادوں پر پردہ ڈالنے کے قائل نہیں۔ وہ اپنے خون آلود خنجر کو پھولوں کے گلدستے میں چھپا کر امن و آشتی کے ترانے نہیں پڑھتے۔ وہ دستانے پہن کر نہیں، آستین چڑھا کر اپنے اہداف کا تعین اور

تعاقب کرتے ہیں۔ وہ بغیر کسی لاگ لپٹ کے اور رعونت کے ساتھ کہتے ہیں "خنجر میں خم پڑا تو اس کا تاوان بھی وہ مقتول سے لے کر ہی رہیں گے۔" وہ روشنیاں گل کر کے مقتل نہیں سجاتے۔ دن کے اُجالے میں فرقہ پرستی کا بازار گرم کرتے ہیں۔ مسلمان اس چتا کا خاص ایندھن ہے اور یہ چتا کبھی بجھتی بھی نہیں اور یہ تب ہی بجھے گی جب "صدیوں پہلے ہندو گھر واپس آئیں گے" اور ہندو راشٹر" کا حصہ بنیں گے۔

آر ایس ایس چیف موہن بھگوت نے گزشتہ سال اپنے ایک بیان میں کہا کہ "ہندوستان ایک ہندو نیشن ہے۔ ہندوتوا ہمارے نیشن کی شناخت ہے اور یہ "ہندوازم" باقی تمام دوسرے (مذاہب) کو اپنے اندر سمو سکتا ہے۔

سرسنگھ چالک (Chief) نے انتہائی صاف گوئی سے ریاست بھارت کا تعارف کرایا ہے۔ کانگریس، کمیونسٹ اور دوسری نقلی سیکولرسٹ (Pseudo Secularist) تنظیموں کے برعکس موہن بھگوت نے سچ کہا ہے۔ اگرچہ باقی دنیا خصوصاً مغرب میں بھارت کی پہچان ایک "لارجسٹ سیکولر ڈیموکریسی" کی بن گئی ہے، حقیقت وہی ہے جو آر ایس ایس چیف نے بتائی ہے اور جسے بھارت کی ممتاز مصنفہ اور عالمی شہرت یافتہ سماجی شخصیت اروندھتی رائے نے اپنے ان الفاظ کا جامہ پہنایا ہے کہ بھارت ایک "اپر کاسٹ ہندو کارپوریٹ ری پبلک" (Upper Cast Hindu Corporate Republic) ہے اور یہ کہ "انڈین ڈیموکریسی ۲۱ویں صدی کا سب سے بڑا اسکنڈل ہے"۔ ان کے اپنے الفاظ میں "Indian democracy is the biggest scam of 21st century"۔ سی این این آئی بی این کے کرن تھاپر کے ساتھ ۲۷ اکتوبر ۲۰۰۸ء کو دیئے گئے انٹرویو میں اروندھتی رائے نے بھارت کی "لبرل ڈیموکریسی" کے بارے میں اپنے نقطہ نظر کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

I don't think we are proud of this liberal democracy. We have increasingly accepted that we are a police State and there is a sort of sliding of the democracy into majority into fascism, that is a real danger. India becomes a threat to not just itself, but to the whole world."

''ہمیں اس لبرل ڈیموکریسی پر کوئی فخر نہیں۔ یہ سوچ ہم میں پروان چڑھ چکی ہے کہ ہم ایک پولیس ریاست ہے۔ جمہوریت اب اکثریت سے فاشزم کی طرف لڑھکتی جارہی ہے اور یہی ایک بڑا خطرہ ہے۔ بھارت ایسے میں نہ صرف اپنے لیے بلکہ پوری دنیا کے لیے خطرہ ہے۔''

سیکولر نقاب کے پیچھے ''ہندوراشٹرا'' والے ملک کی تصویر بھارت کے سیکولر نیتاؤں کی لاکھ کوشش کے باوصف دنیا کے حقیقت شناس لوگوں اور خود بھارت کے بعض صداقت شعار تجزیہ نگاروں کی نظروں سے غائب نہیں رہ سکتی۔ سدارتھ ورداراجن ایک ممتاز جرنلسٹ ہیں۔ اپنے ایک مضمون میں وہ لکھتے ہیں کہ ۲۰۰۲ء میں مودی کے دورِ حکومت میں گجرات فسادات میں حکومت نے مسلم متاثرین کے لیے کوئی ریلیف کیمپ نہیں کھولا اور آج ۲۰۰۹ء میں بھی ان اندرونی طور بے خانماں ہوئے لوگوں (IDPs) کے لیے کچھ نہیں کیا گیا ہے اور وہ مشکل ترین حالات میں رہ رہے ہیں۔ اسی طرح اوڑیسہ کے مفلوک الحال

عیسائی جو اپنے گاؤں واپس آنا چاہتے ہیں، واپس نہیں آسکتے جب تک وہ ہندو مشنریوں کا یہ مطالبہ نہیں مانتے کہ وہ عیسائیت چھوڑ دیں۔

جب بھی دہشت گری سے متعلق واقعات، جن میں جہادی گروپوں کی طرف شک کی انگلیاں اٹھتیں، رونما ہوتے، مسلم تنظیمیں اور علماء فوری طور ان کی پرزور مذمت کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انڈین میڈیا زیادہ طور ان کو رپورٹ کرنے میں بخل سے کام لیتا ہے۔ لیکن جب گجرات میں ۲۰۰۲ء میں ریاستی انتظامیہ کی حمایت سے ہندو تنظیموں نے مسلمانوں کا بڑے پیمانے پر قتل عام کیا تو شاید ہی کوئی ہندو مذہب کا کوئی گرو یا پرچارک اس موقعہ پر سامنے آیا ہو اور ان تنظیموں کی مذمت کی ہو۔

فروری ۲۰۰۹ء میں جب مسٹر ایڈوانی کو این ڈی ٹی کی طرف سے "لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ" دیا گیا تو پرانائے رائے نے ان سے کہا کہ وہ کیا سمجھتے ہیں زندگی میں سب سے بڑا کام (کارنامہ) انہوں نے کیا انجام دیا۔ بی جے پی لیڈر نے جواب دیا کہ اجودھیا ایجی ٹیشن کے سلسلے میں جس رتھ یاترا کی انہوں نے قیادت کی۔ اسی رتھ یاترا کے نتیجے میں بابری مسجد کو منہدم کیا گیا۔

بھارت کے عام لوگوں، سول سوسائٹی، دانشوروں اور میڈیا کے دوہرے معیار پر حق گوئی کا قلم چلاتے ہوئے، بے لاگ تجزیہ نگار ورداراجن کہتے ہیں۔

"۱۹۸۴ء میں گوردوارا پر حملے کے وقت کانگریسی لیڈر جگدیش ٹائٹلر بھیڑ میں موجود تھے۔ ہر ایک ٹائٹلر کی وہاں موجودگی کو انہیں کسی بھی پبلک آفس کے لیے نااہل قرار دیتا ہے۔ لیکن بابری مسجد کے انہدام اور گجرات کے گھیراؤ جلاؤ کے وقت بی جے پی لیڈروں کی وہاں موجودگی کو ہم پبلک آفس یا وزارت عظمیٰ کی کرسی کے لیے نااہل نہیں

سمجھتے۔کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ کانگریس بھاجپہ کے برعکس زیادہ باضمیر ہے۔نہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ عوامی آرا پر اثر انداز ہونے والے لوگ یعنی کارپوریٹ لیڈر، مذہبی شخصیتیں، میڈیا، اسٹریٹجیک تجزیہ نگار، یہ سب ۱۹۹۲ء اور ۲۰۰۲ء کو ۱۹۸۴ء کے جرائم اورقتل عام (Genocide) کا درجہ نہیں دیتے۔"

ارون دتی رائے نے انڈین اسٹیٹ کا فاشسٹ قوتوں کے ہاتھوں میں چلے جانے کے جن خطرات کا ذکر کیا، سدارتھ وردا رجن واقعاتی شواہد کے ساتھ اس کی تائید کرتے ہیں،گوکہ ذرا معتدل انداز میں۔سب سے زیادہ پریشان کُن امر یہ ہے کہ ہندو معاشرے کا بااثر اور طاقتور طبقہ مسلم کمیونٹی کے تئیں مجرمانہ خاموشی برت رہا ہے۔ان پر کی جانے والی زیادتیوں، ایذارسانیوں، ناانصافیوں، عناد اور تعصب سے بے حسی کا ارتکاب کر رہا ہے۔یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ سیکولرازم کی یہ کھال اصل میں ہندو فاشسٹ سوچ کو ڈھانپنے اور اس ایجنڈے پر بھارت کی سمت متعین کرنے کے مقصد کی آبیاری کر رہا ہے۔اسی لیے بھارت میں مسلم کُش فسادات کو ہندو مسلم بلوؤں (Riots) کا نام دیا جاتا ہے۔پال براس ایک اکیڈیمک ہیں۔انہوں نے ہندو مسلم تشدد کا محققانہ جائزہ لیا ہے اور اس پر ایک جامع کتاب لکھی ہے۔وہ کہتے ہیں۔

"What are called Hindu-Muslim roits in India are, in fact, more like pogroms and have recently, in Gujrat and elsewhere, taken the form of genocidal massacres and local ethical cleansing

as well.... It was also apparent to me that violence was not only an issue in Hindu-Muslim relations, but was increasingly widespread in Indian politics."[1]

''بھارت میں لوگ جسے ہندو مسلم فسادات کہتے ہیں، حقیقت میں وہ منظم قتل عام ہے اور حال ہی میں گجرات اور دوسری جگہوں پر اس نے نسل کشی اور نسلی صفائی کی بھیانک صورت اختیار کی ہے۔ مجھ پر (تحقیق کے دوران) یہ بھی واضح ہوا کہ ہندو مسلم تعلقات کے مابین تشدد ہی ایک ایشو نہیں بلکہ (اس کا ایک بدترین پہلو یہ بھی ہے) یہ تشدد اب تیزی کے ساتھ انڈین پالیٹکس میں سرایت کر چکا ہے۔''

کانگریس ۱۹۴۷ء بلکہ اس سے بھی پہلے بھارت پر حکمرانی کرتی آئی ہے۔ تقسیم بھارت کے بعد وہ آٹھ دس سال کو چھوڑ کر عشروں حکومت کرتی رہی اور ہزاروں مسلم کش فسادات اسی کے سیکولر دورِ حکومت میں ہوئے جن میں رانچی، جمشید پور، نیلی آسام، ہاشم پورہ، میرٹھ، بھونڈی، ممبئی، بھوپال، حیدرآباد، علی گڑھ جیسے قتل عام شامل ہیں۔ انتظامیہ اور پولیس ہندو جنونیوں کے جرائم کی پردہ پوشی کرتی رہی اور بعض واقعات میں خود ملوث رہی۔ جسٹس سچر کمیٹی کی رپورٹ یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ کس طرح سیکولر کانگریس مسلمانوں کی اقتصادی اور تعلیمی پسماندگی کی ذمہ دار ہے اور کس طرح جان بوجھ کر ان کو اختیار و طاقت کے اداروں سے دور رکھنے کی کوششیں اور تدبیریں عمل میں لائی گئیں۔ سماج وادی پارٹی قریباً ڈیڑھ سال قبل یو پی میں مسلمانوں کے ووٹ سے برسرِ اقتدار آئی اور تخنے میں مظفر نگر

کے مسلمانوں کی تباہی، قتل، ہجرت اور کیمپ لائف سے ان کی جھولی بھر دی۔ اس سے قبل وہ مایاوتی کے ہاتھوں بھی سیکولرنوازی کا تجربہ کر چکے ہیں۔ سماجوادی پارٹی کے صدر اور سابقہ یوپی چیف منسٹر ملائم سنگھ اور بہوجن سماج پارٹی کی صدر اور سابقہ یوپی چیف منسٹر مایاوتی سیکولر اقدار کو اپنی سیاست کی بنیاد قرار دیتے ہیں، لیکن جب ان دعوؤں کی پرکھ کا وقت آتا ہے تو ان ہی اقدار کے ملبے پر اپنے مفادات کے قیاصرہ تعمیر کرنے اور فرقہ پرست قوتوں کو خوش کرنے میں اپنی اور اپنی پارٹی اور حکومت کی ساری توانائی خرچ کرتے رہتے ہیں۔ 12/فروری 2001ء کو الہ آباد ہائی کورٹ کے جج جسٹس جگدیش بھالا نے یوپی گورنمنٹ کو ایک آرڈر (حکمنامہ) جاری کرنے کو کہا تاکہ بابری مسجد کو گرائے جانے سے متعلق جرائم کے مقدمات میں تیزی لائی جائے، لیکن دونوں ''سیکولر'' لیڈروں نے اپنے اپنے دورِ حکومت میں اس قسم کی سادہ نوٹفکیشن اجراء کرنے سے ہاتھ کھینچ لیے کیونکہ وہ بی جے پی کو ناراض کرنا نہیں چاہتے تھے۔[2]

دسمبر 1992ء اور جنوری 1993ء کے مسلم کش ''فسادات'' میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو ممبئی میں ہلاک کیا گیا، ان کے گھروں اور دکانوں کو نذرِ آتش کیا گیا۔ یہ ''فسادات'' (؟ حقیقت میں قتل عام) بابری مسجد کی شہادت کے بعد پھوٹ پڑے۔ مہاراشٹر کی کانگریس حکومت نے ان فسادات کی تحقیقات کرنے اور یہ دیکھنے کے لیے کہ ڈیڑھ ماہ بعد ممبئی میں جو سیریئل بم دھماکے ہوئے ان کا ان مسلم کش فسادات سے کوئی تعلق بنتا ہے، جسٹس ایم ایم سری کرشنا کی سربراہی میں یک نفری تحقیقاتی کمیشن تشکیل دیا۔ جسٹس سری کرشنا نے صاف الفاظ میں کہہ دیا ''سیریئل بم دھماکے ان فسادات کا نتیجہ تھے۔'' (ان فسادات میں دیگر مسلمانوں کے ساتھ میمن فیملی نے بھی کافی نقصان اٹھایا تھا۔ حال ہی میں 31/جولائی 2015ء کو مودی کی سربراہی والی بھاجپہ حکومت نے سپریم کورٹ کی جانب

سے ان دھماکوں میں مجرم قرار دیے جانے والے یعقوب میمن کو پھانسی دلائی۔)

"One common link between riots of December 1992 and January 1993, and bomb blasts of 12 March 1993 appears to be that the former to have been a causative factor for the latter..."[3]

جسٹس سری کرشنا نے کمال دیانت داری اور جرأت کے ساتھ ان فسادات اور بم دھماکوں میں، ان کے الفاظ میں "ریاستی تعصب" (State Bias) کو طشت از بام کیا جو حکومت کی جانب سے ان دونوں واقعات میں دکھایا اور عملایا گیا۔ انہوں نے کہا "اگر ریاست فسادات میں خود ملوث ہوتو پولیس اصلی مجرموں کے بجائے متاثرین اور مظلومین کو دھر لے گی جیسا کہ ممبئی اور دہلی کے فسادات میں ہوا۔ استغاثہ بھی اسی رُخ پر جائے گا جو ریاست کی خواہشات کا مظہر ہو۔ بم دھماکوں میں ملوث ملزمان کو عدالت کے کٹہرے تک لانے کے لیے استغاثہ نے جو جوش و جذبہ دکھایا اس پر ہمیں اعتراض نہیں لیکن یہی جذبہ فسادات میں ملوث مجرمین کے خلاف پولیس اور انتظامیہ کی طرف سے مفقود تھا۔"

"If the state is complicit in the communal riots, police will turn a Nelson;s eye towards the aggressors and round up the real victims as happened during Mumbai riots and Delhi Riots. Obviously prosecutors also

will be geared to meet the ends of the state. While no one could have objected to the zeal with which the police prosecuted bomb blast cases, one wishes the same zeal had been shown in investigation and prosecution of the riot cases..."[4]

ان فسادات میں سری کرشنا کمیشن نے پولیس، انتظامیہ، برسر اقتدار پارٹی کانگریس اور سنگھ پریوار بالخصوص بال ٹھاکرے اور اس کی جنونی ہندو تنظیم شیوسینا کے کردار کو بے نقاب کیا ہے۔ جہاں شیوسینائی غنڈے مسلمانوں کے قتل عام اور گھیراؤ اور جلاؤ میں ملوث رہے اور پولیس، کمیشن کے بقول، جیسے وہ بال ٹھاکرے سے ہدایات لے رہی تھی، وہیں قاتلوں اور متعصب پولیس افسروں اور اہلکاروں کو ہر صورت میں بچانے کے لیے کانگریس بھاجپہ کا چولا پہنے ہوئے تھی۔ کمیشن کا یہ ریمارک ریاست کی مسلم دشمن ذہنیت اور رویہ کو سمجھنے کے لیے کافی ہے جس میں پولیس کے جینز (Genes) میں مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی چاہت اس حد تک سرایت کر چکی ہے کہ ایک مسلمان کی ہلاکت کا مطلب ہے ایک مسلمان کم ہوگیا۔"

"The (ir) attitude was that one Muslim killed was one Muslim less."

یہی بال ٹھاکرے، جس کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں اور جس نے پوری عمر مسلمانوں کے خلاف عام ہندوؤں میں منافرت پھیلائی اور مسلمانوں کو

سرطان اور طاعون کہہ کر ہندو اکثریت کو ان کے خلاف بھڑکایا، جب فوت ہوا تو اس کے آخری رسومات سرکاری سطح پر انجام دئے گئے۔ شیوسینا کئی سالوں تک بھاجپہ کے ساتھ اقتدار میں شامل رہی اور آج بھی ہے۔ سیکولر دیوی اس ملک میں مخصوص مزاج رکھتی ہے۔ وہ معصوم انسانوں کے لہو کے پیاسوں پر اپنی دستِ شفقت رکھتی ہے تاکہ اقتدار کے ایوانوں تک پہنچنے میں انہیں کوئی مشکل پیش نہ آسکے بھلے ہی ''ہندو مسلم سکھ دلت سب ہیں بھائی'' کی مالا جپتی رہے۔ ممبئی مسلم کش فسادات کے کسی مجرم کو سزا نہ ملی، نہ ہی سری کرشنا کمیشن کی رپورٹ پر عمل درآمد ہوا۔ گجرات کے قتل عام میں کسی کو پھانسی کی سزا نہ دی گئی اور اب تو عالم یہ ہے کہ بلاتفریق مذہب وملت انسانیت کی خدمت انجام دینے والے دانشور، سماجی کارکن جو گجرات قتل عام کے متاثرین کو انصاف دلانا چاہتے ہیں۔ (مثلاً سیتا سیتل واد) کو جھوٹے مقدموں میں پھنسایا جاتا ہے۔ دوسری طرف مالیگاؤں بم دھماکے میں ملوث آر ایس ایس سے وابستہ دہشت گردوں کو حکومتِ دہلی بچانا چاہتی ہے۔ حال ہی میں مالیگاؤں کیس کے سرکاری وکیل روھنی سیلین نے یہ کہہ کر استعفیٰ دیا کہ بھاجپہ حکومت مجھے ان ملوث ہندو ملزمان کے خلاف ''نرم رویہ اختیار کرنے'' (To go Soft) پر، این آئی اے کی طرف سے دباؤ ڈالتی رہی ہے[5]۔ 1987ء میں اتر پردیش کی پولیس (PAC) کی 41 ویں بٹالین ہاشم پورہ (میرٹھ) سے 45 معصوم مسلمانوں کو اپنے گھروں سے پولیس ٹرکوں میں اٹھا کے لیتی ہے اور گنگا نہر اور ہنڈن دریا کے پاس ان کو گولیاں مار کر نہر اور دریا میں پھینکتی ہیں۔ اس قتل میں چند ایک معجزاتی طور پر بچ جاتے ہیں، باقی چالیس کے قریب قتل کردئے جاتے ہیں۔ دہلی ہائی کورٹ اس سال مارچ کے مہینے میں ''ناکافی شواہد'' پر تمام پولیس اہلکاروں کو بری کر دیتی ہے، جیسا کہ انڈین ایکسپرس نے سوال اٹھایا ہے کہ اگر ان پولیس اہلکاروں نے، جس میں 16 اس وقت بھی زندہ ہیں، ان کو ہلاک

نہ کیا تو پھر کس نے؟

"But if these 16 didn't murder men from Hashimpora, then who did?"

(The Neille Massacre of 1983ء کا نیلی قتل عام" (1983 نام کی کتاب میک کو کیمورو نے لکھی ہے اس میں وہ تین ہزار مسلمانوں کے قتل کی تعداد بتاتے ہیں، سرکاری طور پر 1800 مسلمانوں کے قتل کی تصدیق کی گئی ہے، لیکن ابھی تک کسی بھی قاتل کو یعقوب میمن اور افضل گورو کی طرح پھانسی نہیں دی گئی۔ محمد افضل گورو کو "ہندوستانی سماج کے اجتماعی ضمیر کی تسکین۔" کے لیے موت کی سزا دی گئی مگر ہندوستانیوں کا یہ "اجتماعی ضمیر" اپنی "تسکین" کے لیے دوسرے خونخوار قاتلوں اور مجرموں کا لہو کیوں نہیں مانگتا، اسے مخصوص لوگوں کا خون نوش کرنا ہی پسند کیوں؟ آخر پھانسی کے سزا یافتہ قریباً 75 فیصد لوگ دلت اور مسلمان ہی کیوں، جو انتہائی پسماندہ اور افلاس کے شکار ہیں اور دبے اور کچلے ہوئے ہیں۔" صرف گزشتہ دو برسوں میں (جون 2013ء تا جنوری 2015ء) جن 385 لوگوں کو موت کی سزا دی گئی ان میں تین چوتھائی اقتصادی اور سماجی لحاظ سے انتہائی پسماندہ لوگوں (دلت اور مسلمان) سے تعلق رکھتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے تعصب موت کی سزا دینے کے عمل کو داغدار بنا دیتا ہے۔"

"Bias also stains the dispensation of the death penalty: of 385 prisoners handed the sentence between June 2013 and January 2015, three quarters belonged to economically or socially

vulnerable communities."[6]

لگ بھگ ایک ڈیڑھ عشرہ قبل اڑیسہ کے دُوردراز گاؤں میں برص (Leprosy) میں اور دوسری بیماریوں میں مبتلا افراد کا علاج کرنے والے ایک عیسائی مشنری ڈاکٹر گراہم سٹینز (Graham Stains) کو اپنے دو چھوٹے بچوں سمیت بجرنگ دل کے رابندا پال نے اپنے دوسرے ہندوتوا جنونیوں کے ساتھ گراہم اسٹینز کی ہی کار میں زندہ جلا دیا۔لیکن اس قدر گھناؤنا اور ہیبت ناک واقعہ جج صاحبان کی نظر میں قاتلوں کو تختہ دار پر چڑھانے کے لیے "Rarest of rare" کے ضمرے میں نہیں آتا ہے۔رابندرا پال کو پھانسی نہیں عمر قید کی سزا دی گئی۔منطق؟ فاضل جج صاحبان نے کہا ''مشنری ڈاکٹر کا مذہب کی ترغیب دینا بجائے خود سخت سزا میں تخفیف کرنے کا واقعہ ہے''۔لیکن یعقوب میمن کے بارے میں اسی چیز کو پیشِ نظر نہیں رکھا گیا۔اگر گراہم سٹینز کا مشن، اتنا اشتعال انگیز ہے کہ ہندو اس کو زندہ جلانے پر اتر آئے تو سینکڑوں مسلمانوں کے بے رحمانہ طریقے سے قتل کرنا (جس میں میمن خاندان کے افراد بھی شامل ہیں) اور بابری مسجد کی شہادت کو آخر مسلم جذبات کو بھڑکانے سے تعبیر کیوں نہیں کیا جا سکتا اور یعقوب میمن کے حق میں یہ واقعہ اسی طرح سزا کو ہلکا کرنے کا جواز کیوں نہیں مانا جا سکتا؟ محمد افضل گورو کے حق میں یہی دلیل کیوں نہیں دی جا سکتی؟ بھارت کی طرف سے استصواب کے وعدے سے انحراف اور کشمیریوں کی تحریکِ حق خودارادیت، جس کا بین الاقوامی کردار ہے کو فوجی قوت سے زیر کرنے سے یہاں پیدا شدہ ''اشتعال'' کو ''سزا میں تخفیف کرنے کے واقعے'' کے طور پر انڈین جوڈیشری کیوں نہیں لیتی؟ یہاں "Cause" اور "Effect" کے مابین تعلق کو یکسر کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے؟

بھارت کے دانشور صحافی اور سیاسی قائدین کہتے ہیں کہ کشمیریوں کو آزادی نہیں

دی جاسکتی، کیونکہ بقول ان کے یہ "علیحدگی" بھارتی سیکولرازم کے لیے خطرہ ہے۔ سرینگر میں 25 جولائی 2015ء کو بھارت کے ایک چوٹی کے صحافی کلدیپ نائیر نے ایک سیمینار میں اسی بیمار ذہنیت اور پراگندہ سوچ کا اظہار کیا۔ کلدیپ نے کہا "کشمیر کی آزادی بھارت کے دو اہم اساسی اقدار کے لیے سنگین خطرہ ہے۔ اگر کشمیریوں کو آزادی دی گئی تو سیکولرازم اور ڈیموکریسی کے لیے یہ بہت بڑا خطرہ ہوگا۔ اس صورت میں انڈیا اپنا وجود باقی نہیں رکھ پائے گا اور کشمیریوں کی آزادی روکنے کے لیے انڈیا کی سول سوسائٹی ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہے۔"

"Independence of Kashmir hits at two core values of India, which is unacceptable to the country. Secularism and democracy will come under threat in India if Kashmir is allowed to go independent.... India won't survive in such a scenario...Civil Society of India is prepared to give any sacrifice to prevent breaking away of Kashmir."[7]

بھارتی سیکولرازم اور بھارتی جمہوریت دو الگ ضخیم کتابوں کی متقاضی ہیں اور یہاں اس کی گنجائش نہیں ہے، یہاں اس کتاب میں صرف طائرانہ نگاہ بھارت کے ان سیکولر اور جمہوری دعووں پر ڈالی گئی ہے۔ کلدیپ نائیر جن آہنی ہاتھوں سے کشمیر کو بھارت کے

ساتھ جڑا رکھنا چاہتا ہے اور جس کے لیے دلی کے حکمرانوں نے قریباً سات لاکھ فوج اور نیم فوجی دستے اور انٹلی جنس یہاں چپے چپے پر تعینات کیے ہیں، اس سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ ایک قوم، جس کی اپنی الگ تاریخ، ثقافت، تہذیب اور جغرافیہ ہے اور جو کبھی بھارت کا حصہ نہ رہا، کے جمہوری حقوق کو وہ طاقت سے دبائے رکھنے کا استعماری سوچ رکھتا ہے۔ جمہوریت عوامی خواہشات کے اظہار کا نام ہے اور کشمیر میں اس کی گردن مروڑنے کی وکالت کر کے کلدیپ اکیسویں صدی کا لبرل ڈیموکریٹ نظر نہیں آتا، بلکہ چانکیہ کی طرح عیار اور اسٹالین کی طرح جابر شخص کا روپ دھارن کیے ہوئے ہے۔ الیکشن کے نام سے جو فراڈ یہاں کھیلا گیا وہ سب پر عیاں ہے۔ یہاں اس کی وضاحت کرنے کا موقعہ نہیں۔ یہاں ہم صرف اتنا پوچھتے ہیں کہ اگر کشمیر کو جبراً بھارت کے ساتھ رکھنے پر ہی انڈین اسٹیٹ سیکولر اور ڈیموکریٹ رہ سکتی ہے تو یہ کروڑوں بھارت واسیوں کے لیے گالی سے کچھ کم نہیں ہے۔ یہ اس ''آئیڈیا'' (Idea) کی نفی ہے جس پر بھارت کی ریاست کی بنیاد رکھی گئی ہے اس کا صاف مطلب ہے کہ اگر کشمیر کو بھارت کا حصہ نہ بنایا جاتا تو انڈین اسٹیٹ سیکولر نہیں رہ سکتی۔ اس لیے کشمیریوں کو زنجیروں میں باندھنے سے ہی یہ ریاست سیکولر رہ سکتی ہے۔ اس سے بڑی توہین انڈین ری پبلک کی نہیں ہو سکتی۔ کلدیپ نائیر کی طرح کے لوگ سمجھتے ہیں کشمیریوں کو بندھوا مزدور بنا کر ہی انڈین اسٹیٹ کا سیکولر اور ڈیموکریٹک مزاج محفوظ رہ سکتا ہے۔ اتنا ہی نہیں وہ بھارت کی سالمیت کو کشمیریوں کی یرغمالی سے مشروط سمجھتے ہیں۔ یعنی بھارت کا کوئی اپنا الگ وجود نہیں۔ وہ کشمیریوں کو دانتوں میں دبائے پھرتے ہی اپنی زیست برقرار رکھ سکتا ہے۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جو دوسری قوم کو یرغمال بنا کر اپنے سیکولر اور جمہوری دعوؤں کا اس ''بے باکی'' کے ساتھ ڈھنڈورا پھرتا ہے۔ نائیر جی مبارک ہو!!! اگر کل حالات نے پلٹا کھایا اور بھارت عالمی دباؤ اور کشمیری عوام کی مزاحمتی

تحریک کے دباؤ پر کشمیریوں کے ساتھ کیئے گئے استصواب کے وعدے کو پورا کرنے پر مجبور ہوا تو کیا ''جمہوری'' اور ''سیکولر'' بھارت اپنا وجود کھو بیٹھے گا؟ خوف کی یہ نفسیات کیا پیغام دیتی ہے۔ یہی نا کہ مہان دیش کی جمہوری اور سیکولر بنیادیں کھوکھلی ہیں۔ کشمیر ساتھ نہ رہا تو دیش کا ان "Core Values" پر اعتماد اُٹھ جائے گا۔ گویا دیش کی 31 ریاستوں کو فیڈرل سیٹ اپ میں یکجا رکھنے کے لیے کشمیریوں کا بلی دان ضروری ہے۔ واہ رے سیکولر ڈیموکریٹک اقدار کی ڈفلی بجانے والے دانشورو اور صحافیو! اصل میں تمہاری سوچ کے لوگ ہی مہان بھارت کے اصل دشمن ہیں جو اس ملک کے اساسی اقدار پر جہالت، ہٹ دھرمی اور حماقت کے نشتر چلاتے ہیں۔ اکثر بھارت کے نیتا کہتے رہے ہیں کہ اگر کشمیر الگ ہوگیا تو بھارت میں مسلم کش فسادات بھڑک اٹھیں گے۔ یعنی کشمیریوں کے حقوق غصب کرنے میں اس لیے کوئی قباحت نہیں کہ اس سے بھارت میں مسلمانوں کا تحفظ ہوتا ہے (حالانکہ 1947ء سے اب تک کے ہزاروں فسادات کشمیریوں کی اس یرغمالی کے باوجود تواتر کے ساتھ جاری ہیں)۔ یہ اس طرح کا استدلال جہاں مضحکہ خیز ہے، وہیں سیکولر نقاب کے پیچھے ریاست کے ایک اور چہرے کا تعارف بھی پیش کرتا ہے۔

کلدیپ نائیر نے اس سیمینار میں بڑے فخر سے بھارت کے سابق وزیر اعظم لال بہادر شاہ شاستری کے اس رعونت آمیز استعماری بیان کا بھی حوالہ دیا جس میں شیخ محمد عبداللہ مرحوم کی اس بات پر کہ ''کبھی کبھی کشمیر کی آزادی کا خیال میرے ذہن میں آتا ہے۔'' شاستری جی نے کہا ''کونسی آزادی کی بات تم کرتے ہو، کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم یہ تمہیں دیں گے۔'' کیا یہ فخر کی چیز ہے؟ جو نیتا عالمی برادری، پارلیمنٹ اور کشمیری عوام کے سامنے کیے گئے استصواب کے وعدے سے مکر جاتے ہیں، ان کی ہٹ دھرمی، وعدہ خلافی اور جبر سے اپنے ساتھ رکھنے کی پالیسی پر تنقید کرنے کے بجائے ان کی سراہنا کی جائے، یہ تو بے قید

نری قوم پرستی، اخلاقی انارکی اور مغرور ذہنیت کی علامت ہے اور اس طرح کی باتیں کلدیپ نائیر کے منہ سے نکلیں ان کو زیب نہیں دیتا۔لیکن کشمیر کے حوالے سے وہ سنگھ چالک کے ذہن سے سوچتے ہیں اسی لیے کشمیر کو بھارت کے ساتھ رکھنے پر ''ہر قسم کی قربانی'' دینے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔

بحث کو سمیٹنے کے لیے یہاں حقوقِ انسانی کے معروف کارکن اور ممتاز دانشور اور صحافی گوتم نولکھا کے ریمارکس کا حوالہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ 2/اپریل 2006ء کو سرینگر میں ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کی طرف سے منعقدہ سیمینار میں ''تنازعہ کشمیر اور حقوق انسانی کی خلاف ورزیاں'' کے موضوع پر اپنی مدلل تقریر میں بھارت کے اس بیباک اور حق پرست دانشور نے کہا کہ ''بھارت کو سیکولرازم اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پر وعظ پڑھنے کا کوئی حق نہیں اور نہ اس کے پاس اس قسم کو کوئی شاندار ریکارڈ ہے۔انہیں دیکھنا چاہیے کہ کشمیر میں انڈیا اور انڈینز کا ریکارڈ کیا ہے۔کیا وہ اکثریہ دلیل نہیں دیتے کہ کشمیر کا بھارت کے ساتھ رہنا ضروری ہے تا کہ انڈیا سیکولر رہے؟ بھارت نے حقائق اور شواہد کو دبانے کے لیے نت نئے طریقے ایجاد اور اختیار کیے۔صداقت کو دبانے اور صورتحال کو اپنی منشا کے مطابق پیش کرنے کے لیے قابض طاقت نے خاص اصطلاحیں وضع کیں۔''

"India has no bright record to give sermons on communal harmony to Kashmiris. "They should see what is record of India and Indians in Kashmir. Did they not argue that Kashmir should be kept with India to keep India

secular," he said. India, Gautam said, has devised several ways to suppress the facts and data. "Death toll, over ground workers, neutralization and other related terms are nothing but terminology used by occupational forces to suppress the reality and present the situation the way they want it to be."[8]

عجیب تماشہ ہے ایک طرف بھارت انڈیا کو سیکولر بنائے رکھنے کے لیے کشمیر کو اپنے سے جدا کرنا نہیں چاہتا، دوسری طرف، جیسا کہ اگلے صفحات میں بھی واضح ہوگا، بھارت کے اربابِ اختیار کا رویہ کشمیر اور مسلمانانِ ریاست کے تئیں ناگپور اور اٹھارویں صدی کے برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کا جیسا ہے۔ وہاں بھارت میں جمہوریت کو پروان چڑھانے کے لیے "Core Values" کا انہیں درد ستائے ہوئے ہے، یہاں جمہوری اقدار کو پاؤں تلے روندنے پر کانگریس اور بی جے پی اور دوسری علاقائی اور نسلی تنظیمیں آپس میں لڈو بانٹتے ہیں اور ایک دوسرے کو شاباشی دیتی ہیں۔ یہاں مسلم اکثریتی ریاست کی ڈیموگرافی کو بدلنے کے لیے اس سیکولرازم کا جنازہ نکالتے ہیں جس کو وہاں بھارت ریاست کو متحد رکھنے کے لیے لازمی سمجھا جاتا ہے۔ آخر کونسی سیکولر ریاست افسپا (AFSPA) جیسے سیاہ ترین قانون کے ذریعے علاقوں پر قبضہ جمائے ہوئے ہے۔ حالانکہ خود بھارت کے منصف مزاج لوگ اور ایمنسٹی انٹرنیشنل لگاتار کہتے آئے ہیں ایسے ظالمانہ قوانین کی کوئی ضرورت نہیں۔

بھارت کے نیتا کشمیر کو "بھارت کا تاج" کہتے ہیں۔تاج عزت و وقار، فخر و انبساط، حاکمیت و سرداری اور خود مختاری و فرمانروائی کی علامت سمجھا جاتا ہے، لیکن یہ کیسا "تاج" یہاں کے "سلطان" ایک قیدی کو بھی چھڑانے کا اختیار نہیں رکھتے، ایک قاتل وردی پوش کو عدالت کے سامنے کھڑا نہیں کر سکتے، بے نام قبروں کی تحقیقات بھی نہیں کر سکتے۔ یہ کیسے "ظل سبحانی"، اپنے قدرتی وسائل اور پن بجلی پروجیکٹوں پر اختیار بھی نہیں رکھتے، اپنی قانون ساز اسمبلی کی "مردانگی" چھیننے پر اُف تک نہیں کرتے۔حق یہ ہے بھارت نے اس تاج کو اپنے استعماری مقاصد کے تکمیل کی راہ میں جوتی بنا کر ایسا گھسایا ہے کہ اب یہ ان کے کباڑ خانے کی زینت بن چکا ہے۔

Notes and References

1. Production of Hindu-Muslim violence in contemporary India- Paul R Brass
2. A G Noorani - 'Myth about Muslims'; Times of India, July 09, 2008
3. Indian Express, August 01, 2015
4. Indian Express, August 01, 2015
5. Indian Express, June 26, 2015
6. Indian Express (Editorial) 'He should not hang', July 03, 2015
7. Greater Kashmir (e-paper) 26 July, 2015
8. Greater Kashmir, April 03, 2006

ہندوراشٹرا

اسی سال 9رفروری 2015ء کو راشٹریہ سوائم سیوک سنگھ (آرایس ایس) کے سربراہ موہن بھگوت نے میرٹھ اور غازی آباد میں آرایس ایس کے ایک مجمع سے خطاب کرتے ہوئے ہندوستان کو ایک ''ہندوراشٹرا'' قرار دیا اور تمام ہندوؤں کو ''منظم کرنے'' کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے موجودہ وقت کو ہندوتوا نظریئے اور ہندوراشٹرا کے لیے ''موافق'' کہا۔ اس تقریر سے آرایس ایس کے اس نقشے کے خدوخال (Contours) سامنے آتے ہیں جس کی بنیاد پر وہ انڈین اسٹیٹ کو چلانا چاہتے ہیں اس کی اہمیت کی بنا پر اسے بھگوت جی کے ہی الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

> ''انڈیا ایک ہندراشٹر ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ بھارت کے تمام ہندوؤں کو منظم کیا جائے جس کے لیے موافق حالات ہیں۔'' (بھارت کے معروف شاعر اور فلسفی ڈاکٹر رابندرا ناتھ ٹیگور کا حوالہ دیتے ہوئے کہا) ''جب بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے ایک درمیانی راستہ نکلے گا اور یہ راستہ ہندوتوا کا راستہ ہوگا۔'' (بھگوت نے کہا) ''ہندوستان ایک ہندو راشٹر ہے جو ایک حقیقت ہے اور ہم اس (سوچ اور حقیقت) کو ساتھ لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ تمام ہندوؤں کو منظم کرنا ہوگا تاکہ قوم کو مضبوط اور عظیم بنایا جائے۔۔۔۔ ایک وقت تھا جب بھارت یا دنیا کے دوسرے

حصوں میں آر ایس ایس نظریے کو پذیرائی نہیں ہو رہی تھی، مگر اب سنگھ کے لیے انتہائی موافق وقت ہے۔"[1]

آر ایس ایس چیف نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔ انہوں نے اسی نظریے کو عملانے کی بات کہی ہے جو اس تنظیم کے فکری راہنما ایم ایس گول والکر نے کہی ہے۔ آر ایس ایس کی فاشسٹ سوچ گول والکر، جنہیں پورا سنگھ پریوار "گروجی" کے نام سے پکارتے ہیں، کے قلم کی مرہونِ منت ہے۔ 1939ء میں ان کی کتاب "وی آر اور نیشن ہڈ ڈیفائینڈ" (We or Our Nationhood Defined) شائع ہوئی۔ اس میں گول والکر ان تمام لوگوں کو غیر ملکی کہتے ہیں جو ہندو نسل، مذہب، ثقافت اور زبان سے تعلق نہیں رکھتے۔ ان کے الفاظ میں:

"All Those not belonging to the national i.e, Hindu race, religion, culture and language, naturally fall out of the pale of real national life.... so long, however, they maintain their racial, religious and cultural differences, they cannot but be foreigners."

مسلمانوں اور عیسائیوں کو غیر ملکی اور حملہ آور قرار دینے کے بعد گول والیکر اپنی اس کتاب میں صاف طور پر ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ یا تو وہ اس قومی یعنی ہندو دھارے میں شامل ہو جائیں یا بصورتِ دیگر ان کو ہندوؤں کے رحم و کرم پر جینا ہوگا جس میں ملک سے دربدری بھی شامل ہے۔

"There are only two courses open to the foreign elements, either to merge themselves in the national (Hindu) race and adopt its culture, or to live at its mercy so long as the national race may allow them to do so and to quit the country at the sweet will of the national race. That is the only logical and correct solution."[2]

"بنچ آف تھاٹس" (Bunch of Thoughts) گول واکر کی ایک اور مشہور تصنیف ہے جو انہوں نے 1966ء میں شائع کروائی۔ اس میں وہ بھارت کو "ہندو نیشن" کہہ کر پوری زمین کو محض ہندوؤں کی ہی سرزمین اور ان ہی کے لیے مخصوص سمجھتے ہیں اور اس خطہ زمین پہ زندگی کا معنیٰ محض ہندو قوم کی زندگی ہے جسے وہ "نیشنل لائف" کہتے ہیں:

"We say that in this land of ours, Bharat, the national life is of Hindu people. In short, this is the Hindu nation."[3]

"گورو جی" کی فاشسٹ سوچ کو اب بھی قرار نہیں ملتا۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کو غیر ملکی اور حملہ آور قرار دینے کے بعد بھی ان کے بغض وعناد کا آتش کدہ ٹھنڈا نہیں پڑتا۔

وہ انہیں کھلم کھلا دشمن وطن اور غدار کہتے ہیں، حتیٰ کہ بیوقوف کی گالی بھی دیتے ہیں۔

"We repeat, in Hindustan, the land of Hindus, live and should live the Hindu Nation.... All others are either traitors and enemies to the national cause, or to take a charitable view, idiots."[4]

بھارت کے آئین پر اپنی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں، یہاں بھارت میں حقوق صرف ہندوؤں کے لیے ہیں، دیگر قومیتوں کو ہندوؤں کو ملنے والے آئینی حقوق کی صف میں نہیں لایا جاسکتا۔ ان کے خیال میں یہ ایسی ہی بات ہے کہ جائداد کی تقسیم میں اپنے بچوں کے ساتھ چوروں کو بھی شامل کیا جائے۔

"Unfortunately in our country our Constitution has equated the children of the soil with the aggressor, and given equal rights to everybody, just as a person without understanding may give equal rights to his children and to the thieves in his house and distribute the property among them all."[5]

یہ ہے وہ فکری اساس اور نظریاتی بنیاد جس پر سنگھ برگیڈ تشکیل پا گیا ہے۔ ان کے سر سنگھ چالک اور پرچارک ہوں، اسمبلی اور پارلیمان میں ان کے نمائندے ہوں، تعلیمی

ادارے، پولیس، انتظامیہ، میڈیا، این جی اوز، طاقت واختیار کے مراکز میں ان کے آدمی ہوں (اب کون سی جگہ رہ گئی ہے جہاں آر ایس ایس نہ پہنچی ہو) اس سوچ کی نمائندگی ہوتی ہے۔اقلیت دشمنی خصوصاً مسلم دشمنی ہی ان کے ''نیشن ہڈ'' کو ''ڈیفائن'' کرتی ہے۔ دیگر قومیتوں کو''غیر ملکی''، ''حملہ آور'' اور ''چور'' اور ''جارح'' کہہ کر اصل میں آر ایس ایس منو جی کے ذات پات سسٹم اور برہمنی استبداد کا تحفظ چاہتی ہے۔اسے معلوم ہے ہندو دھرم جس ذات پات اور تفریق پر مبنی نظام کا قائل ہے وہ اپنی گرفت اپنی ہی قوم پر کھوتا جارہا ہے اور نفرت ہی وہ حصار ہے جس سے اس کا دفاع ہوسکتا ہے۔مسلمانوں کو شہری اور آئینی حقوق سے محروم کر کے انہیں شودروں کی سطح پر دھکیلنے میں وہ اصل میں بھارت کو اُس آریائی دور میں واپس لانا چاہتی ہے، جہاں اس تہذیب کے سوا باقی تمام تہذیبیں اس کے دھارے میں جذب ہوجائیں۔آر ایس ایس جس ''ثقافت'' کی علمبردار ہے اس میں کوئی دوسری ثقافت، زبان، تہذیب، مذہب اور دین انفرادیت کے ساتھ باقی رہے اور نشونما پائے ایسا ممکن نہیں۔

آر ایس ایس نے رابندرا ناتھ ٹیگور کا حوالہ دے کر جس ''درمیانی راستے'' کی بات کی ہے وہ صاف یہ بتارہا ہے کہ مدعی، مدعیٰ علیہ، وکیل اور منصف کے سارے اختیارات آر ایس ایس کے ہاتھ میں ہوں اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین اختلافات اور تنازعات کو حل کرنے کا راستہ ''ہندتوا کا ہی راستہ ہوگا''۔اس لیے نہیں کہ تاریخی صداقتیں، استدلال اور منطق اُس کے حق میں ہے، نہیں بلکہ انتخاب اور فیصلہ صادر کرنے کی اجارہ داری اس نے اپنے آپ کو تفویض کی ہوئی ہے۔منافرت، اشتعال، رعونت اور جارحیت کی توانائی پر چلنے والا جو زعفرانی برگیڈ اس نے تیار کر رکھا ہے وہ دلیل نہیں حکم کی زبان بولتا ہے اور مخالف سوچ کو گستاخی سمجھتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ نوبل پرائز پانے والا عالمی شہرت یافتہ ادیب اور

دانشور ٹیگور اس ''درمیانی راستے'' کا خالق ہے۔ اگر ان سے منسوب فقرہ واقعی ان ہی کے ذہن کی پیداوار ہے تو بھارت کے ہر سیکولر اور کمیونسٹ لیڈر کی جلد کے نیچے ہم جو برہمنیت کی سوچ کے خلیئے دیکھتے ہیں تو اس پر حیرانگی نہیں ہونی چاہیے۔ علاوہ ازیں اکھنڈ بھارت کے اس صنم کدے سے دوقومی نظریئے کی پاسبانی کے لیے وینا یک دمودر ساورکر کے ساتھ ساتھ اب ہندو فلسفی شاعر بھی اپنی خدمات پیش کرتا نظر آرہا ہے۔ شاید اب ہندوتوا نظریئے کے علمبرداروں کو قائداعظم علی محمد جناح پر تقسیم ہندوستان کا الزام لگانے میں اپنے گریبان کی طرف بھی نظر دوڑانے کا وقت آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کانگریس فرقہ پرستی کی سوچ سے پاک تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ کانگریس حکمرانوں کے ذاتی کردار اور رویہ اور ضد اور ہٹ دھرمی نے جناح کو مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا مطالبہ کرنے پر مجبور کیا۔ حالانکہ اپنی زندگی کی کئی بہاریں انہوں نے کانگریس کو مضبوط اور مستحکم بنانے میں صرف کیں۔ ان کی انسانیت نوازی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو تقویت دینے کے صلے میں ان کو ''ہندو مسلم اتحاد کا سفیر'' کہا جاتا تھا اور یہ لقب خود کانگریس کی ایک ممتاز شخصیت سروجنی نائیڈو نے ان کو دیا تھا۔

ساورکر ہندوتوا کی جس طرح تعریف کرتے ہیں اس میں مسلمانوں کے لیے اپنے دین وایمان، مذہبی شناخت اور تشخص کے اظہار کے لیے گھر کی چاردیواری کے سوا اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ ساورکر اور سنگھ کے نزدیک مسلمانوں کی وفاداریاں ''فادر لینڈ''(father Land) اور ''ہولی لینڈ''(Holly Land) یعنی عرب (مکہ مدینہ) میں منقسم ہیں اور یہ تقسیم مسلمانوں کو ساورکر کے مطابق ان حقوق کی مستحق نہیں بنادیتی جو ہندوؤں کو بھارت میں ہیں۔ انہیں ''دوسرے درجے کے شہری'' ہی تصور کیا جائے گا جب تک وہ اس ''غیر ملکی وفاداری'' سے خود کو الگ نہ کریں یعنی اسلام اور اسلامی اقدار پر مبنی

معاشرت اور تہذیب وثقافت سے خود کو الگ کریں اور ہندو دھرم میں تحلیل ہو جائیں۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ سارو کر، جس نے پہلی بار 1923ء میں اپنے مضمون ''ہندتوا'' میں ہندوتوا[6] اصطلاح کی تخلیق کی اور'' دو قومی نظریہ'' کا تصور پیش کیا، مسلمانوں کے لیے الگ ریاست کے قیام کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ وہ متحدہ ہندوستان پر بہ ضد تھے، لیکن جہاں صرف ہندوؤں کی قومیت تسلیم کی گئی ہو، دوسری تمام قومیں جیسا کہ لکھا ''غیر ملکی'' ہیں اور ان کی وفاداریاں عرب (مسلمان) اور فلسطین (عیسائی) سے وابستہ ہیں۔ آج بھی یہی سوچ سنگھ پریوار پر غالب ہے۔ گھر واپسی کی تحریک اسی فسطائی ذہنیت کی مظہر ہے۔ گھر واپسی تحریک آج بھی قائداعظم علی محمد جناح اور مسلم لیگ کے قیام پاکستان کے مطالبہ کو حق بجانب ٹھہراتی ہے۔

ایڈولف ہٹلر نے جرمنی میں ''نسل اور کلچر کی پاکیزگی'' کو برقرار رکھنے کے لیے یہودیوں کی جس طرح نسلی تطہیر کرائی گورو گول والکر اس سے کافی متاثر ہیں اور پسند کرتے ہیں۔ وہ بغیر کسی لاگ لپٹ کے نازی جرمنی کے اس فاشسٹ طریقہ کار سے ''ہندوستان کو مستفید کرنا'' چاہتے ہیں تاکہ ''نسلی تفوق'' کا تحفظ ہو۔ مندرجہ ذیل عبارت پڑھ کر آپ کو معلوم ہوگا کہ گورو جی ہٹلر کو کیوں اپنا گورو سمجھتے ہیں۔

"To keep up the purity of the Race and its culture, Germany shocked the world by her purging the country of the Semitic Races-the Jews. Race pride at its highest has been manifested here. Germany has also shown how wellnigh

impossible it is for Races and Cultures, having differences going to the root, to be assimilated into one united whole, a good lesson for us in Hindusthan to learn and profit by."[7]

Notes and References

1. Indian Express, Greater Kashmir 10 Feb 2015.
2. "We or Our Nationhood Defined - MS Golwalkar".
3. Bunch of Thought - MS Golwalker
4. "We or Our Nationhood Defined - MS Golwalkar".
5. Why Hindu Rashtra - MS Golwalker
6. 'A dangerous credo' - The Dawn Pakistan - 26 Oct 2015 - A G Noorani
7. "We or Our Nationhood Defined - MS Golwalkar".

آرایس ایس پر چارک وزیراعظم

نریندر مودی کی سربراہی میں بھارتیہ جنتا پارٹی کا برسرِاقتدار آنا اور وہ بھی اپنے بل بوتے پر، محض ایک اور سیاسی پارٹی کے ہاتھ میں زمامِ اقتدار آنا نہیں ہے۔ یہ فی الحقیقت آر ایس ایس کا اپنے ہندوتوا نظریئے کے ساتھ ریاست بھارت کی حکومتی مشینری اور اس کے جملہ اداروں کو کنٹرول کرنے اور وی ڈی ساورکر اور گول والکر کے خوابوں کو تعبیر بخش دینے کا ''نادر موقعہ'' اور ''موزون وقت'' ہے۔ بھاجپہ آر ایس ایس کا سیاسی نام ہے اور اس ''ثقافتی تنظیم''، جیسا کہ آر ایس ایس خود کو پیش کرتی ہے، کے تھن سے ہی منافرت اور فرقہ پرستی کا دودھ پیتی آئی ہے۔ بھارت کی تقدیر آر ایس ایس کے قلم سے لکھنے کے لیے ہی اس نے بھاجپہ کو الیکشن میں اتارلیا ہے اور جیسا کہ سب سر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں پارلیمانی انتخابات ہوں یا ریاستی یا بلدیاتی، یہ الیکشن آر ایس ایس ہی بھاجپہ کی ماسک لگا کر لڑتی ہے۔

چند ماہ قبل بھارت کے ہوم منسٹر سے پوچھا گیا تھا کہ دہلی میں بی جے پی سرکار کیا ہر وقت آر ایس ایس کے مسلسل دباؤ میں نہیں رہتی ہے تو انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ ایسا سوال سرے سے ہی بے معنیٰ ہے کیونکہ ''جو حکومت چلاتے ہیں وہ آر ایس ایس ہیں۔'' اور یہ سو فیصد صحیح ہے۔

نمک کی کان میں جو چیز بھی چلی جائے نمکین خاصیت ہی اس کا مقدر ٹھہرے گی۔ اسی طرح ہر نظریہ افراد اور تنظیموں کی صورت گری کرتا ہے، ان کی ذہن سازی کرتا ہے اور پھر اپنے مقصد کے لیے تیار کرتا ہے۔ آر ایس ایس نے نفرت کا جو بیج ہندوستان میں بویا،

دلت (نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے ہندو)، عیسائی اور مسلمان 1947ء سے اس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ چہرے کی رنگت میں کارکنوں اور لیڈروں میں فرق ہو مگر ذہن گول والکر کا ہی ہوگا اور دل نے ساورکر کو ہی اپنے پاس بٹھایا ہوگا۔ بات کرنے میں لہجے کی سختی اور نرمی کا فرق ہو مگر مدعا ایک ہی ہوگا۔ بھارتی میڈیا نے واجپائی کے بارے میں کافی مبالغہ آرائی کی۔ انہیں "غلط پارٹی کا اچھا شخص" (Right man in wrong Party) قرار دیا، لیکن یہ "اچھے اور صحیح" اشخاص بھی آرایس ایس کی "چمکتی عظمت" کے قائل ہیں اور اسے ہر طرح سے تقویت دینا چاہتے ہیں۔ پنچ جنیہ (آرایس ایس کے ترجمان) سے 26 مئی 1996ء کو اپنے انٹرویو میں واجپائی نے کہا:

"Nothing will be done by these hands of mine that will cause slur on the shining glory of the RSS."[1]

چونکہ بی جے پی کے پاس حکومت بنانے کے لیے اس وقت مطلوبہ اکثریت نہ تھی اس لیے این ڈی اے کی کولیشن سرکار بنانی پڑی۔ وزیراعظم واجپائی نے یونیفارم سول کوڈ، رام مندر اور آرٹیکل 370 جیسے متنازعہ امور کو فی الحال "منجمد کرنے" (Freeze) کی پیش کش کی۔ اس لیے کہ اس کی مجبوری تھی۔ لیکن یہی وزیرِ اعظم واجپائی صاحب جیسے "اعتدال پسند" بی جے پی لیڈر، بابری مسجد کو منہدم کرنے اور اس کی جگہ رام مندر قائم کرنے کو "قومی فخر" (National pride) سے تعبیر کرتے ہیں اور "ایسا ہندو کمیونٹی کے وقار کو تحفظ دینے کے لیے کیا گیا[2]"۔ گورنروں کی تعیناتی کے وقت واجپائی نے اپنے ہی اس وعدے، کہ وہ اس منصب کو سیاست زدہ نہیں ہونے دیں گے، کی دھجیاں اڑاتے ہوئے آر ایس ایس کے دو لیڈروں ایس ایس بھنڈاری اور بھائی مہاویز کو بحیثیت گورنر تعینات

کیا[3] ۔ یہ رویہ ''معتدل مزاج'' واجپائی کا ہے۔ اندازہ کیجیے ان لیڈروں کا جو اس قسم کی نرم مزاجی کے قائل نہیں۔ لال کرشن ایڈوانی بابری مسجد کی شہادت کے وقت وہاں موجود تھے۔ ''کارسیوکوں'' کا حوصلہ بڑھانے کے لیے مسجد کی گنبدیں توڑ دی جارہی تھیں ایڈوانی جی ''ایک دھکا اور دو[4]'' کہہ کر سیکولرازم کے ملبے پر ہندو نیشن کی عملی تعبیر سے دنیا کو آگاہ کر رہے تھے۔

کلیان سنگھ کی قیادت میں قائم حکومت نے یوپی میں اقتدار کے فوراً بعد تعلیمی اداروں میں ''اخلاقی اقدار'' کو پروان چڑھانے کے نام پر جن اقدامات کا اعلان کیا اور یکم جنوری 1988ء سے ان کو نافذ بھی کیا ان کو دیکھ کر اس امر میں کوئی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ ہندو عقائد، تہذیب اور کلچر کو جبراً اقلیتوں اور غیر ہندو قوموں پر تھوپنے سے بھاجپہ گریز نہیں کرتی۔ مثلاً ان ہی اقدامات کو دیکھیے جو پرائیمری تعلیم کے وزیر روندر شکلا نے اس غرض کے لیے اٹھائے ''مارننگ پریر، یوگا کی مشق اور وندے ماترم کا قومی گیت بچوں کو گانا ہوگا۔ اس کے بعد بھارت ماتا کی تصویر کے سامنے قطار میں کھڑے ہو کر وہ مختصر پوجا کرنی ہوگی جس میں سیندور اور پھول استعمال کیے جاتے ہیں۔ پھر کسی مہا پرش (عظیم شخصیت) کے حالات سننے ہوں گے۔ طلباء کو حاضری میں یس سر یا یس میڈیم کے بجائے وندے ماترم کہنا ہوگا اور جو کوئی طالب علم یہ نہیں کہے گا غیر حاضر شمار ہوگا۔''[5]

یہ سب کچھ غیر اسلامی اور کوئی بھی مسلمان ان چیزوں کو کسی بھی صورت میں قبول نہیں کرے گا۔ لازماً اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سرکاری تعلیمی اداروں سے کنارہ کش ہونے پر مجبور ہوں گے۔ چوں کہ آر ایس ایس مسلمانوں کی وطن کے تئیں وفاداری کو اس وقت تک تسلیم نہیں کرے گی جب تک وہ مکہ اور مدینہ سے روحانی اور دینی رشتہ نہیں توڑے اور ملکی ثقافت (یعنی ہندو کلچر اور ہندو قومیت) قبول نہیں کرتے، اس لیے پرائیویٹ تعلیمی

ادارے کھولنے کی بھی ان کو اجازت نہ ہوگی۔ انہیں شودر یا اپنے تشخص کے فنا ہونے میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔

سنگھی ذہنیت کے یہ وہ ''کارنامے'' ہیں جو این ڈی اے کے ''غیر بھاجپہ ایجنڈے'' والی سرکار کا حصہ بننے کے دوران بھاجپہ نے انجام دیے۔ حالانکہ اپنی حکومت کی بقاء کے لیے اسے کولیشن میں شامل دوسری تنظیموں کی سیاسی بیساکھیوں پر انحصار کرنا تھا۔ اب جب کہ اسے ان سہاروں کی ضرورت نہیں اور وہ دہلی اور بہت ساری ریاستوں میں اقتدار کے ایوانوں پر قابض ہو چکی ہے، خودسری اور ہندوتوا کا جنون اُس سے بھارت کا نقشہ کس طرح مرتب کرنے والا ہے، سمجھ میں آنے والا ہے۔

نریندر مودی کو وزارت عظمیٰ کے لیے امیدوار کھڑا کرنا آرایس ایس کا بھاجپہ پر مکمل غلبہ اور کنٹرول کو ظاہر کرتا ہے۔ ایڈوانی کی لاکھ تمناؤں اور خواہشات کے باوصف آر ایس ایس نے مودی کو ان پر اور دوسرے بھاجپہ لیڈروں پر ترجیح دی۔ کہا گیا لگا تار، تیسری بار مودی نے ریاست گجرات کو ''ترقی کی شاہراہ'' پر ڈالتے ہوئے الیکشن جیت لیے، لیکن مدھیہ پردیش میں بی جے پی لیڈر اور وزیر اعلیٰ شیوراج سنگھ نے بھی مودی کی طرح تین بار الیکشن لگا تار جیت لیے اور ظاہر ہے یہ ریاست کی ''ڈیولا پمنٹ'' کا ہی نتیجہ ہے۔ مودی کا انتخاب ان کے ''وکاس'' (Development) کی بنیاد پر آرایس ایس نے نہیں کیا، بلکہ اس پروفائل کی بنیاد پر کیا گیا جو گجرات میں مسلمانوں کے تئیں روا رکھے گئے امتیازی سلوک اور بے پناہ مظالم ڈھانے کی وجہ سے تیار ہوئی۔ مودی دورِ حکومت میں جن سہولیات، فوائد اور ترقیات کا چرچا کیا گیا، مسلم کمیونٹی تک بہر حال نہ پہنچ پائیں۔ انڈین ایکسپرس اپنی رپورٹ (20 ردسمبر 2013ء) میں لکھتا ہے کہ ''احمد آباد (گجرات) میں مقیم مسلمان پولیس زیادتیوں کی شکایت کرتے ہیں اور (اس امتیازی پالیسی کی جس کے

تحت)ان کو گیٹوز (Ghattos) میں رہنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے، جہاں کوئی پبلک سروس نہیں اور نہ ریاست ٹائیٹل ڈیڈس (Title Deeds) کو تسلیم کرتی ہے۔"

اسی رپورٹ میں مذکورہ اخبار پیرس میں "سائنسز پی او" (Sciences Po) سے منسلک کریسٹوفر جیفرلاٹ کا یہ بیان نقل کرتا ہے جس میں موصوف کہتے ہیں کہ "گجراتی مسلمان، جو ریاست کی آبادی کا ایک دسواں ہے، گجرات کے باقی شہروں کی بہ نسبت انتہائی خستہ اورناگفتہ بہہ حالات میں رہ رہے ہیں۔"

"Gujrati Muslims - about a tenth of the population - remain much worse off than other Gujratis."

مودی کا مسلمانوں کے تئیں جونفرت اور تعصب ہے وہ ان کے دورِحکومت میں گجرات قتل عام سے ابھر کر سامنے آیا۔اس میں قریباً دو ہزار مسلمان قتل کئے گئے جن میں ممبر پارلیمنٹ احسان جعفری اوران کی فیملی اور رشتہ دار بھی شامل ہیں ان کی گلبرگہ سوسائٹی کے 60/افراد جن میں بچے، بوڑھے، عورتیں، مرد سب شامل ہیں، کو احسان جعفری سمیت زندہ جلایا گیا۔اس قتل عام میں آرایس ایس کے تربیت یافتہ جنونیوں نے حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے رحم مادر میں پلے بچوں کو تریشولوں اور نیزوں پر اٹھا کر آگ میں جلادیا، عورتوں کو ریپ کیا، بستیوں کو کھنڈروں میں تبدیل کیا اور لاکھوں لوگوں کو بے گھر کر کے گیٹوز میں رہنے پر مجبور کیا۔گزشتہ سال جب مودی سے پوچھا گیا کہ اس منظم نسل کشی پر کچھ افسوس ہو رہا ہے؟ مودی نے جو جواب دیا وہ آرایس ایس کے پرچارک (Whole Timer) کے اس سوچ کا آئینہ دار ہے جو گول والکر کی نظریاتی بھٹی میں ڈھل کر تیار ہوتا ہے۔جواب دیا"ہاں، افسوس ہے جیسے کُتّے کا کوئی بچہ کار کے پہیئے کے نیچے کچل جائے۔"

"…. feel sorrow as when sees a puppy run over under wheels."[6]

برجستہ یہ جواب جو مودی کی زبان پر آیا یہ وہ "اعزازی مقام" ہے جس پر آر ایس ایس مسلمانوں کو "ہندو راشٹرا" میں فائز کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کی توقیر اور ان کا اسٹیٹس آر ایس ایس اور موجودہ وزیر اعظم کی نگاہ میں "Puppies under the wheel" سے زیادہ نہیں۔ بلکہ صحیح لفظوں میں کہیں گجرات جیسے واقعات کی طرح مسلمان ریاست کے پہیوں کے نیچے کچل دئے جائیں تو میونسپلٹی کے لیے ضروری ہے کہ ان کو کسی ڈمپنگ گراؤنڈ میں لے جا کر دفن کریں، تا کہ ریاست کی ہائی جین (Hygiene) متاثر نہ ہو اور ہندو نیشن کی کھلی کشادہ سڑکیں "حملہ آوروں" اور "غیر ملکیوں" سے پاک ہو جائیں۔

گجرات میں مودی نے ہر الیکشن میں مسلمانوں (بالخصوص) اور عیسائیوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکائی۔ "ہم پانچ، ہمارے پچیس" ان کا الیکشن میں پسندیدہ نعرہ تھا۔ ہدف مسلمان تھے کہ دیکھو ایک مسلمان مرد کی چار بیویاں ہیں، اس طرح "پانچ" سے "پچیس" بچے پیدا ہوں گے۔ یہ انتہائی اشتعال انگیز بیہودہ باتیں ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ مقصد ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا تھا۔ ان کے ذہنوں میں یہ زہر بھرنا تھا کہ مسلمان آبادی کو ایک "ہتھیار" کے طور پر استعمال کر رہے ہیں، تا کہ ہندوؤں کی عددی برتری ختم کی جائے۔ آر ایس ایس یہ پروپگینڈا گزشتہ کئی عشروں سے کرتی آئی ہے، حالانکہ آج بھی بھارت کی کل آبادی ایک ارب بیس کروڑ میں مسلمانوں کی آبادی سرکاری سطح پر چودہ اعشاریہ دو فیصد بتائی جاتی ہے۔ سینسس (Census)، 2011ء رپورٹ کے مطابق پورے بھارت میں جہاں 2001ء میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب 13.4 فیصد تھا، ہندوؤں کی آبادی کا شرحِ تناسب 80.46 فیصد تھا۔ اسی رپورٹ میں کہا گیا کہ

2001ء سے 2011ء کی دھائی کے دوران مسلمانوں کی آبادی میں صرف 24 فیصد اضافہ ہوا جوکہ اس سے پہلے کی دس سالہ مردم شماری میں دیے گئے اعداد وشمار سے 5 فیصد کم ہے۔[7]

اس تناظر میں ''ہم پانچ، ہمارے پچیس'' ٹائٹل کی کہانیاں گھڑنا کیا معنیٰ رکھتا، لیکن جس تنظیم کا ایجنڈا ہی مسلم دشمن ہو بھلا اسے حقائق جاننے سے کیا غرض۔ فرقہ پرستی کا بیج سادہ لوح ہندوؤں کے ذہنوں میں بھر رہی یہ نفرت کی سیاست اور ثقافت کو فروغ دینا چاہتی ہے تاکہ برہمنی استبداد کی پکڑ ڈھیلی نہ پڑ جائے۔ مودی کے دورِ حکومت میں ہی گجرات کے ٹرائبل عیسائیوں کو عیسائیت ترک کر کے ہندو دھرم میں واپس آنے پر مجبور کیا گیا۔[8]

آرایس ایس نے اپنے سیاسی بازو کی پوری نکیل اسی نریندر مودی کے ہاتھ میں تھمادی۔ گجرات میں مودی جی نے جو شبیہ بنائی تھی اور آرایس ایس کی تنظیمی قوت جس طرح ان کی پشت پر کھڑی تھی، ان کا انتخاب آرایس ایس کا انتخاب تھا اور ان کی جیت آرایس ایس کی جیت تھی۔ اب مودی کا بھارت کے وزیرِاعظم کے عہدے پر فائز ہونے کا صاف مطلب یہ ہے کہ راشٹریہ سوئم سیوک سنگھ اس وقت بھارت میں اسٹیٹ پاور کو کنٹرول کر رہی ہے۔ پہلی بار بھارت کی تاریخ میں ایک آرایس ایس پرچارک بھارت کا وزیرِاعظم بن گیا ہے، جس کو ''ہندو نیشنلسٹ'' کی حیثیت سے خود کو پیش کرنے میں کوئی باک نہیں۔ پرائم منسٹیریل کینڈیڈیٹ نامزد کیے جانے کے بعد مودی نے کہا ''ہندو گھرانے میں پیدائش اور ترقی وفلاح پسند نیشنلزم کی جستجو نے اسے ہندو نیشنلسٹ بنایا''

(His) Hindu birth and pursuit of growth-oriented nationalism made (him) Hindu Nationalist."[9]

بین السطور پڑھا جاسکتا ہے کہ مودی ان تمام "گروتھ اوریننڈ" شہریوں کو، جو ہندو کے طور پر پیدا ہوئے، تاکید کرنا چاہتے ہیں کہ تمہاری کامیابی کا راز اس میں پوشیدہ ہے کہ ہندو نیشنلسٹ بن جاؤ۔ دوسرے لفظوں میں، دوسری قوموں اور دوسرے مذہبی فرقوں کے لیے بھارت کی ڈیولاپمنٹ کیک میں سے اپنا حصہ لینے کا سوال ہی نہیں جب تک وہ اپنے مذہب اور عقائد اور ثقافت کو چھوڑ کر نہ آئیں۔ یہی تو گول والکر اور دوسرے سنگھ نظریہ ساز کہتے آئے ہیں اور سنگھ کو یہی کام کرنے کے لیے فکری خوراک دیتے رہتے ہیں۔

Notes and References

1. جب واجپائی بحیثیت وزیر اعظم ہند امریکہ گئے تو وہاں Staten Island میں نان ریزیڈنٹ انڈینز (NIRs) سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "وہ وزیر اعظم سے زیادہ آرایس ایس کے سوئم سیوک ہیں، ایسا حق جسے کوئی مجھ سے چھین نہیں سکتا۔

"He may be the Prime Minister, but more than that he is the swamsevak of RSS, a right wich nobody can snatch from him.

- Secularism and BJP's dilema by Ram Puniyani

2. A G Noorani - Kashmir Times, April, 1998.

3. Kashmir Times, 27 April, 1998.

4. Kashmir Times, 14 May, 1998.

بابری مسجد کا انہدام (شہادت) 6 دسمبر 1992ء کو بی جے پی اور سنگھ پریوار لیڈروں کی موجودگی میں ہوا۔ انہوں نے "کارسیوکوں" کو اشتعال دلایا اور تب تک وہیں پر ہی رہے جب تک نہ مسجد کو زمین بوس کیا۔ انجو گپتا ایک سینئر پولیس آفیسر اور بابری مسجد کریمنل کیس میں استغاثہ کی ایک اہم گواہ ہیں۔ اس وقت وہ ڈپٹی پرائم منسٹر آف انڈیا کی پرسنل سیکورٹی افسر (PSO) تھیں۔ اسی اعلیٰ عہدے پر فائز شخص (ایڈوانی) اور دوسرے سنگھ پریوار لیڈروں۔ کے بابری مسجد کو گرانے کے رول پر انجو گپتا نے چیف جوڈیشل مجسٹریٹ کی

عدالت میں کہا کہ "بی جے پی لیڈروں نے ڈائس سے جوشیلی تقریریں کیں اور بار بار کہتے تھے کہ مندر یہاں ہی بنانا ہے۔ان تقریروں سے کارسیوک بھڑکے۔ایک درجن کے قریب بی جے پی، وی ایچ پی اور بجرنگ دل لیڈر ڈائس پر تھے۔ان میں ڈپٹی پرائم منسٹر لال کشن ایڈوانی، مرلی منوہر جوشی، ونیے کٹیار، اوما بھارتی، اشوک سنگھل، سادھوی اور ریتمبرا۔ سابقہ ڈی جی یوپی پولیس، ایس سی ڈیکسیٹ اور اچاریہ دھرمندرا وہاں تھے۔جوں ہی سولہویں صدی عیسوی کی بنائی گئی بابری مسجد کا مینار گر گیا،ان لیڈروں نے ایک دوسرے سے معانقہ کیا اور مٹھائیاں تقسیم کیں۔۔۔۔وہاں پر جشن کا ماحول تھا۔"

The Hindu: March 27, 2010.

5. سہ روزہ دعوت نئی دہلی،22 ر دسمبر 1998ء

6. Indian Express, 20 December, 2013.

7. Kashmir Uzma 23 January 2015, Greater Kashmir 26 August 2015.

2001ء سے 2011ء کے عشرے میں بھارت کی کُل آبادی میں 17.7 فیصد کا اضافہ ہوا۔اس میں ہندوؤں کی آبادی 16.8 فیصد، جب کہ مسلمانوں کی 24.6 فیصد کی شرح سے بڑھی۔اس عشرے میں جہاں مسلمانوں کی آبادی 13.8 کروڑ (13.4 فیصد) سے بڑھ کر 17.22 کروڑ (14.2 فیصد) تک پہنچی، وہیں ہندوؤں کی آبادی 82.75 کروڑ سے بڑھ کر 96.63 کروڑ تک پہنچی۔

مسلمانوں کی شرح پیدائش میں یہ اضافہ ہندو آبادی میں اضافے کی شرح سے زیادہ ہے لیکن گزشتہ عشروں کے مقابلے میں اس عشرے میں مسلمانوں کی آبادی میں کمی آئی ہے۔

ابو صالح شریف ایک ممتاز دانشور ہیں۔واشنگٹن ڈی سی میں امریکہ بھارت پالیسی انسٹی چیوٹ کے ایگزیکٹیو ڈائریکٹر ہیں۔علاوہ ازیں موصوف سچر کمیٹی کے ممبر سیکریٹری بھی رہے۔ 2 نومبر 2015ء کو انہوں نے مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ،ایک شوشہ (Myth of Muslim growth) کے عنوان سے انڈین ایکسپریس میں لکھا:

"The Muslim population has increased from 13.4% of the

population to 14.2% which is 0.8 percentage points higher But the rate of growth is considerably lower than in previous decades.... In 2011, Hindu constituted 79.8% of the population, compared to 80.5% in 2001. This is the result of a rate of decline over the decade of 3.5 percentage points. It is the difference between the decadal growth rate of Hindu in 2001, which was 20.3 percent and their growth rate of Hindus in 2001, which is 16.8%. Compare these with the ratios of Muslims, which had a decadal growth rate of 29.5% in 2001. This growth rate between 2001 and 2011 has declined steeply to 24.6%. This decline works out to be a high 4.9 percentage points.

8. Prakash Kairet (General Secretary CPI(M) - 'Illusions about Modi and Hindutva', Greater Kashmir, Feb 01, 2015.

9. Suhas Palshi Kasr - 'The democratic Slide', Indian Express, Dec 24, 2014

12 رجولائی 2013ء کو رائٹرس کے دو صحافیوں راس کالوین (Ross Colvin) اور سروتی گوٹی پتی (Sruthi Gottipathi) کے ساتھ بات کرتے ہوئے نریندر مودی نے خود کو ''ہندو نیشنلسٹ'' ("Hindu Nationalist") قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ سوچ آر-ایس ایس کی وجہ سے پیدا ہوئی اور یہ ''حب الوطنی'' کی سوچ ہے!!

800 سال بعد دلی

"سوابھیمانی ہندوؤں" کے ہاتھ میں

بھارت کے اقتدارِ اعلیٰ پر نریندر مودی کیا فائز ہوئے، پورا سنگھ پریوار جیسے ہندوتوا لہر کے ساتھ بھارت کو اپنے لپیٹ میں لے گیا۔ پارٹی اور حکومت کی فرق مٹنے لگی اور حکومت اور آر ایس ایس ایک ہی پیج (صفحے) پر اپنی "خدمات" انجام دینے لگے۔ پریوار نے اپنے ہندوتوا ایجنڈے کو وسعت دینے اور عملانے کے لیے حالات کو "موافق" پایا اور ہندوؤں کو "منظم" کرنے کے لیے اس نے گوروجی کے دارلمطالعہ سے توانائی اور تندرستی کے وہ تمام نسخے برآمد کیے جو اقلیتوں اور مسلمانوں کو ہندوتوا کے معدے کا ایندھن بنانے کے لیے ترتیب دئے گئے ہیں۔

آر ایس ایس چیف موہن بھگوت نے کہا "تمام ہندوستانیوں کی ثقافتی پہچان (Cultural Identity) ہندوتوا ہے اور اس وقت جو لوگ اس دھرتی پر رہ رہے ہیں وہ اسی عظیم ثقافت کے وارث ہیں"۔ اسی "عظیم ثقافت" کو مودی جی اپنے منصب کے پنکھوں پر اٹھاتے رہے اور حکومت میں شامل دوسرے بھاجپہ لیڈر سرکاری حیثیت میں اس ہندو ثقافت کی نمائندگی کرتے رہے۔

ریاست کا ایک منتخب وزیر اعظم ہونے کے علاوہ مودی خود کو ہندو تہذیب و ثقافت کا ایک نمائندہ اور سفیر سمجھتے رہے ہیں۔ دلی کے سنگھاسن پر براجمان ہونے کے بعد مودی،

نے بھگوت گیتا (ہندوؤں کی مقدس کتاب) کو عالمی شخصیتوں کو "تحفے" کے طور پیش کرنے کو اپنی سرکاری ذمہ داری کا حصہ سمجھا۔ وہ امریکہ کے صدر، جاپان کے شہنشاہ اور آسٹریلیا کے وزیر اعظم کو ان ممالک کے دوروں پر بھگوت گیتا پیش کرتے رہے۔ یو این او جنرل اسمبلی میں اپنے پہلے خطاب میں مودی نے "یوگا ڈے[1]" منانے کی پر زور وکالت کی۔ وزیر خارجہ سشما سوراج نے حکومت سے پُرزور مطالبہ کیا کہ وہ باقاعدہ طور بھگوت گیتا کو "راشٹریہ گرنتھ" یعنی مقدس قومی کتاب کا درجہ دے۔ انہوں نے اپنے مطالبہ کے حق میں یہ دلیل بھی دی کہ وزیر اعظم نے پہلے ہی بھگوت گیتا کو "راشٹریہ گرنتھ" کا درجہ دے دیا ہے جب صدر اوبامہ کو وہ یہ "قومی" کتاب اپنے دورے کے دوران دے چکے ہیں۔ اس سلسلے میں اب بقول سشما جی صرف ایک سرکاری اعلانیے کی ضرورت ہے۔ صاف عیاں ہے ایسے حکمنامے اجراء کرنے سے پہلے ہی مودی وزارت عظمیٰ کے منصب کو پر چارک کے مائینڈ سیٹ سے چلانے کے لیے بے تاب تھے۔

اقتدار کا یہ نشہ ویشوا ہندو پریشد (وی ایچ پی) کے لیڈر اشوک سنگھل سے مسلمانوں کے تئیں اس منافرت کے لاوے کو باہر لے آئی جس پر وہ پریوار ریاست کرتا آیا ہے۔ اشوک سنگھل نے کہا "دلی اب پھر 800 سال بعد سوابھیمانی ہندوؤں کے ہاتھ میں واپس لوٹ آئی ہے۔" سنگھل مزید کہتے ہیں "پرتھوی چند سے ہندوستان کی سرداری ختم ہونے کے بعد 800 سالوں تک حکومت سوابھیمانی یعنی فخر کرنے والے ہندوؤں کو نہ ملی۔ اب ایسا ہو رہا ہے"۔ دلچسپ امر یہ ہے، جیسا کہ سنگھل کے اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے، پریوار کے نزدیک کانگریس اور پریوار سے باہر ہندو سوابھیمانی ہندوؤں کے زمرے میں نہیں آتے ورنہ 1947ء کے بعد بھارت پر ہندوؤں کا ہی راج رہا ہے۔ میڈیسن سکوئر گارڈن میں تقریر کرتے ہوئے مودی نے مسلمانوں کے ہندوستان پر لگ

بھگ ایک ہزار سالہ دورِ حکومت کو "بھارت کی توہین[2]" قرار دیا ہے اور ظاہر ہے آج کا ہندو اکثریتی بھارت موجودہ مسلمانوں سے اس "توہین" کا بدلہ مسلم کش فسادات، مسجدوں کو ڈھانے اور مسلمانوں پر ظلم ڈھانے کے ذریعے سے لینا چاہتا ہے۔ آر ایس ایس اسی سوچ کو پروان چڑھاتا ہے۔ صاف لگ رہا ہے کہ مودی سرکار ہندو میتھالوجی کے احیاء کے راستے پر گامزن ہے اور پورے ہندو کلچر اور آئیڈیلوجی کو بھارت واسیوں پر مسلط کرنا چاہتی ہے۔ چاہے تاریخ، سائنس، حتیٰ کہ کامن سینس (Common sence) اس سے متصادم کیوں نہ ہو۔ آر ایس ایس کا ایک نظریہ ساز پی این اوک اب کہتا ہے کہ عیسائیت (Christianity) اصل میں "کرشانیتی" (کرشنا کا طریقہ) سے عبارت ہے اور دوسرے مذاہب بھی ہندوازم سے نکل پڑے ہیں یا اس کی "کورپٹ" شکلیں ہیں۔ تاج محل کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ راجپوت عمارت تھی جسے مغلوں نے اپنی تحویل میں لیا۔ لال قلعہ اور قطب مینار کے بارے میں بھی وہ یہی دعوے پیش کرتا ہے۔ اوک جی یہاں ہی نہیں رُکتے وہ راجہ پورس کو سکندر اعظم سے زیادہ طاقتور مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس عظیم فاتح عالم کو پورس نے شکست دی تھی اور بھی بناوٹی باتیں اور اختراع پردازیاں اوک جی نے کی ہیں جن پر بے ساختہ ہنسی آتی ہے۔

مودی جی بھلا اس میدان میں کہاں الگ رہتے۔ انہوں نے سائنس، ٹیکنالوجی اور انجینئرنگ شعبوں میں ہوش ربا ترقی پر بھی قدیم ہندو "سائنس دانوں اور انجینئروں" کی سوچ، تحقیق اور دریافت کا ٹھپہ لگا دیا۔ ممبئی میں ایک فنکشن میں بولتے ہوئے بھارتی وزیر اعظم اور آر ایس ایس پرچارک نے دعویٰ کیا کہ بھگوان گنیش کے انسانی جسم پر ہاتھی کے سر کا وجود اس امر کا ثبوت ہے کہ جنیٹک انجینئرنگ[3] قدیم ہندوستان میں رائج تھی۔ انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ بھگوان رام ہوائی جہاز اڑاتے تھے اور یہ کہ کرنا کی پیدائش کے بارے میں

یہ قصہ کہ ماں کے بطن سے باہر ان کی ولادت ہوئی اس چیز کو دکھاتا ہے کہ جنیٹک سائنس اس زمانے میں موجود تھا، اسی لیے تو کرنا ماں کی پیٹ کے باہر پیدا ہوئے۔ ان تمام باتوں سے اخذ ہوتا ہے "کلچرل نیشنلزم" جس کو آر ایس ایس دوسری قوموں اور ثقافتوں پہ مسلط کرنا چاہتی وہ اپنے دعویٰ ملکیت سے سائنس، ٹیکنالوجی، آرکیٹیک تک کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتا۔

ہندو راشٹر اکس فسطائی سوچ کو جنم دیتا ہے اور کمینگی اور بے شرمی کے جاموں سے باہر آکر انسانوں میں کس طرح کی تفریق پیدا کرتا ہے، مودی ہندوتوا بریگیڈ سے وابستہ مودی حکومت کی ایک خاتون وزیر مملکت سدھوی نیرنجن جیوتی نے اس کا کھلا مظاہرہ کیا۔ ایک چناوی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے سدھوی نے جلسے میں شامل لوگوں سے کہا وہ "رام زادوں اور حرام زادوں" کے مابین فرق کریں۔ یعنی بھگوان رام کے ماننے والے ایک طرف اور یہ ہوئے "رام زادے" اور شریف اور جائز اولاد، اور دوسری طرف وہ تمام لوگ "حرام زادے" ہیں جن کی نسبت رام سے نہیں، اور یہ کمینے اور ناجائز اولاد ٹھہرے۔ یہ لکیر کھینچ کر یوں "نیشن ہڈ" کو کریوڈ فارم (Crude Form) میں "ڈیفائن" کیا گیا۔ ہندوؤں کو رام زادے اور غیر ہندوؤں کو یعنی مسلمانوں اور عیسائیوں کو "حرام زادوں" کا "اسٹیٹس" دیا گیا۔

مودی حکومت کے ایک وزیر کا اس طرح کا بیان اس کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیجنے کے لیے کافی تھا کجا کہ ایسے شریر بدذات اور بداخلاق وزیر کا بدستور حکومت میں رہنے دیا جائے، مگر چونکہ یہ سوچ اور خیالات کی ہم آہنگی کا یارانہ ہے اس لیے مودی جی نے اس بڑے جرم کے ارتکاب پر بھی سدھوی کو برطرف نہ کیا، بلکہ اُلٹے پارلیمنٹ میں اس کا دفاع کیا۔ وزیر اعظم ہند نے کہا "ہم اس کی "سوشل بیک گراؤنڈ کو جانتے ہیں، وہ گاؤں کی ہے اور

اس نے معافی مانگی ہے۔" تو کیا اس کا مطلب ہے کہ گاؤں میں رہنے والے لوگ شائستہ اور بااخلاق نہیں ہوتے؟ کیا گاؤں میں کوئی جرم سرزد ہوجائے اس کو معاف کیا جانا چاہیے اور مجرموں کو سزا نہیں دیا جانا چاہیے؟ اور پھر کیا جرم کی سزا معافی ہے؟ اس قسم کی طرز وکالت سے اس کنبے کا آپ دفاع کرسکتے ہیں لیکن اپنے پوشیدہ عزائم پر پردہ نہیں ڈال سکتے۔

وی ایچ پی کے صدر پروین توگڑیا نے بے حیائی اور بداخلاقی کے کالک سے چہرے کو "سجاتے" ہوئے سدھوی نرنجن کے "حرام زادوں" کے ریمارکس کی کھلے بندوں حمایت کی پریوار کے کئی دوسرے لیڈروں اور سنتھوں کو اس ریمارک پر افسوس نہیں۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے دوسرے مذہبی فرقوں کو گائے ماتا کے پجاری کس قسم کی شناخت دینا چاہتے ہیں یعنی "کتے کو مارنے سے پہلے برا بھلا کہو"۔

"Give a dog a bad name and then kill it."

2014ء کے پارلیمانی الیکشن میں بی جے پی (پڑھیے آر ایس ایس) نے نریندر مودی کو وزارت عظمیٰ کے امیدوار کی حیثیت سے کھڑا کیا۔ اس الیکشن کا ایک سلوگن تھا "مودی کو مت دان، گائے کو جیون دان" (مودی کو ووٹ دو، گائے کو تحفظ دو)۔ مہاراشٹر جہاں پہلے ہی گائے کے ذبح پر پابندی لگادی گئی تھی اب اس پابندی کا دائرہ بیلوں تک مودی سرکار کے آنے کے بعد بڑھایا گیا۔ قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو 5 سال کی قید بھگتنی پڑے گی اور دس ہزار روپیہ جرمانہ دینا ہوگا۔ کانگریس جو خود کو سیکولر جماعت کہتی ہے، اس نے بھی پابندی کی حمایت کی ہے۔ یہاں یہ بتانا مناسب ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے علاوہ دلت اور قبائیلی لوگ "بڑا گوشت" (Beef) صدیوں سے کھاتے رہے ہیں۔ مہاراشٹر کے علاوہ بھارت کی کئی ریاستوں میں بھی گائے اور بیل کے ذبح کرنے پر

پابندی اور جرمانے اور قید کی سزائیں دینے کا قانون بنایا گیا۔ بھاجپہ لیڈر اور پارلیمانی امور کے وزیر مختار عباس نقوی نے مئی 2015ء کو اس پابندی کی وکالت کرتے ہوئے کہا "جو لوگ بیف (Beef) کھانا چاہتے ہیں وہ پاکستان، عرب ملکوں یا دنیا کی کسی اور جگہ، جہاں یہ گوشت ان کو مل سکتا ہے، چلے جائیں"۔ بھاجپہ منسٹر نے کہا "یہ نفع ونقصان کا معاملہ نہیں، یہ ہندوؤں کے لیے ایک حساس معاملہ ہے۔"

ہندو جنونیت اب شاہ راہوں کے مسلمان ناموں کو بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں، حتیٰ کہ سیکولر ذہن رکھنے والے اکبر بادشاہ کا نام بھی ان کو گوارا نہیں۔ 13-14 رمئی 2015ء کی درمیانی شب شیوسینا ہندوستان نام کی جنونی تنظیم نے دلی کی سڑکوں کے سائن بورڈوں پر کئی مسلم ناموں جن میں اکبر بادشاہ، فیروز شاہ شامل ہیں، پر کالک لگا دی اور ان کو مسخ کیا۔ سینا کے صدر نے اس "بہادری" کی تفصیلات میڈیا والوں کو سنا دیں، لیکن ان غنڈوں کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لی گئی۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا مالیگاؤں بم دھماکوں کے کیس کی سپیشل پبلک پراسیکیوٹر روحنی سیلین نے انکشاف کیا ہے کہ جب سے مودی حکومت برسرِ اقتدار آئی NIA کے کیس میں ملوث پرگیہ سادھوی اور دوسرے آر ایس ایس دہشت گردوں کو بچانے کے لیے ان پر کافی دباؤ ڈال رہی تھی اور اپنے پیشے کی لاج رکھنے اور ضمیر کی پاکیزگی کے لیے انہوں نے استعفیٰ دیا۔ اب اس سال اگست میں مودی سرکار نے فیصلہ کیا ہے کہ سمجھوتہ ایکسپریس بم حملوں میں ملوث سوامی اسیم آنند کی درخواست ضمانت پر استغاثہ کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں کیا جائے گا۔ یوں مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے والا دہشت گرد گھر خوش وخرم لوٹے گا پوچھا جا سکتا ہے پھر کس منہ سے حکومت بھارت حکومت پاکستان پر ممبئی حملے میں ملوث بتائے جانے والے ذکی الرحمان لکھوی کے سلسلے میں وہاں

کے سپریم کورٹ کی طرف سے لکھوی کو ملنے والی ضمانت پر تنقید کر سکتی ہے؟

آر ایس ایس کے ہاتھ میں حکومت آنے سے ہندو فرقہ پرست اب اپنے پوشیدہ مکروہ عزائم کو عملانے کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ مودی سرکار کے "موافق حالات" انہیں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں پر مظالم ڈھانے اور بالآخر ان کو ہندو بنانے یا ختم کرنے کا حوصلہ دے رہے ہیں۔ آل انڈیا ہندو مہا سبھا کی نائب صدر سادھوی دیوٹھا کر نے 11 / اپریل 2015ء کو جِند میں اخباری نامہ نگاروں سے بات کرتے ہوئے کہا "بھارت میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی آبادی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس کے تدارک کے لیے ان کی جبری نس [4] بندی کرانی لازمی ہے"۔ سادھوی نے ہندوؤں پر زور دیا کہ وہ "زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کریں تاکہ ان کی آبادی میں اضافہ [5] ہو سکے۔ ثقافتی جارحیت کے ایک پرچارک بن کر سادھوی نے مزید کہا "ہندو دیویوں اور دیوتاؤں کے بُت مسجدوں اور گرجا گروں میں رکھنے چاہییں [6]"۔ بالکل اِن ہی فسطائی خیالات کا اظہار شیوسینا کے یوپی سربراہ انیل سنگھ نے کانپور میں ایک پبلک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ سنگھ نے کہا "مسلمانوں کی بہتری مخصوص اسکیموں سے نہیں ہو سکتی۔ بس ان کی جبری نسبندی [7] کراو، خود بخود وہ بااختیار ہوں گے۔ صرف دو بچوں تک ان کی فیملی ہونی چاہیے۔"

مسلمانوں کو ورن آشرم کے شودرائی مقام پر دھکیلنے کے لیے آر ایس ایس بریگیڈ یہ ضروری سمجھتا ہے کہ "مسلمانوں سے ووٹ ڈالنے کا حق چھین لیا جائے، کیونکہ وہ ووٹ بینک پالیٹکس کے لیے استعمال ہوتے ہیں"۔ شیوسینا چیف بال ٹھاکرے [8] نے بہت پہلے یہی بات کہی تھی۔ اب شیوسینا کے پارٹی ترجمان "سامنا" نے بھی اپنے اداریہ میں یہی باتیں کی ہیں۔ [یہ "ووٹ بینک" اصطلاح آخر صرف مسلم فرقہ کے لیے ہی کیوں استعمال کی جاتی ہے؟ دلتوں کے ووٹ بینک کا ذکر کیوں نہیں کیا جاتا؟ یہاں مختلف ذاتوں، قبیلوں کا بھی

ووٹ بینک ہے۔ مسلمانوں کو ووٹ بینک کی گالی اکثر آر ایس ایس اور اس سے وابستہ میڈیا دیتے ہیں کیونکہ فرقہ پرستوں کو معلوم ہے جس شمشان گھاٹ کو آر ایس ایس مسلمانوں کی لاشوں سے آباد کرنا چاہتے ہیں مسلمان جیتے جی اس کا ایندھن بننے کی حماقت نہیں کرسکتے۔ مسلمان کوئی ووٹ بینک نہیں کہ کوئی پارٹی اس پر ملکیت کا دعویٰ کرے۔ وہ اپنے مفادات کے پیشِ نظر پارٹیوں کو ووٹ ڈالتے ہیں۔ ویسے پوچھا جاسکتا ہے ہندوتوا بریگیڈ کا جو ووٹ بینک ہے، جو سنگھ پریوار کے بغیر کسی اور کو نہیں جاتا، بی جے پی اور کارپوریٹ میڈیا اس پر خاموش کیوں؟]

سوریہ نمسکار، یوگا، وندے ماترم یہ تمام چیزیں غیر اسلامی ہیں اور آر ایس ایس مودی کی سربراہی میں اپنے ان مشرکانہ عقائد کو غیر ہندوؤں پر زبردستی مسلط کرنا چاہتی ہے۔ یہ ثقافتی جارحیت ہے اور تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے مسلم بچے اور دوسرے غیر ہندو اس کے نشانے پر ہیں۔ یوگا کے آسن (postures) ''اوم'' کے پڑھنے سے شروع ہوتے ہیں۔ تمام آسنوں کو اپنے اپنے اشلوک ہیں۔ سوریہ نمسکار بھی ایک آسن ہے جس میں ایک شخص اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر سورج کے سامنے بیٹھتا ہے۔ دونوں یوگا اور سوریہ نمسکار برہمنی دھرم کا حصہ ہے اور اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھنے والا کوئی مسلمان اس کو قبول نہیں کرسکتا۔ اپنی طرف سے اس معاملے پر کچھ مزید کہنے کے بجائے مناسب ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی وضاحت سپردقلم کریں۔

> ''سوریہ نمسکار سورج کی پوجا ہے اور یوگا بھی ایک طرز عبادت ہے اور بھگتی کا ایک طریقہ ہے جس کا پس منظر ماضی بعید سے ملا ہوا ہے اور بھگوت گیتا کے ایک باب کا نام یوگا ہے۔ شری کرشن جی نے شری ارجن جی کو یوگا کی تعلیم دی تھی بھگوت گیتا باب نمبر''۶'' میں تفصیل کے

ساتھ درج ہے۔ یوگا آسن (Posture) میں سورج کی پہلی کرن کو پرنام کرتے ہیں، مختلف مرحلوں میں اشلوک پڑھائے جاتے ہیں جس کی ابتدا "اوم" سے ہوتی ہے۔ اس طرح یوگا اور سوریہ نمسکار برہمنی دھرم اور ویدک کلچر کا اہم حصہ ہے۔ مسلمانوں کو اور جو لوگ بھی اللہ کی وحدانیت کے قائل ہیں انہیں سوریہ نمسکار، یوگا اور وندے ماترم سے الگ رہنا چاہیے اور مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اسلام کو سمجھنے، ایمان کو مضبوط کرنے اور دین کے ہر حکم پر عمل کرنے کی طرف اپنی توجہ بڑھادیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یوگا ڈے 21 جون کو منایا جارہا ہے اور وزیر اعظم شری نریندر مودی نے 21 جون کو اقوام متحدہ سے "یوم یوگا" کے طور پر منانے کو منظور کرایا ہے اور اسی دن آر ایس ایس کے بانی کیشو بلی رام ہیکڑے جی ((1889-1940 نے آخری سانس لی تھی۔ اسی طرح ایک طریقۂ عبادت کے دن کو آر ایس ایس کی تاریخ ساز شخصیت سے جوڑا گیا ہے"۔[9]

ظاہر ہے سیکولرازم کی دیوی نے کب کا بن باس لیا ہے ورنہ ایک سیکولر دیش میں ہندو نیشنلزم اور مذہبی اور ثقافتی جارحیت کے وہ نمونے دیکھنے کو نہیں ملتے جو آج یہاں دیکھے جاتے ہیں۔ یوگی ادیتیاناتھ بی جے پی کے ممبر پارلیمنٹ ہیں۔ انہوں نے کہا جو سوریہ نمسکار نہیں کرتے انہیں سمندر میں پھینکنا چاہیے یا اندھیروں میں غرق کرنا چاہیے۔[10] اب تو نماز کو یوگا سے تشبیہ دی جارہی ہے اور حضور نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ گستاخی کی جاتی ہے (جیسا کہ مرلی منوہر جوشی نے کہا) کہ وہ "بڑے یوگی" تھے[11]۔ یہی نہیں بلکہ اب تو سنگھی جنونی کھلم کھلا کہتے ہیں "مسجد کوئی عبادت کی جگہ نہیں بلکہ صرف ایک تعمیر شدہ عمارت ہے

جس کو کسی بھی وقت منہدم کیا جا سکتا ہے[12]"۔ یہ غیر ذمہ دارانہ اور اشتعال انگیز بات بی جے پی لیڈر سبرا منیم نے کہی ہے۔

کمیونلزم اور ہندا احیا پرستی کے لپیٹ میں گورنر جیسا غیر سیاسی ادارہ بھی آچکا ہے۔ تریپورہ کے گورنر ٹھٹ گاٹارائے نے حال ہی میں پھانسی کی سزا پانے والے یعقوب میمن کے جنازہ میں شرکت کرنے والے افراد کو "ممکنہ دہشت گرد" (Potential terrorists) قرار دیا ہے اور انٹلی جنس ایجنسیز سے کہا ہے کہ وہ ان پر کڑی نگاہ رکھیں۔[13]

شاید یہی وجہ ہے مارکسسٹ کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سیکریٹری اور دانشور سیتارام یچوری آرایس ایس/بی جے پی کے طرز حکومت پر کہتے ہیں کہ وہ سیکولر ڈیموکریٹک ری پبلک کو فاشسٹ ہندو راشٹر میں تبدیل کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ سیتا رام کہتے ہیں کہ مودی حکومت کے تین چہرے، "ترتھ مورتی" (three faces) ہیں جو اس نے تراشے ہیں۔ ایک جارحانہ انداز (Authoritarian Expression) ہے، دوسرا عوام مخالف اقتصادی پالیسی کا اور تیسرا چہرہ فرقہ پرستی کا ہے۔ ان کے اپنے الفاظ ہیں :

> "RSS/BJP today relentlessly is pursuing their project of converting our secular democratic Republic into a raidly intolerant fascistic `Hindu Rashtra'.... Such authoritarian expression is one face of the trimoorti this Modi government is sculpting. The

other two are the aggressive pursuit of anti-people economic reforms and the unscrupulous recourse to sharpening communal polarization." [14]

اس سب کچھ کے باوصف 15 راگست کو نارنجی رنگ میں پگڑی پہن کر وزیر اعظم مودی لال قلعہ کی فصیل سے یہ اعلان کریں کہ "بھارت میں فرقہ پرستی کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے"۔[15] شاید ہی کسی کو ہضم ہو سکے، لیکن مودی کے بھارت میں اس سے بھی بڑے عجوبے آنکھوں کو سحر زدہ کیے جاتے ہیں۔ حال ہی میں اسی حکومت نے ایڈوانی جی کو "پدم وبیوشن" اور اٹل بہاری واجپائی جی کو پروٹو کال توڑ کر صدر ہند مکھرجی نے واجپائی کے گھر جا کر بھارت کا سب سے بڑا اعزاز "بھارت رتن" عطا کیا۔ آل انڈیا اتحاد المسلمین کے سربراہ اور حیدر آباد دکن کے ممبر پارلیمنٹ اسد الدین اویسی نے اس پر کہا "ملک کا دوسرا سب سے بڑا سول اعزاز پدم وبیوشن کس طرح ایک ایسے شخص کو دیا جا سکتا ہے جو بابری مسجد کو مسمار کرنے کے کریمنل کیس میں ملوث ہے۔ اسی ایڈوانی نے رتھ یاترا نکال کر ملک میں تباہی برپا کی۔ شاید یہ پہلا واقعہ ہو کہ ایک ایسے شخص کو پدم وبیوشن سے نوازا جا رہا ہو جو کریمنل کیس کا سامنا کر رہا ہے۔ جہاں تک واجپائی کا تعلق ہے انہوں نے 5 ردسمبر 1992ء کو اپنے ایک خطاب میں بابری مسجد کے حوالے سے فرقہ پرستانہ باتیں کیں۔ اسی واجپائی کو ملک کا سب سے بڑا قومی ایوارڈ بھارت رتن دیا گیا جس نے 5 ردسمبر 1992ء کو کہا تھا "ہم زمین کو برابرا کرنا چاہتے ہیں"۔[16]

بھارت کے سابق وزیرِ اعظم اٹل بہاری واجپائی یقیناً "شریف النفس" ہیں لیکن انہوں نے اپنے قلب کے پورے مندر میں گول والکر، ہیکڑے اور ساورکر کی مورتی سجائی

ہے جس کی وہ ہمیشہ سے پراتھنا کرتے آئے ہیں۔

Notes and Refrences

1 اس سال 21 جون سے عالمی برادری (یو این او) نے یوم یوگا ہر سال منانے کا فیصلہ کیا۔ حکومت ہند نے یوگا کے انعقاد اور پروگراموں پر اس دن 25 کروڑ روپے خرچ کیے۔ آیوش کے مرکزی وزیر مملکت یادیو نائیک نے راجیہ سبھا میں بتایا۔ یوگا ڈے بھارت نے سرکاری طور پر منایا اور وزیر اعظم مودی اور ان کی حکومت اور ریاستی حکومتیں تمام تقریبات کی قیادت کر رہی تھیں۔

2. India's humiliation through the 1000 years of Muslim rule of our country.
- 'of Divisive trends', Greater Kashmir, 13-12-2014

3. 'Modi's mythology' -Zarrat Khuro, Dawn.com, 16-11-2014

4,5,6. Indian Express, April 11, 2015

7. Indian Express, April 12, 2015

8. Indian Express, April 13, 2015

9. Kashmir Uzma 20-06-2015

10, 11. Power Youga - Indian Express (Editorial) 10-06-2015

12. Greater Kashmir, 17 March 2013.

13. Indian Express, August 01, 2015.

14. 'Three dangerous faces of the NDA'
-Sitaram Yechury, Greater Kashmir July 3, 2015

15. Greater Kashmir (PTI) August 16, 2015

16. Greater Kashmir (PTI) May 05, 2015

گھر واپسی

فسطائیت اور جنونیت کو ملائم اور خوش کُن الفاظ کے پیراہن میں پیش کر کے ہندوراشٹرا سے مسلمانوں اور عیسائیوں اور دوسرے غیر ہندوفرقوں کی صفائی کا نام ''گھر واپسی'' ہے۔''پرکھوں'' (ہندو آباواجداد) کی''اولاد'' کے لیے''میز بانی'' کی پلکیں بچھا کر''گھر واپسی'' آنے کی وہ''دعوت'' ہے جو''اپنوں'' کے لیے مخصوص ہے اور جس میں''اپنے'' ''نوازے'' جاتے ہیں اور''خلوص''اور''نیک نیتی'' بانٹی جاتی ہے۔بس ایک چیز کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔''باہر'' کی کوئی'' آلائش'' تمہارے روح وجسم اور قلب وذہن پر نہ ہو۔تم تو ہمارے اپنے ہو، ہمارے''پرکھوں'' کی اولاد ہو۔بیچ میں سے اِدھر اُدھر''بھٹک'' گئے تھے اب واپس ''اپنے گھر'' آرہے ہو اور ہم تمہاری''گھر واپسی'' کی خوشی میں ہون کریں گے،''جے ماتا'' کے گیت گائیں گے اور''وندے ماترم'' (ماں دھرتی، میں تجھے پوجتا ہوں) کے ترانے گائیں گے اور یہ سب کچھ ہم تمہیں اس دھرتی کا فرزند (Son of the Soil) ثابت کرنے کے لیے تمہاری اپنی بھلائی کے لیے کر رہے ہیں، ورنہ دوسری صورت میں اسی طرح''بھٹکتے'' رہو، اور''غیروں'' سے وفاداری اپناتے رہو تو اس دھرتی کے جائز فرزند کیسے بنو گے۔''غیر اور حملہ آور'' ہی مانے جاؤ گے اور پھر ہماری عددی برتری کے بلڈوزر کے ہتھے چڑھو گے۔یہی ہندو ویشن کی عملی تعبیر ہے۔

ہاں''گھر واپسی'' مسلمانوں اور عیسائیوں کے لیے موت سے معانقہ کرنے کا نام

ہے جس کے لیے ''ہندو نیشن'' اپنی باہیں پھیلائے ہوئے ہے۔ آر ایس ایس اور اس کا تنظیمی نیٹ ورک اور شاکھائیں اس منافرت اور ہسٹریا (Hysteria) کو ہندوستان بھر میں کس طرح پھیلا رہا ہے۔ آر ایس ایس کے اس ''تربیتی کیمپ'' سے پتہ چلتا ہے جو دو عشرے قبل جنوبی ہندوستان میں آر ایس ایس نے لگایا تھا۔

ایک والنٹیر نے ایک تربیتی کیمپ کے سوالات - جوابات کے سیشن میں یدھوراو جوشی، جو اس وقت جنوبی ہندوستان میں سنگھ کے سربراہ تھے، سے پوچھا ''ہم کہتے ہیں آر ایس ایس ایک ہندو تنظیم ہے۔ ہم کہتے ہیں ہم ایک ہندو نیشن ہے، انڈیا ہندوؤں کے لیے ہے۔ اسی سانس میں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمان اور عیسائی اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزار سکتے ہیں اور جب تک وہ ملک سے محبت کریں یہاں رہ سکتے ہیں۔ آخر ہم ان کو یہ رعایت کیوں دیں؟ کیوں نہ ہم ان کو صاف بتائیں کہ انہیں اس ملک میں، جسے ہم ہندو ملک کہتے ہیں، رہنے کے لیے کوئی جگہ نہیں۔'' جوشی نے جواب دیا ''اس وقت آر ایس ایس اور ہندو سوسائٹی طاقتور پوزیشن میں نہیں کہ وہ مسلمانوں اور عیسائیوں سے کھل کر کہیں کہ اگر تم انڈیا میں رہنا چاہتے ہو تو ہندو دھرم اختیار کرلو، ورنہ تمہارا خاتمہ کیا جائے گا، لیکن جب ہندو سوسائٹی اور آر ایس ایس کے پاس پوری طاقت ہوگی تو ہم یقینی طور پر ان کو غیر مبہم الفاظ میں بتائیں گے کہ اگر تم اس ملک میں رہنا چاہتے ہو اور تمہیں اس ملک سے محبت ہے تو تم اس حقیقت کو تسلیم کرو کہ کچھ نسلیں پہلے تم ہندو تھے اور اب تم واپس اسی ہندو دھرم میں آؤ''۔[1]

گھر واپسی کے نام پر عیسائیوں اور بالخصوص مسلمانوں کی دینی، مذہبی، ثقافتی اور تہذیبی شناخت مٹانے اور یوں اسلام اور عیسائیت کو بھارت سے ختم کرنے کی یہ کوششیں گزشتہ نوے عشرے سے جاری ہیں۔ آر ایس ایس اپنی نئی نسل کو اس بڑے اور گھناؤنے مقصد کے لیے تیار کر رہی ہے۔ فرقہ پرستی اور فاشزم کے جینز (Genes) آر ایس ایس

کے خلیوں میں موجود ہیں اور یہی نفرت اور انسانیت دشمنی اور دہشت وعدم برداشت کی وراثت سار و کر کے زمانے سے وہ اپنی نئی پود کو منتقل کرتی آئی ہے اور آج نریندر مودی کی آر ایس ایس سرکار میں وہ خود کو اتنا طاقتور سمجھتے ہیں کہ ''گھر واپسی'' کے لیے اقدامات اٹھائے جا رہی ہے۔ کھلے بندوں پورا سنگھ پریوار اور آر ایس ایس سربراہ موہن بھگوت، ٹی وی سٹیڈیوز کے پینل ڈسکشن میں حصہ لے کر اس کی تشہیر کر رہے ہیں۔ اس سے وابستہ صحافی اور دانشور پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں منتخب اس سوچ کے نمائندے، اس وقت جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ بھارت کے سیکولر آئین کی عیاں خلاف ورزی ہے، لیکن سیکولر انڈین اسٹیٹ تجاہلِ عارفانہ سے کام لے کر گویا پیغام دے رہی ہے کہ اس کی آنکھوں کے سامنے جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس سے لطف اندوز ہو رہی ہے۔

دہلی کے سنگھاسن پر براجمان ہوتے ہی سنگھ پریوار نے اپنے ایجنڈے کو وسعت دینے اور نافذ کرنے کے لیے خود کو ''منظم'' کیا، اس لیے کہ ''ہندو راشٹرا'' کے قیام کے لیے اس وقت حالات ''موافق'' ہیں۔ دسمبر 2014ء کے پہلے ہفتے بجرنگ دل اور دھرم جاگرن منچ نے مادھونگر (آگرہ) کی گندی بستیوں (Slums) میں رہنے والے انتہائی خستہ حال اور غریب ساڑھے تین سو مسلمانوں کی ''گھر واپسی'' انجام میں لائی۔ ساٹھ مسلم گھرانوں کا ہون کرایا گیا، انہیں بی پی ایل (Below Poverty Line) کے زمرے میں رکھ کر مالی معاونت کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ علاوہ اس کے مکان کے مفت پلاٹ دینے کی یقین دہانی کرائی گئی۔ ''گھر واپسی'' پروگرام کے منتظمین نے ہون کے موقعہ پر اعلان کیا کہ وہ کرسمس کے موقعہ پر چار ہزار عیسائی اور ایک ہزار مسلمان گھرانوں کو ہندو بنائیں گے۔ آگرہ کے آر ایس ایس پرچارک راجیشور سنگھ نے آگرہ کو تبدیلی مذہب کے لیے سیلکٹ کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے کہا:

''علی گڑھ کو اس لیے چنا گیا کیوں کہ اب وقت آیا ہے ہم اس ہندو شہر کو مسلمانوں سے چھڑا لیں۔ یہ بہادر راجپوتوں اور ان کے مندروں کا شہر ہے جن کے کھنڈروں پر مسلمانوں کے ادارے بنائے گئے ہیں...... کرسمس کو مذہب بدلنے یعنی کنورژن (Conversion) کے لیے اس لیے چنا گیا کیونکہ دونوں مذاہب کے لیے ہے''شکتی پریکھشا'' یعنی طاقت کے مظاہرے کا موقعہ ہے۔ اگر ان کا مذہب بہتر ہے تو وہ ان کو روک سکتے ہیں۔ یہ ہم دونوں کے لیے امتحان ہے۔ اگر وہ کرسمس کے روز ہمارے پاس آتے ہیں تو یہ ان کے مذہب کی ہار ہے۔''[2] مذکورہ اقتباس سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ''گھر واپسی'' تحریک مسلمانوں سے منسوب ہر ایک چیز کو سرزمین بھارت سے اکھاڑ پھینکنے کے ہندوتوا جنون سے عبارت ہے۔ راجپوتوں کی بہادری کو للکار کر اصل میں آر ایس ایس مسلم مخالف ماحول کو تیار کر رہی ہے اور عام ہندو ذہنوں کو زہر آلود بنا رہی ہے تا کہ اپنے ایجنڈے کو عملائے۔ شہروں کو ''چھڑا لینے'' کا مطلب ہی یہ ہے کہ ''ہندو نیشن'' کسی اور فرقے کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں اور پھر اس ''شکتی پریکھشا'' کا مطلب کیا؟ یہاں 80 فیصد ہندو رہتے ہوں اور جیسا کہ اب تک کے ہزاروں مسلم کش فسادات اور عیسائیوں پر روز بروز بڑھتے حملے شاہد ہیں، حکومتی ادارے اور انتظامی مشینری ان کے مال و جان، عزت و آبرو کے تحفظ میں ناکام ثابت ہوئے ہیں، اور پھر اقلیتیں کس ''طاقت کا مظاہرہ'' کریں۔ کسی قسم کی ''شکتی پریکھشا'' دکھائیں۔ غیر مساوانہ مقابلوں میں جیت بہر حال اس فریق کی ہوگی جو وقت وطاقت پر اپنی اجارہ داری قائم کر چکا ہو، جس نے دوسرے فریق کو زمین پر لٹانے اور مار گرانے سے قبل اس کی طرف سے مدافعت کا حق بھی چھین لیا ہے اور جو اپنے فرقے کی کثرتِ آبادی کے گھمنڈ کی چتائیں کھولتا ہے اور پھر مظلوم اور نہتی اقلیت کو اس میں دھکیل دینے کو ''شکتی پریکھشا'' سے تعبیر کرتا ہے۔ اصل شکتی پریکھشا اصول اور صداقت کی ہونی

چاہیے نہ کہ کبر وغرور کی۔ دھرم میں سچائی ہو تو، یہ بی پی ایل اور زمین پلاٹ کی رشوت دئے بغیر لوگوں کو دوسرے دھرموں سے کاٹ کر لائے گا، لیکن جہاں رشوت یا خوف و دہشت کا ماحول تیار کر کے مذہب بدل دیے جائیں وہاں دھرم اپنی سچائی اور پاکیزگی خود ہی کھو بیٹھتا ہے۔

اگر چہ بھارت میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے سخت ردّ عمل، عالمی خفت اور بھارت کے منصف مزاج لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے سنگھ پریوار کرسمس کے موقعہ پر ہزاروں عیسائیوں اور مسلمانوں کو کنورژن کرانے میں کامیاب نہ ہو سکا تاہم اس نے فضاء کو زہر آلود بنانے میں کوئی کمی نہ کی۔ ''گھر واپسی'' کی تحریک کو آر ایس ایس پورے زور وشور سے جاری رکھے ہوئے ہے۔ ''گھر واپسی'' کس طرح اور کیسے عمل میں لائی جائے پریوار کی نظر میں اس پر سوالات نہیں اٹھانے چاہییں۔ آگرہ میں مسلمانوں کو جس طرح ہندو دھرم میں واپس لوٹایا گیا (جس کا اوپر تذکرہ کیا گیا) بی جے پی کے ممبر پارلیمنٹ وینے کٹیار نے اس غیر آئینی، غیر اخلاقی اور غیر قانونی اقدام کی حوصلہ افزائی کی۔ انہوں نے کہا ''اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے کیونکہ جنہوں نے مذہب تبدیل کیا وہ پہلے ہندو تھے اور اب وہ اپنے گھر واپس آرہے ہیں۔''

پوچھا جا سکتا ہے کیا وہ گھر واپس ''آرہے'' ہیں یا زبردستی اور لالچ دے کر تم ان کو واپس گھر ''لا رہے'' ہو؟ گھر واپسی کے لیے انسان بے قرار ہوتا ہے۔ ماہی بے آب کی طرح وہ ہر وقت تڑپتا رہتا ہے۔ صدیوں اور برسوں کو لمحوں کے پل میں بدلنے کے لیے اللہ سے التجائیں کرتا رہتا ہے۔ گڑ گڑا کر دعائیں مانگتا ہے۔ کوئی تمنا اس تمنا سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔ وہ کہیں اور سکون پائے تو کیسے۔ ''پرکھوں'' سے اس کا ذہنی اور روحانی بُعد نہیں رہ سکتا۔ لیکن جب حالت یہ ہو کہ رشوت اور لالچ دے کر وہ گھر واپس آئے تو ظاہر ہے یہاں کشش دھرم میں

نہیں ۔ یہاں معدے کی بھوک، حرص کے لقموں سے مٹانے کا استحصالی حربہ کام کر رہا ہے اور یہ آپ سے آپ اس امر کا ثبوت ہے کہ دھرم بھی رشوت خور بن چکا ہے اور وہ اپنی زیست فریب کے ہتھیاروں پر قائم کئے ہوئے ہے اور پھر اگر "گھر واپسی" کو موہن بھگوت چوروں سے مال واپس لانے کی تشبیہ دے تو دھرم بھلا اس "مقدس یُد" کو نہ لڑے تو اور کیا کرے۔

آر ایس ایس سربراہ سرے سے اس جبری تبدیلی مذہب (Forcible conversion) کو، جسے ایک بڑی اکثریت زور زبردستی یا لالچ کے ذریعے اقلیتی فرقے کے لوگوں کا مذہب تبدیل کراتی ہے، تبدیلیٔ مذہب (conversion) نہیں مانتے۔ وہ، جیسا کہ پورا سنگھ پریوار گوروجی کے وقت سے کہتا آیا ہے، بھی اسے "گھر واپسی" کہتے ہیں۔ مگر "گھر واپسی" کی وہ جس طرح وضاحت کرتے ہیں، اس میں غارت گری اور جبر کے وہ تمام عناصر جمع کیے گئے ہیں، جہاں "گھر واپسی" کے نام پر مسلمانوں اور عیسائیوں کے گھروں کی مسماری کو ہندو دھرم کی تکمیل اور استحکام سے مشروط کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"This is not conversion but ghar wapsi,
the return of maal stolen by a thief."[3]

(یہ کنورژن نہیں ہے، بلکہ گھر واپسی ہے۔ چور نے جو مال چرایا تھا، وہ واپس لایا گیا) صاف عیاں ہے۔ آر ایس ایس کے سر سنگھ چالک کی نگاہ میں اسلام کی شبیہ ایک چور (بہ معنی ڈاکو) کی ہے۔ یہ کہتے ہوئے ہندوؤں کو باور کرایا جا رہا ہے کہ آج آگرہ، علی گڑھ، جمشید پور، بھاگل پور، آسام، بھونڈی، میرٹھ، حیدر آباد، احمد آباد، ممبئی، جموں کشمیر وغیرہ میں جس مسلمان نام کا "مال" تم دیکھتے ہو وہ "حملہ آور"، "ڈاکو" اور "چور" اسلام نے کچھ نسلیں پہلے تمہارے گھروں سے جبراً چھین لیا تھا۔ اس وقت ہم کمزور تھے اپنے گھروں کا دفاع نہ کر سکے، آج وقت ہمارے حق میں پلٹ آیا ہے۔ قوت وطاقت اور اقتدار ہمارے ہاتھ میں

ہے اور اب ''موزوں وقت'' اور ''موافق حالات'' ہیں اس لوٹے گئے ''مال'' کو اپنے گھر واپس لانے کے لیے۔ یہ استادہ بستیاں، یہ شہر، یہ گاؤں، یہ محلے، یہ گلیاں جن سے غیر ہندو تہذیب وتمدن اور عقائد کی ایک الگ شناخت ظاہر ہو رہی ہے، اس سب کچھ پر ہمارا ہی دعویٰ ہے، ہمارا ہی حق ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے چھینے ہوئے ''مال'' پر بنایا گیا ہے اور آج ہم میں اتنی طاقت ہے کہ غیر ہندو شناخت کے تمام سائن بورڈوں کو اکھاڑ پھینک دیا جائے۔

لیکن سنگھ پریوار کا پورا فاشسٹ اسٹرکچر اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے کہ جس اسلام کو وہ مطعون کر رہا ہے۔ وہ اسٹیٹ پاور سے محروم ہونے کے باوجود اپنے پیروکاروں پر عقیدے اور ایمان کی سلامتی کی ایسی مضبوط گرفت قائم رکھے ہوئے ہے کہ وہ کسی ہندو گھرانے میں واپس آنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس لیے لامحالہ سنگھ پریوار کے جتھے ہندوؤں کو ''منظم'' کر کے مسلمانوں پر دھاوا بول دینا چاہتے ہیں اور تلوار اور تریشول اور گھیراؤ اور جلاؤ (جیسا کہ وہ مسلم کُش فسادات میں کرتے آئے ہیں) کے ذریعے ''گھر واپسی'' پروگرام کو عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں اور جیسا کہ یدھوراو جوشی نے سنگھ کے تربیتی والنٹیروں کو بتایا طاقت آر ایس ایس کے ہاتھ میں آئے تو عیسائیوں اور مسلمانوں سے صاف کہا جائے گا کہ دو میں ایک کا انتخاب کرو:

"Either convert or perish."[4]

(یا ہندو بن جاؤ یا مرنے کے لیے تیار رہو)

بی جے پی کے ممبر پارلیمنٹ یوگی ادھتیا ناتھ نے مودی سرکار پر زور دیا کہ وہ ''گھر واپسی'' تحریک میں مداخلت نہ کرے۔ انہوں نے ''ہندوؤں کے اتحاد'' پر زور دیتے ہوئے کہا ہندوؤں کی طرف سے اس قسم کا اتحاد 1992ء میں دیکھا گیا جب وہ متحد ہوئے اور بابری مسجد گرا دی گئی۔[5]

بھارت فی الواقع ایک سیکولر ملک ہوتا تو بابری مسجد کے شہید کرنے کو فخر نہیں جرم سمجھا جاتا، لیکن یہاں تو اقلیتوں کے عبادت خانوں کو منہدم کرنے والوں کو اقتدارِ اعلیٰ کے ایوانوں میں بھیجا جاتا ہے۔ یوگی جی کا یہ بیان ہندوؤں کو 1992ء کی تاریخ دہرا کر اپنی قوت کے مظاہرے کی ایک اور ''جھلک'' دکھانے کی ترغیب بلکہ اشتعال (Provocation) ہے۔ یعنی ''گھر واپسی'' تحریک کو کامیاب کرنے کے طریقے اور تدابیر کس طرح کے ہوں، یوگی جی جیسے بھاجپہ ممبران پارلیمنٹ نے اس کا خاکہ بھی تیار کر رکھا ہے اور یہ وہی خاکہ ہے جو ہزاروں پیرا ملٹری فورسز کی آنکھوں کے سامنے بابری مسجد کی شہادت کے وقت ترتیب شدہ سنگھ پریوار کے خاکے سے جڑا ہوا ہے اور اس المیہ کے بعد ممبئی میں کس طرح مسلمانوں کو شیوسینا کے جنونی ہندوؤں نے پولیس کی پوری اعانت سے گاجر مولی کی طرح کاٹا، جسٹس سری کرشنا رپورٹ اس کی شاہد عادل ہے۔ ''گھر واپسی'' کا بلیو پرنٹ کیا ہوگا، یوگی جی نے 1992ء کی تاریخ کی روشنی میں جب ہندوؤں نے ''متحد ہو کر'' بابری مسجد گرائی، اس کی ایک طرح سے پوری وضاحت کی۔

اصل میں ہندو فرقہ پرست تنظیموں کو اس چیز کا احساس ہے کہ منوجی کے مسلط کردہ ذات پات سسٹم اور برہمنی استبداد سے بیشتر نچلی ذات کے ہندو شدید ذہنی کوفت اور سماجی تفریق اور ظلم کے شکار ہیں۔ اس سے نجات پانے کے لیے وہ دیگر مذاہب کو اختیار کرنے کی جستجو میں رہتے ہیں اور ہندو دھرم کو چھوڑے جاتے ہیں۔ اسی لیے آر ایس ایس، بی جے پی اور پریوار کی باقی شاخیں، سب کنورژن پر پابندی لگانے پر زور دیتے ہیں، جو خود بھارتی آئین کے بنیادی حقوق کے خلاف ہے، جس میں عقیدے کی آزادی اور کسی بھی مذہب کو اختیار کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ تبدیلیٔ مذہب اسی زمرے میں آتا ہے۔ صرف دو چیزیں، لالچ اور زور زبردستی اس کو جرم بنا دیتی ہیں۔ سنگھ پریوار دونوں جرائم کا ارتکاب کرتی ہے، لیکن

جو ہندو بغیر کسی خوف اور لالچ کے دوسرے مذہب کی تعلیمات سے متاثر ہو کر ہندو دھرم چھوڑتے ہیں، اس پر فرقہ پرست ہندو سیخ پا ہوتے ہیں اور اس طرح کے کنورژن پر پابندی لگانا چاہتے ہیں۔ ''گھر واپسی'' تحریک کے ذریعے وہ برہمنی استبداد کا دوام بھی چاہتے ہیں۔ تا کہ انسانی اخوت اور مساوات اور رشد و ہدایت کے وہ ذرائع بھی نگاہوں سے اوجھل رہیں جن کی کشش نچلے طبقے اور سکون سے محروم اور سماجی تفریق کے شکار ہندوؤں کو اپنی طرف کھینچے جا رہی ہے۔

Notes and Refrences

1. Is 'Hindu' our National Identity?
   - Ram Puniyani; Greater Kashmir, Feb 20, 2015
2. RSS Converts 350 Muslims to Hinduism.
   - Dawn December 11. 2014
3. کلکتہ میں وراٹ ہندو سمیلن سے خطاب کرتے موہن بھگوت نے کہا ''بھولے بھٹکے جو بھائی گئے ان کو واپس لائیں گے۔ وہ لوگ اپنے آپ نہیں گئے ان کو لوٹ کر، لالچ دے کر لے گئے۔ ابھی چور پکڑا گیا ہے۔ میرا مال چور کے پاس ہے اور یہ دنیا جانتی ہے۔ میں اپنا مال واپس لوں گا''
   پی ٹی آئی کلکتہ 12 دسمبر 2014ء
4 Is 'Hindu' our National Identity?
   - Ram Puniyani; Greater Kashmir, Feb 20, 2015
5. Indian Express, December 2014

بھولاو، بیٹی بچاؤ

منو جی کے ورن آشرم پر مبنی سماجی، معاشرتی اور معاشی نظامِ زندگی سے تنگ آنے کے بعد نچلی ذات کے ہندوؤں (دلتوں) نے عدل وانصاف اور مساوات اور باہمی احترام کے ان اخلاقی وروحانی مراکز کی طرف رُخ کرنا شروع کیا جہاں کم ازکم انسان کی حیثیت سے ان کو رتبہ اور وقار ملے۔ اسلام اور عیسائیت کو چونکہ سنگھ پریوار ''غیر ملکی'' سمجھتے ہیں، اس لیے جو بھی ہندو ان مذاہب کو قبول کرتے ہیں ان کا جینا حرام کیا جاتا ہے، خصوصاً اسلام قبول کرنے والوں پر سماجی مقاطعہ کیا جاتا ہے، ان کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے، حتیٰ کہ پولیس تھانوں میں بھی ان کو بند کیا جاتا ہے۔

ستمبر 2014ء میں شیو پورہ، مدھیہ پردیش، میں چار دلتوں نے ذات پات کی بنیاد پر انسانوں کو تقسیم کرنے والے ہندو دھرم کو چھوڑا اور اسلام قبول کیا۔ انہوں نے کہا وہ اس تفریق اور مظالم سے تنگ آئے ہیں جو ہندو دھرم کا حصہ بننے کی وجہ سے ان کا مقدر ٹھہرا ہے۔ کسی نے ان کو اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا (یہاں تو بھارت کے مسلمان خود عدمِ تحفظ اور عدمِ سلامتی کے شکار ہیں، وہ کس کو مجبور کریں؟ اُن کے مظالم کی داستانیں دلتوں سے کم تکلیف دہ نہیں) نہ ہی کسی قسم کی لالچ دے کر ان کا ضمیر خریدا گیا تھا (بھارت میں مسلمان اقتصادی، سماجی اور تعلیمی پسماندگی کے حوالے سے دلتوں سے بھی گئے گزرے ہیں، وہ کس کو کیا دے سکتے ہیں)۔ حالانکہ بھارت کا آئین ضمیر اور عقیدے کی آزادی کا حق دیتا ہے جس میں کنورژن بھی شامل ہے، لیکن اسلام قبول کرنے والے ان دلتوں پر ریاستی

پولیس اور سنگھ پریوار نے چاروں طرف گھیرا تنگ کیا اور ایسا دباؤ ڈالا کہ مجبوراً ان کو پھر ہندو دھرم اختیار کرنا پڑا۔" پولیس نے تبدیلی مذہب مخالف قانون (Anti Conversion Act) کے تحت ان کو حراست میں لیا۔ سنگھ پریوار تنظیموں، وی ایچ پی اور بجرنگ دل نے انہیں دھمکی دی کہ اگر وہ واپس ہندو دھرم میں نہ آئے تو ان کی فصلوں کو تباہ کیا جائے گا اور ان کی زمینوں سے ان کو محروم کیا جائے گا"[1]۔ بے بس اور مجبور ان لوگوں نے وہی کیا اور یوں تفریق اور تذلیل کی اُسی کھائی کی طرف لوٹے جہاں سے فرار حاصل کیا تھا۔

میرٹھ (اتر پردیش) کا شیام سنگھ والمیکی کاسٹ سے تعلق رکھنے والا ہندو ہے۔ اس نے حال ہی میں اسلام قبول کیا۔ مقامی مندر میں اسے اور اس کے گھر والوں کو پوجا کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ یادو کاسٹ، جو خود کو اونچی ذات کے ہندو سمجھتے ہیں، والمیکی کاسٹ کو اپنے مذہبی حقوق دینے سے انکار کرتے آئے ہیں اور ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے آئے ہیں۔ اس تفریق اور عدم مساوات پر مبنی نظام کو وہاں کی پولیس برابر حمایت کرتی آئی ہے۔ اسی لیے شیام سنگھ نے ہندو دھرم کو مکمل طور ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔ تبدیلی مذہب کے اس "جرم" پر شیام سنگھ کے خلاف پولیس نے "امن اور فرقہ وارانہ یکجہتی کو نقصان پہنچانے" کے الزام کا مقدمہ چلایا۔ شیام سنگھ کی فیملی انتہائی خوف زدہ ہے اور جانتی ہے کہ اب اس "جرم" کے ارتکاب پر ان پر کیا آفت آنے والی ہے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنا آبائی علاقہ چھوڑ دیں گے۔ شیام سنگھ کہتا ہے وہ نیپال کی طرف ہجرت کرے گا۔[2]

یہاں یہ بتانا بیجا نہ ہوگا کہ 1981ء میں میناکشی پورم (تامل ناڈو) میں ایک ہزار سے زائد دلتوں نے اجتماعی طور اسلام قبول کیا۔ ماروا کاسٹ سے تعلق رکھنے والے ہندو انہیں برابر کے حقوق نہیں دیتے تھے اور ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتے تھے۔

اسلام کے حیات آفرین نظامِ عدل و انصاف اور اخوت و مساوات میں انہوں نے اپنے تمام دکھوں اور مظالم کا مداوا پایا۔ اس ''جرم'' پر بھلا اسٹیٹ کب اور کس طرح خاموش رہ سکتی تھی۔ ردِ عمل میں تامل ناڈو حکومت نے تبدیلی مذہب مخالف قانون نافذ کیا۔ اگر چہ اس قانون کو بعد میں واپس لیا گیا، تاہم بھارت کی پانچ ریاستوں اوڑیسہ، مدھیہ پردیش، چھتیس گڑھ، گجرات اور ہماچل پردیش میں اب بھی اسطرح کے قوانین نافذ العمل ہیں اور جن ریاستوں میں ایسے قوانین نہیں بنائے گئے ہیں وہاں پولیس دلت اور آدی واسیوں کی طرف سے کنورژن پر سختی کے ساتھ پیش آتی ہے جیسا کہ میرٹھ (اتر پردیش) کے شیام سنگھ کے ساتھ پولیس کے ظالمانہ برتاؤ سے پتہ چلتا ہے۔

مذہب کی تبدیلی پر نہ صرف دلتوں کو سنگھ پریوار کی جارحیت اور پولیس زیادتیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بلکہ دلتوں کے حق میں دیئے گئے مخصوص کوٹہ (reservation quota) کے تحت ملنے والے فوائد اور سہولیات سے بھی ان کو ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہندو دھرم سے جوڑے رکھنے کے لیے انڈین اسٹیٹ دلتوں کے ریزرویشن کے نام پر سیاسی رشوت دیتی ہے، اگر چہ کہا جاتا ہے کہ ریزرویشن ان کی غربت اور سماجی سطح پر ان کی حالت بہتر بنانے کا آئینی اقدام ہے۔ سوال یہ ہے کیا اسلام قبول کرتے وقت دلت افلاس اور محرومیوں کا ورثہ خود دلتوں کے پاس چھوڑ کر آتے ہیں اور یہاں مسلمان اتنے مالدار ہیں کہ بس یاقوت و مرجان کے فرش پر چل کر نو مسلم دلت خزانوں کے مالک بن جاتے ہیں؟ جیسا کہ پہلے لکھا گیا مسلمانوں کی حالت دلتوں سے بھی خراب ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں وہ بھارت کے دوسرے شہریوں اور اقلیتوں کے مقابلے میں پچھڑے ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ سیاسی، سماجی اور انتظامی سطح پر تعصب برتا جاتا ہے۔ جب بھی وہ اپنے پاؤں پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں فسادات کے شعلوں میں ان کی

ساری پونجی ختم کی جاتی ہے۔ عدمِ تحفظ کی تلوار ان کی گردنوں پر لٹکتی رہتی ہے۔ سیکولر قائدین اسی عدمِ تحفظ کو دُور کرنے کے کھوکھلے دعووں پر ان کا سیاسی استحصال کرتے ہوئے اپنے مفادات کے قیصر تعمیر کرتے رہتے ہیں، جبکہ مسلمان زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے دلت اسلام قبول کرنے کے ''جرم'' میں ان تمام مراعات سے محروم ہو جاتے ہیں جو ہندو مذہب میں رہتے ہوئے ان کو ملتے رہتے ہیں، لیکن اطمینانِ قلب اور روح کی آسودگی کی جو دولت ان کو نصیب ہوتی ہے وہ اتنی بڑی اور انمول ہے کہ مراعات اور سہولیات سے محرومی بھی اس کے لیے گوارا ہے۔

کوئی ہندو لڑکی کسی مسلمان لڑکے کے ساتھ محبت کرے اور پھر اپنا مذہب تبدیل کر کے اسے اپنا شریکِ حیات بنائے، سنگھ پریوار اسے ''لو جہاد'' (Love Jihad) کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اگرچہ یہ دو افراد کی ذاتی پسند کا معاملہ ہے جس میں جبر یا لالچ یا رشوت کا کوئی شائبہ تک نہ ہوتا، بلکہ نو بیاہ جوڑے کے لیے اس قسم کے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونا سخت مشکلات کا باعث بن جاتا ہے۔ تاہم اس طرح کی شادی کو سنگھ پریوار ایک ایسی سازش قرار دیتا ہے جس میں مسلمان لڑکے محبت کو ''جہاد'' کے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں تا کہ ہندوؤں کی آبادی میں تخفیف ہو سکے۔ ''لو جہاد'' کو روکنے کے لیے پریوار پولیس سے مل کر مسلمان لڑکے اور اس کے گھر والوں کی زندگی اجیرن بنا دیتے ہیں اور ہندو لڑکی اور اس کے گھر والوں کو بھی رشتہ توڑنے پر دباؤ ڈالتے ہیں۔ بھلا اسی فیصد کی بہت بڑی ہندو اکثریت والے ملک میں ''لو جہاد'' کے اس طرح کے چند واقعات ہندوؤں کو اقلیت میں تبدیل کیسے کر سکتے؟ یہ تو محض ایک پروپگنڈا ہے جس کا مقصد مسلم منافرت کی آگ کو بھڑکانا ہے اور اس کے پردے میں ''گھر واپسی'' اور ''بہو لاؤ بیٹی بچاؤ'' کی تحریک کو نفرت کا ایندھن فراہم کرتا ہے۔

فی الحقیقت ''بہو لاؤ، بیٹی بچاؤ'' گھر واپسی کی ایک اور شکل ہے جس کا مقصد مسلمان لڑکیوں کو ''شُدھی کرن'' (Purification) کرنے کے بعد ہندو مذہب کے دائرے میں لاکر بہو بنانا ہے۔ یہاں پورا سنگھ پریوار شدھی کرن اور ہندو بنانے کے اس سارے عمل کو انجام دینے میں ہندو مسلم جوڑے کی پوری طرح حوصلہ افزائی اور مدد کرتا ہے۔ ان کے گھر والوں تک کو بھی اس رشتہ کے لیے تیار کرتا ہے یا دباؤ ڈالتا ہے۔ ''لو جہاد'' سے جو چیز اسے مختلف بنادیتی ہے وہ صرف یہ کہ یہاں ''دُلھن'' مسلمان گھرانے کی ہے اور ''دلھا'' ہندو گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے ہندوتوا بریگیڈ کس قسم کی فسطائی سوچ اور فرقہ پرستی کا قائل ہے اور ایک ہی معاملے میں وہ کس طرح دو مختلف اور متضاد روئیے رکھتا ہے۔

مغربی بنگال کے 24 پرگنہ، مرشدآباد، ہوڑہ اور بیر بھوم علاقوں میں ہندو جاگرن منچ، بھارت سیوا آشرم سنگھا، ویشوا ہندو پریشد، ہندو سمیتی جو تمام آر ایس ایس سے منسلک ہیں نے ''بہو لاؤ، بیٹی بچاؤ'' تحریک کو تیز تر کردیا ہے۔ وہ اس قسم کی شادیوں کے لیے ''شیلٹر'' (Shelter) مہیا کرتے ہیں۔ اپنے تمام دستیاب وسائل فراہم کرتے ہیں اور پھر تحفظ بھی دیتے ہیں۔ وی ایچ پی لیڈر بادل داس جو اس تحریک میں اپنی تنظیم کا انچارج ہے، کا کہنا ہے کہ گزشتہ ایک سال میں (جب سے مودی برسرِ اقتدار آئے ہیں) تقریباً 500 مسلمان اور عیسائی عورتیں اسی طرح کی شادیاں انجام دینے سے ہندو بن گئی ہیں۔ ہندو سمیتی کے چیف تپن گوش کہتے ہیں ہم ''لو جہاد'' کے خطرے کا سامنا کر رہے ہیں۔ مسلمان لڑکے ہندو لڑکیوں کو ورغلا کر اپنی زوجیت میں لیتے ہیں۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ ہم ''لو جہاد'' کے متاثرین کو بچائیں اور مسلمان لڑکیوں کو ہندو گھروں میں لائیں۔ ہم لوگوں پر دباؤ نہیں ڈالتے، بلکہ جو مذہب کو تبدیل کرنا چاہتے ان کی مدد کرتے ہیں۔ یہ ملک اور

ہندو سماج کی بڑی خدمت ہے"۔[3]

ربیقہ خاتون سے میناکشی ناسکر:-

21 برس کی یہ لڑکی جو مسلم گھرانے میں پلی بڑی لکشمی نارائن پور (24 پرگنہ) میں رہتی ہے۔ ایک مدھو منگل نامی ہندو لڑکے کے ساتھ اس کے تعلقات تھے اور وہ اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی۔ لڑکی کے گھر والے اس کی شادی کے خلاف تھے۔ مدھو منگل ہندو سمیتی کے پاس گیا جس نے انہیں مدد کرنے کی یقین دھانی کرائی۔ سمیتی نے انہیں ایک شلٹر ہاوس میں رکھا۔ کچھ مہینے بعد ربیقہ نے ہندو دھرم قبول کیا اور حلف نامہ دائر کر دیا۔ بعد میں اس مسلم لڑکی کو "پاک کرنے" (شدھی کرن) کے لیے ھون کر دیا گیا اور تمام ہندو رسوم کے مطابق اس کی شادی انجام دی گئی۔ مدھو کا گھرانہ بی جے پی کا حمایتی بھی بنا۔ لڑکی کے والد مشرف شیخ کو بھی سمیتی والوں نے کہا "تحفظ اور سلامتی" کے لیے بی جے پی کے ساتھ شامل ہو۔

ام کلثوم اب انتارا بچر:-

22 سال کی لڑکی اس مسلم لڑکی نے میناکھن سندربنی (24 پرگنہ) کے ایک آر ایس ایس ورکر راج شیکھر بچر کے ساتھ شادی کی۔ ہندو سمیتی کے تپن گھوش نے اس شادی کو انجام دیا۔ جب بچر اس لڑکی کو ورغلا کر اس کے پاس پہنچا اس نے ہندو مذہب قبول کیا۔ گھوش نے اس کا شدھی کرن کرایا اور ہندو رسوم کے مطابق اس کی شادی کرائی۔

آصفہ نیا اب چاند سردار:-

24 : برگنہ میں مقیم 20 سال کی یہ مسلم لڑکی دو سال قبل چندن سردار کے ساتھ فرار ہوئی۔ ہندو سمیتی نے اس کو اپنی نگہداشت میں رکھا۔ سلائی کی دکان کھولنے میں مدد کی۔ ہندو سمیتی نے ہی تمام ہندو رسوم کے ساتھ اس کی شادی انجام دی۔ اس کے شوہر کو ایک پرائیوٹ کمپنی میں نوکری بھی دلوائی۔ چندن سردار اس شادی کے بارے میں سمیتی کے رول پر کہتا ہے" وہ (سمیتی والے) میرے گھر والوں سے ملے اور ان سے کہا کہ ایک مسلم لڑکی سے شادی کرنا ہندو مت کی خدمت کرنا ہے"۔

رقیہ خاتون اب رومپا چٹرجی:-

24 ربرگنہ کی پنچ گارا گاؤں کی 20 سال کی یہ مسلم لڑکی کیٹریک چٹرجی کے ساتھ بھاگ گئی۔ ہندو سمیتی نے انہیں اپنے ایک شلٹر ہاؤس میں رکھا جہاں تین اور جوڑے سمیتی کی نگرانی میں رکھے گئے تھے۔ چھ مہینوں تک وہ وہاں رہے۔ لڑکی کہتی ہے" سمیتی کے تپن گوش نے کہا کوئی چنتا کی بات نہیں وہ سب انتظامات از خود کرائیں گے"۔ چٹرجی کا گھرانہ بی جے پی کے ساتھ شامل ہوا۔ لڑکی کے والد سراج الدین بھی" تحفظ" کے خاطر بی جے پی کے ساتھ شامل ہوئے۔

شبینہ یاسمین اب مدینی ماکھل:-

27 ربرس کی سندر بن کے مولا چاک بستی کی رہنے والی شبینہ کی شادی ببلو ماکھل سے کرائی گئی۔ بھارت سواشرم سنگھا نے شُدھی کرن کرایا اور ہندو دھرم کے تحت اس کی شادی کرائی۔ ببلو کے والد

چندر شیکھر نے اس شادی پر سنگھ پریوار کے رول پر بات کرتے ہوئے کہا ''آر ایس ایس اور ہندو سمیتی والوں نے مجھے بتایا کہ ایک مسلم لڑکی کو ہندو بہو بنا کر آپ ہندو دھرم کی زبردست خدمت کرتے ہیں''۔ لیکن شبینہ کے والد عبدالقادر، جو کہ پیشہ کے لحاظ سے ڈاکٹر ہیں، اس شادی پر انتہائی برہم ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ''وہ کبھی بھی اور کسی صورت میں اس شادی کو نہیں مانیں گے۔''

یہ چند مثالیں اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ زعفرانی بریگیڈ والے ہندستان کو ایک مکمل ہندو راشٹر میں تبدیل کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لیے لالچ، فریب، رشوت، دھونس اور دباؤ جیسے غیر اخلاقی اور غیر قانونی طریقے استعمال کرتے ہیں۔ ایک منظم تحریک شروع کی گئی ہے جس کے ذریعے مسلم گھرانوں میں نقب لگا کر ایسی لڑکیوں کو ڈھونڈ کر ہندو تنظیموں کی طرف سے چلائے جانے والے مراکز میں پہنچایا جاتا ہے جن کے بارے میں ذرا سا گمان ہے کہ ان کے ہندو لڑکوں سے تعلقات ہیں۔ اگر اس قسم کا رومانس (Romance) دو افراد اور وہ بھی دو مختلف مذاہب کے افراد سے متعلق ہے تو قانونی راستہ اس کے لیے کھلا ہے جس کو وہ اختیار کر سکتے ہیں، جیسا کہ اکثر ''لو جہاد'' میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ وہاں تو کوئی مسلم ادارہ یا این جی او ایسے جوڑوں کو اس طرح کی مدد فراہم نہ کرتا، اس قسم کے مراکز فراری عاشقوں کے لیے قائم نہ کرتا، باز آباد کاری (Rehabilitation) کی اسکیمیں نہیں تیار کرتا، ملازمتیں نکاح کے متلاشی جوڑوں میں نہیں بانٹتا۔ پھر کوئی مسلم تنظیم ''اسلام کی خدمت'' کے نام پر ''لو جہاد'' کو یوں فروغ نہیں دیتی اور ''تحفظ اور سلامتی'' کے نام پر انہیں اپنی سیاسی پارٹی میں شمولیت کی دعوت نہیں دیتی۔ برعکس اس کے ''لو جہاد'' کی کوئی ''متاثرہ'' ہندو لڑکی ہو یا اس کا ہونے والا شوہر،

ان کو چوبیس گھنٹے اپنے زیست کی صلیب اپنے کاندھوں پر اٹھانا پڑتی ہے۔ پولیس ان کے پیچھے پڑتی ہے اور سنگھ پریوار کے بھیڑیے ہر چہار سو ان کے تعاقب میں غراتے رہتے ہیں۔ یہی حال ان گھرانوں کا یا افراد کا ہوتا ہے جو ہندو کاسٹ سسٹم میں صدیوں کچلتے اور مظالم سہتے اب تنگ آ گئے ہیں اور اسلام کے حیات آفرین نظام عدل وقسط میں تکریمِ انسانیت کا تحفظ پا کر مشرف بہ اسلام ہوتے ہیں۔

لیکن ''سیکولر'' انڈیا میں مسلم گھرانوں سے ''بہو'' لانے نے ایک منظم تحریک کی شکل اختیار کی ہے۔ ہندو فرقہ پرست بریگیڈ اسے ''شادی کے ذریعے تبدیلی مذہب'' (Conversion through marraige) کا نام دیتے ہیں اور جیسا کہ لکھا اس کے لیے تمام تر حربے اختیار کر رہے ہیں۔ اس کے دو مقاصد ہیں۔ اول، جیسا کہ وی ایچ پی جنرل سیکریٹری جگل کیشور جی، جو دھرم پراسار کے انچارج ہیں، نے کہا ''اگر ایک ہندو لڑکا مسلم لڑکی سے شادی کرے تو ہم پہلے اسے 'شُدھی کرن' کراتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے بچے ہندو ہی ہوں گے اور یہ ہندو سماج کی خدمت ہے''۔ یعنی ہندو نیشن کے قیام کے لیے شادی کے ذریعے ہندو بنانا بھی گھر واپسی کی طرح ہندو فرقہ پرستوں کا ہدف ہے۔ دوسرا مقصد آئین ہند کی اُس دفعہ کو ختم کرانا ہے جو بھارت کے شہریوں کو تبدیلیٔ مذہب کا حق دیتی ہے۔ دونوں گھر واپسی اور مسلم بہو لانے کی تحاریک، کو جارحانہ بنیادوں پر چلانے کا مقصد یہی ہے کہ کسی طرح بھارت میں عوامی اتفاق (Consensus) پیدا کیا جائے تاکہ تبدیلیٔ مذہب مخالف قانون پارلیمنٹ میں پاس کیا جائے۔ سنگھ پریوار کو یہ روگ لگا ہوا ہے کہ برہمنی استبداد نے ہندو دھرم میں جس طرح نچلی ذات کے لوگوں سے انسانی وقار اور عزت چھین لیا ہے اور انہیں جانوروں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کیا، وہ ہندو دھرم کو چھوڑے جا رہے ہیں۔ ان کو ہندو دھرم کی کھونٹی سے باندھ رکھنے کے لیے وہ ضروری سمجھتے ہیں کہ تبدیلی

مذہب کے اس آئینی حق کو ختم کیا جائے۔ موہن بھگوت نے دسمبر 2014ء میں اسی کا مطالبہ کیا۔

یہ امر حیران کن نہیں کہ سنگھ پریوار نے مغربی بنگال کے 24 پرگنہ شمال، 24 پرگنہ جنوب، مرشد آباد اور ہاوڑہ میں ''بیٹی بچاؤ، بہولاؤ'' کی جو تحریک شروع کی، ان تمام علاقوں میں بی جے پی نے حالیہ الیکشن میں خاصی پیش رفت کی ہے اور کانگریس اور مارکسٹ نوازوں کو کافی پیچھے دھکیل دیا ہے۔ مذکورہ علاقوں میں جہاں اسے 2009ء کے الیکشن میں 3 سے 5 فیصد ووٹ ملے تھے، یہ تناسب 2014ء کے پارلیمانی انتخابات میں دس سے اکیس فیصد تک بڑھ گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جوں جوں آر ایس ایس بریگیڈ کو سیاسی طاقت اور اثر و رسوخ مل رہا ہے وہ اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے خود کو کافی مستحکم اور نسبتاً بااختیار سمجھتا ہے۔ نریندر مودی کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد اسی حقیقت کی تصدیق بغیر کسی لاگ لپیٹ کے اچنتیا بھسواس، جو جادیو پور یونیورسٹی کے پروفیسر اور وی ایچ پی گولڈن جوبلی کمیٹی کے صدر ہیں، نے ان الفاظ میں کی:

> "Since there is a friendly government at the centre, we are working comfortably...."[4]

(چونکہ مرکز میں ہماری موافق حکومت ہے، اس لیے ہم آرام کے ساتھ اپنا کام کر رہے ہیں۔)

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سنگھ پریوار جس تیز رفتاری کے ساتھ پیش قدمی کرتی جا رہی ہے، اسی رفتار سے اس کی موافق حکومت اس ایجنڈے کو عملانے میں زمین ہموار کرتی جا رہی ہے۔ یوں بھارت ہندو فرقہ پرستی کے شکنجے میں پوری طرح کسا جا رہا ہے اور

اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کو اپنے عقائد کے ساتھ باعزت زندگی گزارنا مشکل ہوتا جارہا ہے۔

Notes and Refrences

1. Scroll.in (Dawn, Pakistan, March 19, 2015
2. Scroll.in (Dawn, Pakistan, March 19, 2015
3. Indian Express, March 13, 2015
4. Indian Express, March 13, 2015

ناگپورایجنڈا

ٹھیک 6نومبر 1947ء کو جب ڈوگرہ مہاراجہ ہری سنگھ کی فوج اور پولیس مہاراجہ پٹیالہ کی فوج اور آرایس ایس کے مسلح جنونی جتھوں کے ساتھ جموں میں نہتے اور معصوم مسلمانوں کا سفاکانہ قتل عام کر رہی تھی، بسوں میں بھر کر سانبہ میں انہیں موت کے گھاٹ اتار رہی تھی اور لاکھوں کی تعداد میں مسلمان گھر بار چھوڑ کر پاکستان کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کئے جارہے تھے، آرایس ایس کا ہفتہ وار جریدہ "آرگنائیزر" (Organiser) کشمیر کے بارے میں اپنے مذموم اور گھناؤنے عزائم کا اظہار کر رہا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہم چیدہ چیدہ اقتباس پیش کریں جو 6نومبر 1947ء کو شائع ہوئے۔ "کشمیر کی اہمیت" (Importance of Kashmir) کے عنوان سے شائع شدہ اداریہ (Editorial) کہتا ہے:

"Kashmir has a vast space for the expansion of population. If industrialized, it can absorb crores of people..... Above all Kashmir has a historic importance too. Not a thousand years, back it was a seat of Hindu culture and learning. At every step in Kashmir there lie our worship and sacred place..... The inclusion of

Kashmir state into the Indian Union will bring us the unflinching loyalty of the Dogra clan which is most war-like, intelligent, efficient in military tactics and to which the present ruler of Kashmir Belongs."

(کشمیر میں آبادی کے پھیلاؤ کے لیے کافی جگہ موجود ہے۔اگر یہاں صنعت کو بڑھایا جائے تو یہ کروڑوں لوگوں کو اپنے اندر سمو سکتا ہے۔۔۔۔اس کے علاوہ کشمیر کی ایک تاریخی اہمیت بھی ہے۔ صرف ایک ہزار سال قبل کشمیر ہندو کلچر اور علوم کا گہوارہ تھا۔ یہاں چپے چپے پر ہماری عبادت گاہیں اور مقدس مقامات پائے جاتے ہیں۔۔۔۔انڈین یونین کے ساتھ ریاست کشمیر کی شمولیت سے ہمیں ڈوگرہ خاندان کی بے مثال وفاداری بھی نصیب ہوگی، جو انتہائی بہادر، ذہین اور عسکری صلاحیتوں کا مالک ہے اور موجودہ حکمران اس خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔"

محولہ اقتباسات وہ آئینہ ہے جس میں آپ آرایس ایس کا بھیانک چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔ ڈوگرہ حکومت کی وفاداری پر فاشسٹ ہندو قوتیں اسی لیے تو نازاں ہے کہ اس نے آرایس ایس کے ایجنڈے کو پورا کیا۔جموں کو مقتل بنادیا اور مسلم اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کیا۔آرایس ایس کی تاسیس ہی اسی مقصد کے حصول کے لیے ہوئی ہے۔مسلمانوں کا وجود اس کے لیے ناقابل قبول اور باعث نفرت ہے۔سیکولر بھارت کے نام نہاد ڈیموکریٹک ہوں یا ہندو راشٹرا کے پجاری، جب بھی مسلم اکثریت کشمیر کا معاملہ پیش آئے، دونوں انسانیت اور اخلاقیات کو پاؤں تلے روندنے اور عدل وانصاف اور اصول وضوابط کو

ذبح کرنے میں بڑے سفاک اور بے حیا اور خودغرض واقع ہوئے ہیں۔ جوناگڑھ کو اس لیے بھارت کا حصہ بننا پڑا ہے کیونکہ یہاں اکثریت ہندوؤں کی ہے اور حکمران مسلم اقلیت کا، جس نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا ہے۔ لیکن اس اصول اور اسی ضابطے کی دھجیاں اُڑا کر کشمیر میں فوج کشی کی جاتی ہے اور اس فوجی گرفت کو مضبوط بنانے کے لیے طرح طرح کے فریب دیے جاتے ہیں اور پھر بڑی ڈھٹائی سے اپنے کیے ہوئے وعدوں سے مکر بھی جاتے ہیں۔ سیکولر کانگریس، جو چند برسوں کو چھوڑ کر عشروں بھارت پر حکومت کرتی رہی، اصل میں آر ایس ایس کے ہی ایجنڈے کو بھارت اور کشمیر میں عملاتی چلی آئی ہے۔ فرق صرف یہ ہے جہاں آر ایس ایس اپنے گھناؤنے عزائم کی تشہیر کرتی ہے، کانگریس چپ کا روزہ رکھ کر آر ایس ایس کے عزائم کو ہی پورا کرتی ہے۔ 1971ء میں پاکستان کے دولخت کرنے پر یہ آر ایس ایس سے وابستہ بھاجپہ لیڈر اور سابق وزیر اعظم ہند اٹل بہاری واجپائی ہی تھے جنہوں نے اس وقت کی وزیر اعظم اور کانگریس لیڈر اندرا گاندھی کو ''درگا دیوی'' کے لقب سے نوازا تھا!!

2 رنومبر 2014ء کو آرگنائزر نے مذکورہ ایڈیٹوریل کو من وعن پھر سے شائع کیا۔ اس وقت بی جے پی اپنے ''مشن پلس 44''(Mission Plus 44) کو اپنا ہدف بنا کر الیکشن میں اتری تھی۔ ایڈیٹوریل کو پھر سے شائع کرنے کا مقصد عیاں طور پر ہندوؤں کو ڈوگرہ مہاراجہ کی وفاداری کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس کام کو پورا کرنے کی تحریک دلانا تھا جو مسلم اکثریت جموں کو اقلیت میں تبدیل کرنے سے مہاراجہ نے شروع کیا اور اب آر ایس ایس اس کا دائرہ کشمیر ریجن تک وسیع کرنا چاہتا ہے۔ جموں کے ہندوؤں نے بی جے پی کے ہاتھ قریباً تمام نشستیں تھما کر آر ایس ایس کے سوچ، نظریہ اور ہدف سے خود کو ہم آہنگ کیا اور کشمیریوں کو پیغام دیا کہ ان کی مسلم شناخت اس کے لیے وہی معنیٰ رکھتی ہے جو آر ایس ایس

کے لیے ہے۔

آئیے اب اداریہ میں اٹھائے گئے نکات پر غور کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی اکثریت کی وجہ سے ہی کشمیر کی ایک الگ پہچان ہے۔ یہی اسے ایک الگ تشخص، جداگانہ تہذیب وتمدن اور منفرد ملی کردار بخش دیتی ہے اور پھر ذرا باریک بینی سے دیکھا جائے ہماری پوری تحریکِ حق خودارادیت، سیکورٹی کونسل قراردادیں اور ریاست کا بین الاقوامی کردار اور تصفیہ طلب حیثیت (Disputed Nature)، یہ سب کچھ ہماری عددی برتری پر انحصار کئے ہوئے ہے۔ علاوہ ازیں یہ وہ دفاعی حصار ہے جو فی الحال ہمیں بھارت میں رہنے والے مسلمانوں کی ناگفتہ بہہ پوزیشن پر لڑھکنے اور فرقہ پرستی کی بے رحم تلوار سے بچائے ہوئے ہے۔ انڈین اسٹیٹ کے سامنے کشمیر کو جائز طریقے سے انڈین یونین کا حصہ بنانے یا آر ایس ایس کی ''گھرواپسی'' کے لیے جو چیز سدراہ بنی ہوئی ہے وہ یہی مسلم آبادی ہے۔ 1947ء سے مسلم اکثریت جموں کشمیر کا یہ کردار دونوں کی آنکھوں میں کھٹکتا رہا ہے۔

آر ایس ایس نے پوری طرح واضح کیا کہ وہ اپنے ہدف کے حصول میں کس طریقِ کار کو عمل میں لانا چاہتی ہے۔ ہدف مسلم آبادی کی تخفیف اور طریقۂ کار صنعتوں کے قیام کے نام پر ''کروڑوں لوگوں'' یعنی ریاست جموں کشمیر سے باہر رہنے والے کروڑوں ہندوؤں کو کشمیر میں بسانا ہے۔ 2011ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست کی کل آبادی ایک کروڑ 25 لاکھ 49 ہزار ہے۔ اس میں کشمیر کی آبادی 69 لاکھ، جموں خطے کی 53 لاکھ اور لداخ کی لگ بھگ 3 لاکھ ہے۔ مسلمانوں کا کل آبادی میں شرح تناسب 67 فیصد ہے، ہندوؤں کا 30 فیصد، سکھوں کا 2 فیصد اور بودھوں وغیرہ کا تقریباً 1 فیصد ہے۔ آر ایس ایس اس تناسب کو نہ صرف بدل دینا چاہتی ہے، بلکہ ''کروڑوں'' ہندوؤں کی آبادکاری (Settlement) کرکے مسلمانوں کو ہندوؤں کے اس بڑے ریلے میں

ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غرق کر دینے کے منصوبے بنا رہی ہے۔ پہلے ہی 6 لاکھ فوج، اور نیم فوجی دستے [1] یہاں مقیم ہیں۔ بھارت کی قریباً گیارہ لاکھ افواج میں سے 5 لاکھ فوج اسی چھوٹی سی ریاست میں موجود ہے اور لاکھوں کنال رقبۂ زمین پر ''لینڈ اکویزیشن ایکٹ'' (land Acquisition) کی صریحاً خلاف ورزی کرتے ہوئے قبضہ کئے ہوئے ہے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں ریاست میں بھارت کی فوج کی اتنی ہوش ربا تعداد اور اس کی تحویل میں لاکھوں کنال زمین یہاں نہ صرف بیسک سینٹیمنٹ (Basic Sentiment) کو کچلنے کا مقصد لیے ہوئے ہے، بلکہ کشمیریوں کے لیے پہلے سے سکڑتی زمین پر مزید دباؤ بڑھا کر ان کی زندگی اجیرن بنانا بھی اس کا مقصد ہے۔

آر ایس ایس ''تاریخی اہمیت''، ''ہندو کلچر''، ''مقدس مقامات'' اور ''عبادت گاہوں'' کا ذکر کرتے ہوئے کشمیر پر ہندوؤں کا حق جتا کر اسے ہندو دھرم سے جوڑنے کی کوشش کرتا ہے اور ایک ہزار سال پہلے کے ہندو کشمیر کا احیاء چاہتا ہے۔ ''گھر واپسی'' کی تحریک اور موہن بھگوت کی یہ ''وضاحت'' کہ ہم ''چرائے ہوئے مال کو واپس لانا چاہتے ہیں'' کے تناظر میں ساری فسطائی سوچ کی زہرناکیوں، اس کے پوشیدہ اور خطرناک مضمرات کو بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ خصوصاً جب کشمیر تقسیم ہندوستان کے طے شدہ اصولوں اور دو قومی نظریے کی بنیاد پر اور کشمیری عوام کی خواہشات کے حوالے کسی بھی طور بھارت کا حصہ نہیں ہوسکتا تھا، بلکہ اسے اسی طرح پاکستان کا حصہ بننا چاہیے تھا جس طرح جونا گڑھ بھارت کا حصہ بنا۔ بھارت نے 1947ء سے لے کر اب تک کشمیر کے مسلم کردار کو زک پہنچانے اور دھیرے دھیرے مٹانے کے لیے بڑی اور لگاتار کوششیں کیں۔ حق یہ ہے ریاست کی اٹانومی کو ختم کرنے اور آرٹیکل 370 کی روح نکال کر اسے ایک لاشہ میں تبدیل کرنے کے پیچھے جو بڑی اور غالب وجہ رہی وہ صرف یہ کہ انڈین اسٹیٹ ریاست کے مسلم کردار کو اپنے قلب و ذہن میں

اتار نہ سکی۔ اقوامِ متحدہ کی زیر نگرانی استصواب کرانے کے وعدہ سے بھارت اس لیے منحرف ہوا کہ اسے معلوم ہے اس کے تسلط کو کشمیری عوام کبھی بھی تسلیم کرنے والے نہیں ہیں۔ دو منٹ کے لیے استصواب کو اٹھائے رکھتے ہیں، ریاست کو ''بھارت کے آئین کے دائرے'' میں جو ''خصوصی پوزیشن'' دی گئی اور آئینی ضمانتوں سے جسے تحفظ دینے کی یقین دہانیاں کرائی گئیں وہ ریاست پر اپنا قبضہ مستحکم کرنے کے بعد اس لیے ہٹائی گئیں کہ یہاں مسلمانوں کی برتری کو ڈائیلیوٹ (Dilute) کرنے، ان کے سیاسی حقوق پر ڈاکہ ڈالنے، اقتصادیات کو کنٹرول کرنے اور ان کے تہذیب وثقافت اور تمدن اور تعلیم اور تاریخ پر غالب قوم کے تہذیبی وتمدنی اثرات پڑنے کے لیے راہیں کھلی رہ سکیں۔ ''آئین کے دائرے'' میں رہتے ہوئے آج ہم اس مقام پر پہنچے ہیں، جہاں آر ایس ایس کشمیر کو اقلیت میں تبدیل کرنے کے خطرناک راستے پر گامزن ہے اور اس کا سیاسی بازو غالب مسلم آبادی والے خطے میں پہلی بار حکومت میں آیا ہے اور عجب ستم ظریفی یہ ہے کہ ''آئینی راستے'' پر چل کر بی جے پی اقتدار کے ایوانوں تک پہنچ رہی ہے اور ظاہر ہے اس کے دُور رس اثرات نکلیں گے۔ وہ کشمیر میں اپنا اثر ونفوذ بڑھانے کی کوشش کرے گی اور شاہنواز خان اور سکندر بخت کی طرح کے ''مسلم'' لیڈروں اور کارکنوں کو اپنے ساتھ ملا کر انہیں سدھائے ہوئے جانوروں کی طرح کشمیریوں کے کفن ودفن کے لیے استعمال کرے گی۔

Notes and Refrences

1. Times of India, June 2013 (Sunday Edition)

پارلیمانی کمیٹی کی سفارشات

پارلیمانی انتخابات میں کانگریس کو ہزیمت آمیز شکست دینے اور اقتدار سنبھالنے کے بعد بی جے پی نے کشمیر پر پورا فوکس کیا۔ ریاستی اسمبلی کی کُل 87 نشستوں میں سے مطلوبہ 44 نشستوں کو حاصل کرنے کے لیے اس نے پوری تنظیمی طاقت اور حکومتی اثر ورسوخ استعمال کیا۔ ''مشن پلس 44'' کا حصول کس مقصد کے لیے ہے؟ بی جے پی کا ''ویژن ڈاکومنٹ''(Vision Document) اس کی پوری وضاحت کرتا ہے اور اس کے عزائم کو بے نقاب کرتا ہے۔

ویژن ڈاکومنٹ بی جے پی نے 27/نومبر 2014ء کو جاری کیا۔ اس کے اہم نکات میں شامل ہے کہ اقتدار حاصل کرنے کے بعد (۱) پارٹی پاکستانی زیرِ انتظام کشمیر کے لیے رکھی گئی 24 اسمبلی کی خالی نشستوں میں سے 5 نشستیں پاکستانی زیرِ انتظام کشمیر کے رفوجیوں کے لیے مخصوص (Reserve) رکھے گی۔ (۲) بے گھر ہوئے پنڈت مہاجرین کے لیے ریاستی اسمبلی کی 3 نشستیں مخصوص ہوں گی اور یہ 3 نشستیں وادی کشمیر کی 46 اسمبلی نشستوں سے کاٹی جائیں گی۔ (۳) کسٹوڈین محکمہ تحلیل کر کے مہاجرین کی چھوڑی ہوئی جائداد (Evacuee's Property) پر قابض لوگوں کو مالکانہ حقوق دیں گے۔ (۴) بیرون ریاست شادی کرنے والی لڑکیوں کے بچوں کو ریاست میں جائداد کا حق دار بنایا جائے گا۔ (۵) جموں کے نوجوانوں کو ڈوگرہ سٹیفکیٹ دی جائے گی۔

جموں میں پارٹی کا ''ویژن ڈاکومنٹ'' جاری کرتے وقت ممبر پارلیمنٹ اور

اسٹیٹ انچارج اونیاس رائے کھنہ نے پریس کے نمائندوں کو آرٹیکل 370 کے بارے میں بتایا ''ہم الیکشن ڈیولپمنٹ'' کے ایشوز پر لڑتے ہیں اور جہاں تک باقی ایشوز کا تعلق ہے ہم نے پہلے ہی اپنا موقف واضح کیا ہے''۔یعنی دفعہ 370 جو ریاست کو خصوصی درجہ دیتا ہے، اس پر پارٹی اپنے اسی ''موقف'' پر قائم ہے کہ بی جے پی اس کو ختم کرے گی اور یوں ''کروڑوں لوگوں'' (ہندوؤں) کو کشمیر میں بسانے کی راہ ہموار ہوگی۔مشن +44 کو حاصل کرنے اور اپنے کیمپ کے مسلم حلیفوں اور اتحادیوں کو خوش رکھنے کے لیے بی جے پی نے الیکشن کے دوران اس مسئلہ کو اگرچہ زیادہ نہیں اچھالا مگر اس پر اپنے پارٹی اسٹینڈ کو بھی نہ بدلا۔گویا کروڑوں ہندوؤں کی کشمیر میں آبادکاری کی تلوار چھوٹی سی مسلم اقلیت کے گردن پر لٹکتی رہے گی۔

ابھی بی جے پی کے ویژن ڈاکومنٹ پر مسلم کشمیر اُن ممکنہ لاحق خطرات پر بحث ومباحثہ،غوروخوض کررہا تھا جو آئندہ اس کے مستقبل کو تاریک تر کرسکتے ہیں کہ اسی اثنا میں نریندر مودی سرکار نے شرنارتھیوں کے متعلق پارلیمانی کمیٹی کی سفارشات من عن قبول کیں اور حکومت کشمیر سے کہا کہ وہ ایک سال کے اندر ان پر عمل کروائے۔گزشتہ برس یکم ستمبر کو پارلیمنٹ کی 31 رکنی مشترکہ کمیٹی مودی حکومت نے تشکیل دی تھی تاکہ وہ مغربی پاکستان سے آئے ہوئے رفوجیوں (شرنارتھیوں) جو 1947ء سے جموں میں مقیم ہیں،کو درپیش مشکلات کا جائزہ لے اوران مشکلات کے ازالہ کے لیے سفارشات مرتب کرے۔صرف چار مہینے کی کم مدت میں ہی پارلیمانی کمیٹی نے اپنی رپورٹ مرتب کی اور حکومت نے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے سامنے رکھا اور پھر بھارت کے وزیر داخلہ راجناتھ سنگھ نے ان تمام سفارشات کو منظور کیا اور حکومت کشمیر پر زور دیا کہ وہ ان پر فوری طور عمل کرے۔

مشترکہ پارلیمانی کمیٹی (JPC) نے رفوجیوں کے حق میں متعدد مراعات دینے

کی منظوری دیتے ہوئے کہا کہ جموں میں مقیم مغربی پاکستان اور پاکستان زیرِ انتظام کشمیر کے رفوجیوں کی پولیس، فوج اور نیم فوجی دستوں میں خصوصی بھرتی عمل میں لائی جائے۔ ان کے ہر کنبے کو 30 لاکھ روپے نقد امداد دی جائے۔ کشمیری پنڈت مائیگرنٹوں (مہاجرین) کے طرز پر تعلیمی اور تربیتی اداروں میں ان کے بچوں کو داخلہ دیا جائے۔ کمیٹی نے اس پر بس نہ کیا، اس نے ریاست کے آئین کی صریحاً خلاف ورزی کرتے ہوئے رفوجیوں کو ریاست کا مستقل باشندہ ہونے کی سند اور اسمبلی الیکشن میں ووٹ ڈالنے کا حق فراہم کرنے اور ریاستی قانون سازیہ کے دونوں ایوانوں میں ان کے لیے 8 نشستیں مخصوص کرنے کی سفارشات بھی کی ہیں۔ سفارشات میں کہا گیا ہے کہ یہ سارا عمل کسی تاخیر کے بغیر ایک سال کے اندر اندر مکمل کیا جائے۔ مذکورہ کمیٹی نے بھارت سرکار سے یہ بھی کہا کہ وہ حکومت جموں کشمیر پر یہ باور کرائے کہ رفوجیوں کے حق میں یہ مراعات بس ''یک وقتی اقدامات'' (One Time Measure) ہیں۔

آپ ''ویژن ڈاکیومنٹ'' اور مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی سفارشات (recommendations) کو اٹھا کر دیکھیے، دونوں ایک دوسرے پر منطبق ہوتے ہیں۔ دونوں میں ایک ہی دماغ اور ایک ہی دل کام کرتا نظر آرہا ہے۔ دونوں کی نگاہیں ان تدابیر کو ڈھونڈ رہی ہیں جس کے ذریعے ریاست کے مسلم اکثریتی کردار کا خاتمہ ہوسکے تاکہ اسٹیٹ بھارت کی روح کو قرار آئے جو 1947ء سے گوئبلزی جھوٹ کے نئے نئے ایڈیشن جاری کرنے کے باوجود بے قراری کے ہچکولے کھائے جارہی ہے اور کشمیریوں کے ساتھ ٹیبل پر بیٹھنے کی ہمت نہیں کرپاتی۔

کہیں اس غلط فہمی میں نہ رہیے کہ پارلیمانی کمیٹی کی محولہ سفارشات صرف گوروجی (گول والکر) کے پیروکاروں کے تمناؤں کی نقیب ہے، سیکولرازم کے ''رام زادوں'' کے

احساسات کی بھی یہ ترجمانی کرتا ہے۔اس میں جہاں آپ کو پنڈت نہرو کے نسخہ ہائے فریب کی ترکیبیں بھی ملیں گی، وہیں گوروجی کی برہنہ تلوار کی دھار کو مسلم اقلیتوں کی گردنوں سے تیز کرنے کی سفاکیت بھی نظر آئے گی۔اس ''گنگا جمنی تہذیب'' میں سیکولر اور فرقہ پرست دونوں ایک ساتھ اشنان کئے ہوئے آپ کو ملیں گے۔فرق اگر کہیں آپ کو نظر آئے گی تو وہ محض جنبش لب کی ہوگی، ایک ذرا تبسم کے ساتھ اپنے شکار کی طرف خراماں خراماں بڑھ رہا ہے، دوسرا نوکیلئے دانت دکھا کر اور غراتے ہوئے جھپٹ پڑتا ہے۔

یہ کمیٹی پارلیمنٹ کے 31 ارکان پر مشتمل تھی۔اس میں لگ بھگ تمام پارٹیوں کے ارکان شامل تھے۔حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کمیٹی کی سفارشات جس ریاست کے متعلق ہیں اور ان کے نفاذ کے جو دُور رس نتائج ریاست کی انفرادیت پر پڑنے والے ہیں، اس ریاست کے دس ممبران پارلیمنٹ (6 لوک سبھا کے، 4 راجیہ سبھا کے) میں سے ایک بھی ممبر پارلیمنٹ کمیٹی میں شامل نہیں کیا گیا۔مغربی بنگال سے تعلق رکھنے والے کانگریسی ممبر پارلیمنٹ پی بھٹاچاریہ کمیٹی کے سربراہ تھے۔

گریٹر کشمیر نے کمیٹی سربراہ بھٹاچاریہ سے انٹرویو کے دوران ریاست کو نظر انداز کرنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس کے لیے وہ ذمہ دار نہیں ہیں۔ ''سیاسی پارٹیوں نے اس کے لیے نام پیش کئے تھے۔'' انہوں نے یہ بھی کہا کہ ''ہماری کمیٹی نے رپورٹ بھی تیار نہیں کی۔ یہ رپورٹ پہلے قائم پارلیمانی مشترکہ کمیٹی نے مرتب کی۔ہم نے اسے منظور کیا اور پارلیمنٹ کو پیش کی[1]''۔ پارلیمانی کمیٹی کے پہلے سربراہ بی جے پی کے لیڈر دینکیا نیڈو تھے۔یکم ستمبر 2014ء کو اسے بھٹاچاریہ کی قیادت میں از سرِ نو تشکیل دیا گیا۔تین مہینے کے اندر رپورٹ کو حتمی شکل دی گئی اور حکومت کو پیش کی گئی۔

صاف عیاں ہے ''ہندو راشٹر'' اور ''سیکولر'' انڈیا یہاں (کشمیر) آکر ایک

دوسرے سے بغل گیر ہوتے ہیں، چاہے تمام بھارت بھر میں ایک دوسرے سے سیاسی رقابت کی بنا پر وہ گردنیں کاٹنے کے لیے آمنے سامنے کیوں نہ ہوں۔ کشمیر میں آ کر بھارت کی تمام سیاسی جماعتیں ایک ہی گھاٹ پانی پیتے نظر آتی ہیں۔ وہ باقی جگہوں پہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے کیوں نہ ہوں، کشمیر میں ''قومی مفادات'' کا خنجر معصوم اور نہتے کشمیریوں کے لہو سے نشوونما پائے، بس یہی وہ ''نیک مقصد'' ہے جو ان کو متحد کیے ہوئے ہے۔ وہ امپیریلزم کے دیو استبداد کو کشمیر کی گلی کوچوں، قصبوں اور دیہاتوں اور شہروں میں کھلا چھوڑنا چاہتے ہیں۔ بی جے پی کے لیڈر رونکیا نائیڈو نے جو رپورٹ تیار کروائی، ظاہر ہے اس میں ''گھر واپسی'' کا پورا انتظام کیا گیا ہوگا اور کانگریس لیڈر نے اسی رپورٹ کو منظور کروا کر یہ ثابت کیا کہ سیکولر ماسک کے پیچھے جو چہرہ چھپا ہوا ہے اس پر بھی ناگپور کا قشقہ لگا ہوا ہے۔

کشمیر کی ایک الگ آئینی حیثیت ہے۔ یہ واحد ریاست ہے جس کا اپنا الگ آئین ہے۔ سٹیٹ سبجیکٹ ریاستی آئین کا ایک اہم حصہ ہے۔ پارلیمانی کمیٹی کو اختیار ہی حاصل نہیں کہ وہ اس معاملے پر دست درازی یا دراندازی کرے جو اس کے دائرۂ اختیار (Jusrisdiction) میں نہ ہو۔ ریاست کا مستقل باشندہ ہونے کے لیے ضروری شرائط کیا ہیں، ریاستی آئین میں درج ہیں۔ اس سلسلے میں مجاز اور بااختیار ادارہ یہی ہے نہ کہ مرکزی سرکار یا پارلیمنٹ۔

بھارتی آئین کا آرٹیکل 35-A بھی ہماری ریاست کی ڈیموگرافی اور سٹیٹ سبجیکٹ کو تحفظ دیتا ہے۔ یہ اب بھی اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔ اس میں غیر ریاستی باشندوں کو اکوموڈیٹ کرنے کی کوئی شق موجود نہیں۔ سو جب تک آرٹیکل 35-A اپنی اصل حالت میں برقرار رہتا ہے، شرنارتھیوں کو ریاست جموں کشمیر کے شہری حقوق نہیں دیے

جاسکتے۔

بھارت کی سپریم کورٹ نے 1987ء میں مغربی پاکستان کے رفوجیوں کی طرف سے دائر کی گئی اس عرضداشت (Petition) کو خارج کیا جس میں انہوں نے خود کو ریاست کے مستقل باشندوں کے برابر شہری حقوق دلوانے کی گزارش کی تھی۔عدالت عظمیٰ نے کہا کہ وہ ریاست کی مخصوص آئینی پوزیشن کی بنیاد پر ان کو کسی قسم کا ریلیف (Relief) دینے سے قاصر ہے۔پٹیشن خارج کرتے وقت عدالت نے بھارت کے آئین کے دفعہ 35-A کا حوالہ دیا جس میں لکھا گیا ہے:

"No existing law in force in the State of Jammu and Kashmir, and no law hereafter enacted by the Legislature of the State defining the classes of persons who are, or shall be, permanent residents of the State of Jammu and Kashmir, shall be void on the ground that it is inconsistent with or takes away or abridges any rights conferred on the other citizens of India by any provisions of this part."

یعنی ریاست کا مستقل باشندہ کون ہے یا آئندہ کون ہوسکتا ہے،اس طرح لوگوں کی درجہ بندی کرنے کے جو قوانین قانون سازیہ نے بنائے ہیں اور جو اس وقت ریاست میں

نافذ العمل ہیں، ان کو اس بنیاد پر کالعدم قرار نہیں دیا جاسکتا کہ اس قانون کے ذریعے بھارت کے دوسرے شہریوں کو وہ حقوق نہیں ملتے جو یہاں کے پشتنی باشندوں کو حاصل ہیں۔

گویا بھارت کا عدالتِ عالیہ بھی کسی بھی صورت شرنارتھیوں کو ریاست کے پشتنی باشندوں کا درجہ دینے کے حق میں نہیں ہے اور اسطرح کی کسی بھی کوشش کو غیر آئینی اور غیر قانونی سمجھتا ہے۔

حد یہ ہے کہ یونین ہوم منسٹری (وزارتِ داخلہ) نے بھی پارلیمانی کمیٹی کے سامنے اس امر کا اعتراف کیا کہ شرنارتھیوں کو پشتنی باشندے کا اسٹیٹس نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ غیر قانونی مطالبہ ہے۔ JPC کے مطابق:

"Legally speaking, the issue is that these people were not the owners of land in Jammu and Kashmir in 1944. They were not 'sahib-e-jaidad'. So they do not have a right of claiming to be the permanent residents"

(''قانون کے مطابق 1944ء میں ریاست جموں کشمیر کے کسی بھی حصہ میں وہ زمین نہیں رکھتے تھے، یعنی وہ ''صاحب جائداد'' نہ تھے۔ اس لیے انہیں ریاست کے مستقل باشندہ کا دعویٰ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔'')

اتنا ہی نہیں، یونین ہوم منسٹری (MHA) نے JPC کو پھر وہ بات کہی جو انڈین سرکار کہنا نہ چاہتی تھی، یعنی شرنارتھیوں کا مسئلہ ایک ''سیاسی مسئلہ'' ہے۔

"How and when the State Government will grant them the Permanent Resident status is a political question to which we, at this juncture, cannot give a reply to"

(''کب اور کس طرح ریاستی حکومت ان کو مستقل سکونت کا درجہ دیتی ہے یہ ایک سیاسی سوال ہے اور ہم اس موقعہ پر اس کا جواب نہیں دے سکتے۔'')

یعنی اس ''سیاسی سوال'' کو ایڈرس کرنے کے موقعہ کی تلاش میں ہے کہ کب کوئی کٹھ پتلی ریاستی سرکار آگے بڑھے اور دہلی کے عزائم کی تکمیل ہو۔ ابھی عوامی ردِ عمل کا خوف راستے کا پتھر بنا ہوا ہے۔ اس کو ہٹانے کے تدابیر پر اس وقت غور ہورہا ہے اور سازشوں کے جال بچھانے کی تیاریاں ہورہی ہیں۔

ان سازشوں کا بڑا حصہ یہاں کی بھارت نواز سیاسی لیڈرشپ کو اقتدار کا لالچ دے کر شیشہ میں اتارنا ہے اور ان کے اعصاب کو پوری طرح اپنے کنٹرول میں لے کر اکثریتی کردار پر وار کرنا ہے۔ اندازہ کیجئے ایک طرف یونین ہوم منسٹری شرنارتھیوں کے دعویٰ کو غیر قانونی قرار دیتی ہے اور انہیں مستقل باشندہ کے اسٹیٹس کی حق دار نہیں سمجھتی۔ دوسری طرف یونین ہوم سیکریٹری انیل گوسوامی نے JPC کو بتایا کہ وہ حکومت جموں کشمیر کے ساتھ مسلسل رابطے میں ہے اور اس پر دباؤ ڈال رہی ہے کہ وہ ریاست میں مقیم شرنارتھیوں کو مستقل باشندہ کا درجہ دے JPC کے مطابق گوسوامی نے 7 نومبر 2014ء کو حکومت جموں کشمیر کو لکھا :

"I would request you to consider the grievances of West Pakistani refugees also and send a consolidated financial proposal to this Ministry at the earliest. The State Government should also assure that the West Pakistani refugees settled in the State will be given the status of Permanent Residents of Jammu and Kashmir"

(''میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ مغربی پاکستان کے رفیوجیوں کی شکایات پر توجہ کریں اور اس بارے میں ہماری منسٹری کو مربوط فائینانشل پروپوزل جلد بھیج دیں۔ ریاست کی حکومت ہمیں اس امر کی یقین دہانی کرائے کہ مغربی پاکستان کے رفیوجیوں کو جموں کشمیر میں رہنے والے باشندوں کی طرح شہریت کے حقوق ملیں۔'')

صاف ظاہر ہے خود بھارتی حکومت کو اس بات کا علم ہے کہ قانون، آئین اور اخلاق کے اعتبار سے شرنارتھی کسی بھی طور ریاست جموں کشمیر کے پشتنی باشندے کہلانے کے حقدار نہیں اور نہ انہیں یہ مقام دیا جاسکتا ہے۔ اس ٹھوس اور تلخ حقیقت کے باوصف انہیں اگر ''مرکزی سرکار'' ''صاحب جائداد'' (یعنی پشتنی باشندے) بنادیتی ہے، تو نہ صرف یہ ''دھرتی ماں'' کی کوکھ کی توہین ہے، اس لیے کہ جائیداد جائز ورثا کا ہی حق ہے، غیروں میں اس کو تقسیم نہیں کیا جاسکتا، دوسرے، ریاستی سرکار پر دباؤ ڈال کر ''مرکزی سرکار'' اصل میں ریاست

کے مسئلہ تشخص پر ضرب لگا کر سنگھ پریوار کے خوابوں کو ہی عملی جامہ پہنانے کے راستے تلاش کر رہی ہے۔

JPC نے جو سفارشات پیش کیں، انہیں مودی حکومت سے منظوری ملنے کے باوجود کشمیر پر نافذ نہیں کیا جا سکتا جب تک ریاستی سرکار اس کے لیے تیار نہ ہو۔ دفعہ 370 کی بار بار دہلی کے ہاتھوں عصمت دری اور اسے کھوکھلا بنانے کے باوجود بھارتی حکومت یا پارلیمان کشمیر پر براہ راست قانون سازی نہیں کر سکتے۔ بھارت کا کوئی بھی قانون تب ہی یہاں لاگو ہو سکتا ہے جب حکومت کشمیر اس کی منظوری دے اور ریاستی اسمبلی اس کی توثیق (Ratification) کرے۔ چنانچہ بی جے پی کی سفارشات کو تسلیم کرنا ریاستی حکومت کے لیے لازمی نہیں ہے اور پھر اگر ریاستی حکومت دہلی دربار کے دباؤ پر اور اس کی خوشنودی کے لیے ایسا کرنے کے لیے تیار بھی ہو تب بھی اس (ریاستی حکومت) کے لیے لازمی ہے کہ قانون سازیہ کے دونوں ایوان اس کی تائید کریں۔ لیکن یہاں چونکہ پشتنی باشندوں (State Subject) کے متعلق شرائط ریاستی آئین کا حصہ ہیں، اسی لیے شرنارتھیوں سے متعلق سفارشات کو قانون کا جامہ پہنانے کے لیے ضروری ہے کہ ریاست کے آئین میں ترمیم کی جائے اور ریاستی اسمبلی اور ریاستی کونسل کے دونوں ایوان دو تہائی اکثریت کے ساتھ اس کے حق میں ووٹ دیں۔

لیکن جیسا کہ دہلی دربار اور کشمیر میں اس کے پالے ہوئے سیاسی پٹھوں کا رویہ رہا ہے، اس قسم کی آئینی دراندازی اور جارحیت کرنا اس کے لیے کوئی مشکل مسئلہ نہیں رہا ہے۔ اس نے جب چاہا اپنے سیاسی مقامی گماشتوں کو جمہوریت کی ماسک پہنائی اور آئین میں اپنے منشا کے مطابق ترامیم کر ڈالیں، لیکن زمین کے مسئلہ پر کشمیری قوم انتہائی حساس ہے اور شاید یہی خوف درباری جی حضوروں کے ارادوں پر ہر وقت بھاری پڑا ہے، لیکن

شرنارتھیوں کے متعلق سیاسی جماعتوں نے مل کر جس طرح سفارشات منظور کیں اور دہلی سرکار نے جس سرعت اور مستعدی کے ساتھ ان کو منظور کیا اور ریاستی سرکار پر ان کو نافذ کرانے پر جس طرح دباؤ ڈال رہی ہے اس کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اگر اس نازک موقعے پر کشمیری عوام اور مزاحمتی کیمپ نے سوجھ بوجھ سے کام نہ لیا اور پوری دلیری اور عزم وہمت کے ساتھ ان تمام سازشوں کا توڑ نہ کیا، تو حالات ان کے لیے اور آئندہ نسلوں کے لیے خطرناک ثابت ہوں گے۔

Notes and Refrences

1. 'Settlement' of West Pakistan Refugees
- Greater Kashmir, January 29, 2015

اسٹیٹ سبجیکٹ

ڈوگرہ دورِ استبداد میں ڈوگرہ طبقے کے علاوہ پنڈت کمیونٹی بھی شاہی خاندان اور دربار سے قُرب رکھتی تھی۔ دونوں کو تختِ شاہی کا وفادار سمجھا جاتا تھا۔ سرکاری نظم ونسق کو پورے طور یہی سنبھالے ہوئے تھے۔ فوج، پولیس، ریونیو، جوڈیشری اور بیوروکریسی پر یہی چھائے ہوئے تھے۔ یہی دو طبقے زیادہ تر پڑھے لکھے تھے اور نتیجتاً سرکاری ملازمتوں میں یہی غالب تھے، لیکن بیسویں صدی سے شاہی دربار میں پنجاب اور بنگال کے افسران اور ماہرین کو، جو زیادہ تعلیم یافتہ اور پیشہ ورانہ صلاحیتوں کے مالک تھے، زیادہ رسائی حاصل ہوئی۔ ڈوگروں اور پنڈتوں، دونوں کو پنجابیوں اور بنگالیوں کا ملازمتوں اور نتیجتاً زمین وجائیداد کا بطور جاگیر عطا کرنے پر تشویش پیدا ہوئی۔ وہ محسوس کرنے لگے کہ اگر اسی طرح باہر کے لوگوں کو ریاست میں آنے اور یہاں کلیدی سرکاری عہدوں اور ملازمتوں پر چھا جانے پر روک نہ لگائی گئی تو ڈوگروں اور کشمیری پنڈتوں کی دربار میں امتیازی پوزیشن شدید طور متاثر ہوگی، اور وہ کئی قسم کی مراعات سے محروم بھی ہوں گے۔ اس امکانی خطرے کو بھانپ کر انہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کو کشمیر کی انفرادیت کو بچانے کے لیے اقدامات اٹھانے کی استدعا کی۔ ''ریاست، ریاست کے لوگوں کے لیے ہے'' ("State for State's People") کے سلوگن کے پیچھے کسی عوامی حکومت کا قیام پیشِ نظر نہ تھا، مقصد صرف یہ تھا کہ سرکاری ملازمتوں اور جائیداد پر اب تک ان دو طبقوں کی (بالفاظِ صحیح تر، غیر مسلم اقلیت کی) جو اجارہ داری تھی وہ برقرار رہے۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنے وفادار اور چہیتے لوگوں کے خواہشات کا احترام کرتے ہوئے 20/اپریل 1927ء کو ایک نوٹیفکیشن (No.1.L.84) جاری کیا۔ یہی نوٹیفیکیشن اسٹیٹ سبجیکٹ (sate subect) قانون کی وضاحت کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جائے اسٹیٹ سبجیکٹ ایک کشمیری کو ڈیفائن (Define) کرتا ہے اور اسے اپنا منفرد اسٹیٹس عطا کرتا ہے۔ یہ اسے ''انڈین'' سے بالکل الگ پہچان اور جداگانہ حیثیت دیتا ہے۔ شاید یہ وہ واحد قانونی دستاویز ہے جو اب تک استعمار کے ہوسِ جارحیت سے بچی ہوئی ہے، لیکن اب وہ تحفظ کی اس آئینی اور قانونی دیوار کو گرا کر کشمیریوں کو ''کلچرل نیشنلزم'' میں زعم کرنا چاہتا ہے۔

''اسٹیٹ سبجیکٹ''، ہم کس کو کہیں گے، نوٹیفکیشن کہتی ہے ''تمام وہ افراد جو مہاراجہ گلاب سنگھ کی حکومت سے پہلے ریاست میں پیدا ہوئے اور اب ریاست میں رہ رہے ہیں اور وہ تمام افراد جو سموت 1942ء (بمطابق 1885ء) سے قبل یہاں آباد ہوئے ہیں اور اب مستقل طور یہاں رہائش پذیر ہیں۔'' ان کو کلاس اول کا درجہ دیا گیا ہے۔

کلاس دوئم میں وہ لوگ شامل ہیں جو سموت 1968ء (یعنی 1911ء) سے قبل یہاں آباد تھے اور تب سے مستقل رہائش اختیار کیئے ہوئے ہیں۔

کلاس سوئم میں وہ لوگ آتے ہیں جنہوں نے ''رعیت نامہ'' کے تحت کوئی غیر منقولہ جائیداد (Immovable Property) حاصل کی ہے یا ''اجازت نامہ'' کے تحت ایسی کوئی جائیداد حاصل کر سکتے ہیں اور دس سال مستقل رہائش کے بعد ''رعیت نامہ'' حاصل کر سکتے ہیں۔

کلاس چہارم کا تعلق ان کمپنیوں سے ہے جو ریاست میں رجسٹر ہوئی ہیں اور جن سے ریاست کے مالی مفادات وابستہ ہیں یا ریاستی حکومت ان کے مالی استحکام سے دلچسپی رکھتی ہے۔

مذکورہ افراد کو ہی سرکاری ملازمتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ وہی زمین وجائیداد کے مالک ہو سکتے ہیں، یہی حقوق ان افراد کے ورثاء کو پشت در پشت منتقل ہوتے رہیں گے۔

ریاست جموں کشمیر کے آئین کا حصہ سوم (part III) ریاست کے مستقل باشندے یا جسے اب اسٹیٹ سبجیکٹ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، کی تشریح وتوضیح کرتا ہے۔ اس کے مطابق بھارت کا ہر وہ شخص جو بھارت کے آئین کے دفعات کے تحت بھارت کا شہری ہے وہ ریاست جموں کشمیر کا مستقل باشندہ ہوگا۔ بشرطیکہ 14 مئی 1954ء کو (الف) کلاس I یا کلاس II کے تحت "اسٹیٹ سبجیکٹ" (یعنی ریاست کا مستقل باشندہ) تھا، یا (ب) اس نے ریاست میں قانونی طور غیر منقولہ جائیداد حاصل کی ہے اور اس تاریخ سے دس سال قبل وہ ریاست میں سکونت کر رہا ہو۔

وہ تمام افراد جو 14 مئی 1954ء سے قبل کلاس I یا کلاس II کے درجہ اسٹیٹ سبجیکٹ تھے اور جو یکم مارچ 1947ء کے بعد مہاجرت کر کے اس علاقے میں چلے گئے جو اب پاکستان میں شامل ہے، وہ اگر مستقل سکونت کے لیے ریاست میں واپس آجائیں وہ اسی طرح کی واپسی پر ریاست کے مستقل باشندے بن سکتے ہیں۔

آئین جموں کشمیر از خود "اسٹیٹ سبجیکٹ" یا "پرمنٹ ریذیڈنٹ" جیسی اصطلاحیں وضع نہیں کرتا، اس کے لیے آئین ساز اسمبلی نے 20 اپریل 1927ء کی نوٹیفکیشن سے رہنمائی لی، تاہم آئین کا پارٹ III ریاست کے قانون سازیہ کو ریاست کے باشندوں کے متعلق کسی بھی قانون سازی کرنے پر پابندی نہیں لگاتا، لیکن اسٹیٹ سبجیکٹ کے قانون میں کسی قسم کی ترمیم کے لیے آئین نے یہ سخت قید لگائی کہ قانون سازیہ کے دونوں ایوانوں کی دوتہائی اکثریت بل کی منظوری کے لیے لازمی ہے۔

ڈوگرہ سرکار اپنی رعایا کے سیاسی، معاشی، معاشرتی، تمدنی اور سماجی حقوق کے تحفظ کے لیے اتنی حساس واقع ہوئی کہ اسٹیٹ سبجیکٹ قانون کے وقت وہ خواتین جو

ریاست سے باہر کے لوگوں کے ساتھ شادی کریں وہ اسٹیٹ سبجیکٹ اسٹیٹس سے محروم ہوں گی یعنی انہیں جائیداد میں حصہ نہیں ملے گا، نہ کوئی زمین خرید سکتے ہیں اور نہ ہی سرکاری نوکریاں ان کو ملیں گی، نہ اسمبلی کے الیکشن میں ووٹ ڈال سکتی ہیں۔

لیکن ریاست کی انفرادیت کے تئیں حساسیت، یہ نازک مزاجی، یہ بصیرت، جو ڈوگرہ اور پنڈت طبقے نے 1940ء کے عشرے تک دکھائی وہ ڈوگرہ دور کے خاتمے کے ساتھ ہی ختم ہوئی۔ وجہ بالکل عیاں تھی۔ مسلمان اب تعلیمی میدان کی طرف رُخ کرتے جارہے تھے اور ملازمتوں میں آنے کے لیے انہیں پہلی جیسی رکاوٹوں کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا تھا۔ اکثریت میں ہونے کی وجہ سے اب قانون سازیہ کے ایوانوں میں وہ بڑی تعداد میں آرہے تھے۔ انتظامی مشینری میں رفتہ رفتہ مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جارہی تھی۔ اقتدار کے ایوان کی طرف بھی وہ رُخ کرتے جارہے تھے۔ الیکشن صاف ستھرے ہوئے یا نہیں اس پر اس وقت بحث نہیں۔ بہر کیف ''عوامی راج'' کے قیام کے بعد مسلمانوں کی تعلیمی اور اقتصادی پسماندگی دُور کرنے کی راہیں کھل گئیں اور سیاسی اقتدار میں شراکت داری سے بھی ان کو کئی طرح کے فوائد ملے۔ ان میں اعتماد بڑھا اور وہ نئے عزم کے ساتھ اپنے غصب کیے ہوئے حقوق کی بازیابی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حق خودارادیت کے اصول پر کشمیریوں نے کبھی کمپرومائز (Compromise) نہ کیا، شیخ عبداللہ کے تئیں کشمیریوں کی بے انتہا عقیدت ان کے اسی حسنِ ظن اور یقین کا نتیجہ تھی۔ یہ الگ بات ہے ان کے اس پاکیزہ جذبے کا شیخ مرحوم نے استحصال کیا اور ان کی سادہ لوحی پر اقتدار کے محل تعمیر کرکے بھارت کے قبضے کو دوام بخش دیا۔

1947ء کے بعد کشمیر کا جو سیاسی، تہذیبی، تمدنی اور اقتصادی نقشہ سامنے آیا اور جس طرح مسلمان اکثریتی طبقے کے لوگ حکومت، انتظامیہ، پولیس، ریونیو، تعلیم اور

دوسرے شعبوں میں اپنی موجودگی کا احساس دلانے لگے، یہی اصل میں ڈوگرہ راج سے وابستہ مراعات یافتہ (Privilleged) طبقے کے لیے سوہانِ روح بن گیا۔ وہ کشمیر کو ڈوگرہ خاندان کی جاگیر سمجھتے تھے اور خود کو اس جاگیر کے کوتوال اور شکدار مانتے تھے۔ باقی آبادی کے غالب حصہ یعنی مسلمانوں کو باربرداری جانوروں کے برابر سمجھتے تھے۔ لیکن اب ان کی اس امتیازی پوزیشن میں کافی فرق آیا تھا اور حاکمیت کا خمار بھی ان کے ہتھوں سے اترنا شروع ہوا تھا (یہ الگ بات ہے اب ایک اور بڑا ڈوگرہ مہاراجہ انڈین ریاست کا روپ دھارن کر کے اس طبقے کو اپنا منہ بولا بیٹا تسلیم کر رہا تھا اور انہیں اب دلی دربار کی ہر طرح کی پشت پناہی حاصل تھی)۔

اس ساری صورتحال کو نگاہ میں رکھ کر اس سوال کا جواب تلاش کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی کہ آخر جس ریاست کے باشندوں کو 1927ء میں اسٹیٹ سبجیکٹ اسٹیٹس دلانے اور یوں ان کی زمین وجائیداد واملاک کا تحفظ کرنے اور ملازمتوں میں حصہ دلانے اور دیگر شہری حقوق ان کے لیے مخصوص کرنے میں ڈوگرہ اور پنڈت اقلیت نے اس قدر فعال کردار ادا کیا، 1947ء کے بعد ریاست کی اسی انفرادیت کو برقرار رکھنے میں وہ اسی طرح کی دلچسپی کا اظہار کیوں نہ کر سکے؟ حق یہ ہے کہ دلی سے جموں تک پھیلی ان متعدد سازشوں کو ڈوگرہ جموں اپنی حمایت کرتا نظر آرہا ہے جن کا مقصد مسلم اکثریتی ریاست میں آبادی کا تناسب تبدیل کرنا ہے۔ آرایس ایس کے سیاسی بازو کو جموں میں جو زبردست حمایت ملی وہ اسی "کانٹے کو صاف کرنے" کے لیے ہے۔ چنانچہ چوری چھپے بہت سارے غیر ریاستی لوگوں کو اسٹیٹ سبجیکٹ دیا گیا۔ راج ترنگنی سوسائٹی کو ایک وقت ڈوگرہ جموں نے اسی مقصد کے حصول کے لیے پروان چڑھایا۔[1]

اسٹیٹ سبجیکٹ قانون، جو 1927ء میں مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت میں لاگو کیا

گیا اور جسے 1957ء سے نافذ العمل ریاستی آئین میں برقرار رکھا گیا۔ اس پر پہلی ضرب 2002ء میں اس وقت لگی جب ریاستی عدلیہ نے بیرونِ ریاست بیاہی جانے والی خواتین کی شہریت کو برقرار رکھا اور جائیداد خریدنے اور وراثت میں حصہ پانے وغیرہ کا حق دیا۔ اس سے پہلے اس طرح کی شادی کرنے پر وہ اسٹیٹ سبجیکٹ کا اسٹیٹس کھو دیتی تھیں۔ اسٹیٹ سبجیکٹ پر اس طرح کا وار کرنے اور یوں اسے ڈائیلوٹ بنانے میں بھارت نواز مقامی جماعتوں نیشنل کانفرنس اور پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی اور دوسری جماعتوں کا جو گھناؤنا کردار سامنے آیا، اس پر چند باتیں کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

2002ء میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی سربراہی میں این سی برسرِ اقتدار تھی۔ یہ وہی سرکار ہے جو 1996ء میں ''اٹانومی کو بحال کرنے'' کے الیکشن مینی فیسٹو پر ''منتخب'' ہوئی تھی۔ اسمبلی کی دو تہائی اکثریت نے اٹانومی ریزلیوشن کے حق میں ووٹ دیا تو فاروق سرکار کو دہلی دربار نے صاف بتایا ''اقتدار چاہتے ہو تو ریزلیشون کی بات مت کرو''۔ فاروق عبداللہ نے اپنے پیشرو کٹھ پتلی حکمرانوں کی طرح اقتدار کو ترجیح دی۔ اتنا ہی نہیں اپنے بیٹے کو بھاجپہ سرکار کی ملازمت میں بھیجا حالانکہ گجرات کے قتل عام کے گھاو ابھی ذہن پر ثبت تھے۔

اکتوبر 2002ء میں تین ججوں پر مشتمل ریاستی ہائی کورٹ کے ایک فُل بینچ، جس کی سربراہی جسٹس وی کے جھنجی کر رہے تھے، نے کثرت رائے (Majoritry Vote) سے فیصلہ سنایا۔ دو ممبران جسٹس وی کے جھنجی اور جسٹس ٹی ایس دوبیا نے فیصلہ پر اتفاق کیا جب کہ جسٹس مظفر جان نے اس کی مخالفت کی۔ فیصلہ میں کہا گیا:

"…. a daughter of a permanent resident marrying a non-permanent resident will not lose the status of permanent

resident of the state of Jammu and Kashmir...."

(''مستقل سکونت رکھنے والی بیٹی کسی غیر مستقل سکونت رکھنے والے شخص سے شادی کرنے کی صورت میں ریاست جموں کشمیر کے مستقل باشندگی کے اسٹیٹس سے محروم نہیں ہوگی۔'')

اس کے ساتھ ہی عدالت نے مذکورہ عورت کو ان تمام دوسرے حقوق، جو کہ مستقل باشندگی کے اسٹیٹس سے ریاست کے مستقل باشندہ کو ملتے ہیں کا مستحق ٹھہرایا۔

گزشتہ 26 سال سے یہ معاملہ عدالت میں پڑا ہوا تھا، لیکن اب عدالت کے فیصلہ نے اسٹیٹ سبجیکٹ میں شگاف ڈال کر کشمیری عوام میں زبردست بے چینی پیدا کی۔ عوامی ردِعمل کو دیکھتے ہوئے نیشنل کانفرنس کی حکومت نے سپریم کورٹ میں فیصلے کے خلاف درخواست (SLP) دائر کی۔ اسی اثنا میں پی ڈی پی نے این سی کی جگہ کانگریس کے ساتھ حکومت کا کام کاج سنبھالا۔ پی ڈی پی، کانگریس اتحادی سرکار نے، جس کی سربراہی مفتی محمد سعید کر رہے تھے، نے خود ہی سپریم کورٹ سے عرضی واپس لے کر سب کو حیرت زدہ کر دیا اور یوں ریاستی ہائی کورٹ کا فیصلہ برقرار رہا۔ بھلا اس سے زیادہ درباری وفاداری کا اور کیا ثبوت دیا جا سکتا ہے۔ مفتی خانوادہ کو کشمیر کی سیاست میں اسی لیے پلانٹ کیا گیا کہ جہاں تابعداری میں این سی تھوڑی جھجک دکھادے، اس کے متوازی ایک اور گروپ کو گروم (Groom) کیا جائے جو وقت پر دربار کے کام آسکے۔ بھارت سرکار نے اپنے نوآبادیاتی سسٹم کو چلانے کے لیے ہر ایک بھارت نواز لیڈر کو الگ الگ رول دیا ہے۔ مفتی اور اس کی پارٹی پی ڈی پی نے عرضی سپریم کورٹ سے واپس لے کر ثابت کیا کہ جب کشمیری عوام کے مفادات اور اقتدار میں سے ایک کے انتخاب کا معاملہ پیش آئے تو نگاہیں اقتدار کے اصل منبع، دربار کی طرف ہوں گی، اس سے ''عوامی مینڈیٹ'' کی توقیر کا اندازہ لگایا جا سکتا

ہے۔اس سے ''عوام کی سرداری'' کی اصل قدر و قیمت کا پتہ چلتا ہے۔اس سے اس باڑے کا بھی ادراک کیا جاسکتا ہے، جہاں ضمیروں کو خریدا اور بیچا جاسکتا ہے۔

پھر کیا ہوا؟ وہی جو ہمیشہ استحصالی لیڈر کرتے آئے ہیں۔ پی ڈی پی کی قیادت والی سرکار پر جب اس فیصلہ پر ہر طرف سے ملامت کی گئی تو اپنی خفت مٹانے کے لیے اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ ایوانِ اسمبلی میں ایک نیا قانون پاس کرائے گی جس کے نتیجے میں خواتین کی پشتنی باشندگی کے متعلق قانون کی بندشیں پہلے کی طرح برقرار رہیں گی اور یوں ہائی کورٹ کا فیصلہ بے اثر ثابت ہوگا۔ 2004ء میں اس نے ''جموں کشمیر پشتنی باشندگی اسٹیٹس (استرداد) بل''

("Jammu and Kashmir permanent Resident Status (Disqualification) Bill")

ریاستی اسمبلی میں پیش کیا۔ 5 رمارچ 2004ء کو اسمبلی نے بل کو منظور کر دیا، لیکن جب اس کی توثیق کے لیے بل کو ایوان بالا، لیجسلیٹیو کونسل میں پیش کیا گیا تو دلی کے سیاسی آشپازوں نے وہ کرتب دکھایا جس کی نظیر قانون سازیہ کے ایوانوں میں ملنی مشکل ہے۔قانون ساز کونسل کے چیرمین نے حیرت انگیز طور پر بغیر کسی قانونی یا آئینی جواز کے بل پر ووٹنگ کی اجازت نہ دی اور انتہائی عجلت میں سیشن کو ملتوی کر دیا۔اس طرح دلی کے سیاسی مہروں نے آقا کی خوشنودی کے لیے وہی کیا جو ان سے کہا گیا تھا۔ریاست کی خصوصی پوزیشن کو زک پہنچانے کا جو ''کارنامہ'' انہوں نے انجام دیا،اس پر دربار نے اس کو کس قسم کی سیاسی رشوت دی ہوگی سمجھ میں آسکتا ہے۔کونسل کے اس وقت کے چیرمین اس ''کارِ خیر'' کو انجام دینے کے بعد سرکاری خرچہ پر بیرونی ممالک کے دورے پر گئے، انہوں نے اپنی فیملی کو بھی اس ''خوشی'' میں اپنے ساتھ لیا۔کیوں نہیں، آخر جعفر اور صادق کے قبیل کے لوگوں نے قوم کے دفاعی مورچوں کی حفاظت کرنے کا عہد کب نبھایا۔وہ تو

اس میں شگاف ڈالنے کی ہی تیاریوں میں ہی لگے رہتے ہیں۔قریب قریب اسی طرح کا ناٹک ریاستی اسمبلی میں این سی اور پی ڈی پی نے اس وقت کھیلا جب ممبر اسمبلی حلقہ لنگیٹ اور عوامی پارٹی کے سربراہ انجینئر رشید نے محمد افضل گورو کو ملنے والی پھانسی کی سزا کے خلاف ایوان میں ریزولیوشن پیش کیا۔

خواتین غیر ریاستی باشندوں کے ساتھ شادی کرنے پر اسٹیٹ سبجیکٹ سے محروم نہ ہوں گی کا سیدھے لفظوں میں مطلب یہ ہے کہ ایک غیر ریاستی مرد کے اولاد اس اسٹیٹ سبجیکٹ کے حق دار ہوں گے اور یوں زمین وجائیداد، سرکاری نوکریوں، دوسری سرکاری مراعات پر اب حق غیر ریاستی باشندوں کا بھی ہوگا۔یہی نہیں کل ایک کارپوریٹ ہاوس مستقل باشندگی کی سند رکھنے والی عورت سے شادی کرتا ہے اور اس کے بچے ہوتے ہیں تو ان بچوں کے نام پر پورا کارپوریٹ کلچر کشمیر پر مسلط ہوسکتا ہے اور کشمیریوں کی زمینوں پر یوں غیر ریاستی لوگوں کی کالونیاں بننا شروع ہوں گی۔ہری سنگھ ایک مطلق العنان مہاراجہ تھا مگر ریاست کی انفرادیت کو تحفظ دینے کے لیے اس نے ان امکانی خطرات کو بھانپ لیا تھا، لیکن "عوامی سرکار" اور "عوامی نمائندوں" نے کرسی کے خاطر عوامی مفادات کا سودا کیا۔ اسٹیٹ سبجیکٹ پر یہ ضرب اس کا بین ثبوت ہے۔[2]

Notes and Refrences

1. کشمیر عظمیٰ 2، اپریل 2011ء کے شمارے میں لکھتا ہے کہ "ریاستی اسمبلی میں حکومت نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ 46 غیر ریاستی باشندوں کے حق میں مستقل رہائشی سند (سٹیٹ سبجیکٹ) اجراء کی گئی ہے جس کا حکومت نے سنجیدہ نوٹس لیتے ہوئے 29 سرٹیفکیٹوں کی منسوخی کے احکامات صادر کیے جب کہ اس پورے معاملے کی چھان بین ڈویژنل کمشنر سپیشل ٹریبونل اور متعلقہ ڈپٹی کمشنر کر رہے ہیں۔"لیکن جو سینکڑوں کیس نظروں سے اوجھل ہیں اور حکام کی "نوٹس" میں نہیں، ان کا کیا بنے گا۔حکومت باضابطہ طور اس کے لیے ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کرے۔

2 اسٹیٹ سبجیکٹ کو بھارت کی فرقہ پرست قوتیں اپنے مکروہ عزائم کی تکمیل میں ایک سنگِ گراں سمجھتی ہیں اور ہر حالت میں اس کو ختم کر کے کشمیر کی ڈیموگرافی کو بدلنا چاہتی ہیں۔ اس سلسلے میں آر ایس ایس سے قریب ''کشمیر اسٹڈی سنٹر (Kashmir Study Centre) نے آئینِ ہند کی دفعہ 35-A کو بھارت کی عدالتِ عالیہ میں چیلنج کیا ہے اور اسے منسوخ کرنے کی اپیل دائر کی ہے۔ یاد رہے دفعہ 35-A کا اطلاق جموں کشمیر پر صدرِ ہند راجندرا پرشاد کی جانب سے 14 رمئی 1954ء کو ایک صدارتی حکمنامہ کی رُو سے عمل میں لایا گیا اور اس کا مقصد ان اسٹیٹ سبجیکٹ قوانین کو تحفظ بخشنا تھا جو پہلے ہی مہاراجہ کے دور میں وضع کیے گئے تھے اور جنہیں 1927ء اور 1932ء میں نوٹیفائی بھی کیا گیا تھا۔

عدالتِ عظمیٰ میں دائر اس عرضی کو سول سوسائٹی اور مزاحمتی قیادت جموں کشمیر کی خصوصی حیثیت کو ختم کرنے کی ایک سازش سے تعبیر کرتی ہے۔ سینئر قانون دان ظفر احمد شاہ نے اس کے سنگین نتائج سے خبردار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر 1954ء کے صدارتی حکمنامے کو ختم کیا جائے گا تو ''ریاست جموں و کشمیر خصوصی حیثیت، مستقل رہائشی حقوق، حقِ املاک اور روزگار کھو دے گی اور اس صورت سے اقوامِ متحدہ کی قراردادیں بھی متاثر ہوں گی جو کشمیر کی متنازعہ حیثیت ثابت کرتی ہیں'' (گریٹر کشمیر 12 راکتوبر 2015ء) کشمیر سنٹر فار سوشل اینڈ ڈویلپمنٹ سٹڈیز (معروف سول سوسائٹی) نے فرقہ پرستوں کی اس سازش کو ناکام بنانے کے لیے اور 35-A کے تحفظ کے لیے ایک عوامی تحریک شروع کرنے پر زور دیا ہے۔ اس نے اسے کشمیریوں کے لیے موت اور حیات کا مسئلہ قرار دیا ہے۔

بازآبادکاری قانون کا حشر

شرنارتھیوں کو ریاست جموں کشمیر میں بسانے اور انہیں مستقل باشندگی کے حقوق دینے کے حق اور حمایت میں بھارتی حکومت، سیاسی اسٹیبلشمنٹ، میڈیا، دانشور اور سول سوسائٹی ایک آواز کھڑے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کا مطالبہ کرنا، یا اس کے لیے کوئی تحریک چلانے کی دھمکی دینا یا ریاستی حکومت پر دباوَ ڈالنا سراسر غیر آئینی اور غیر قانونی اقدام ہے۔

مغربی پاکستان سے آئے رفوجی (WPRs) تقسیم بھارت کے وقت سے جموں صوبے میں رہائش پذیر ہیں۔ حکومت بھارت اس حقیقت سے پوری طرح واقف تھی اور ہے کہ اسٹیٹ سبجیکٹ قانون، جو 1927ء سے یہاں نافذ العمل ہے، کے تحت یہ لوگ کسی بھی طرح آباد نہیں ہو سکتے، لیکن اس کے باوجود بھی ان کو یہاں محض اس لیے بسایا گیا کہ یہ سب کے سب ہندو ہیں اور مستقل سکونت کا اسٹیٹس دے کر ہندو فرقہ پرست اور سیڈ و سیکولرسٹ قوتیں ان کے ذریعے ریاست میں ہندوؤں کی آبادی کو بڑھا کر سٹیٹ کی ڈیموگرافی کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ بلاشبہ اس اسٹیٹس سے نہ ملنے پر وہ ان حقوق سے محروم ہیں، جو یہاں کے پشتنی باشندوں کو میسر ہیں، لیکن اس کی پوری ذمہ داری بھارت کے حکمرانوں اور ڈوگرہ جموں پر عائد ہوتی ہے۔ 1947ء میں بھی کشمیری کی اپنی الگ حیثیت اور انفرادیت تھی۔ اس وقت بھی مستقل شہریت کا قانون یہاں رائج تھا اور برٹش انڈیا یا دوسری مقامی ریاستوں کا کوئی بھی شخص یہاں مستقل طور آباد نہیں ہو سکتا تھا۔ فسادات کے دنوں اپنی جان بچا کر یہ لوگ جموں پہنچے تو ریاستی سرکار نے عارضی طور پر ان کو یہاں رہنے کی اجازت

دی تو اس کا یہ معنیٰ نہیں ان رفوجیوں کو یہاں دائمی طور آباد رہنے کی اجازت ہو۔لیکن وہ گزشتہ چھ دہائیوں سے یہاں مقیم ہیں اور حکومت ہند نے جان بوجھ کر ان کو بھارت کی دوسری ریاستوں میں نہیں بسایا۔ یہاں ہی بسا کر ان کو وہ تمام حقوق دئے ہیں جو بھارت کے کسی بھی شہری کو دئے گئے ہیں۔لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ جموں کشمیر ریاست کی حدود میں بھارت کے شہریوں کو بھی مستقل باشندگی کا اسٹیٹس نہیں مل سکتا، تو ایسے میں مغربی پاکستان سے آئے پناہ گزینوں کو کس طرح یہ حق دیا جاسکتا ہے۔ بھارت کے ہندو جو پنجاب، راجستھان، گجرات وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں، جب ریاست کے مستقل باشندے نہیں بن سکتے تو سرحد پار پاکستان سے آئے ہندوؤں کو کس طرح یہ اسٹیٹس دیا جاسکتا ہے۔بھارت کے اربابِ اختیار شرنارتھیوں کے تئیں مخلص ہوتے تو انہیں بھارت کی دوسری ریاستوں میں بسایا گیا ہوتا، خصوصاً جب انہیں معلوم تھا ریاست میں شرنارتھیوں کی آبادکاری آئینی لحاظ سے ناممکن ہے۔لیکن گزشتہ قریباً 70 برس سے ان سے ریاست کے شہریت کے حقوق (Citizenship Rights) دلانے کے وعدے کیے گئے تا کہ ایک خاص وقت پر ریاست کے آبادی کے تناسب کو تبدیل کرنے کے گھناونے کام میں ان کو استعمال میں لایا جائے۔لیکن یہ بالکل عیاں ہے کہ کشمیر کے عوام اس قسم کی کسی بھی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ مذموم سیاسی مقاصد کے لیے ان کا استحصال کیا گیا۔ ان کی مشکلات کا ازالہ کرنے کے بجائے انہیں اس نامکمل منصوبے کی تکمیل کے لیے ریاست کی سرزمین سے باندھ کر رکھا گیا جو منصوبہ ڈوگرہ حکمران مہاراجہ ہری سنگھ نے جموں صوبے میں مسلمانوں کی نسلی صفائی کے لیے شروع کیا تھا۔

کشمیری عوام شرنارتھیوں (WPRs) کو مستقل رہائش دینے پر اس لیے مخالف نہیں کہ وہ ہندو ہیں، بلکہ صرف اس لیے کہ وہ ریاست کے پشتنی باشندے نہیں ہیں۔

پاکستان زیرِ انتظام کشمیر (آزاد کشمیر) سے آئے ہوئے ہندو، بودھ، جین، سکھ رفوجیوں کی یہاں کوئی مخالفت نہیں کرتا، کیونکہ وہ اس ریاست کے پشتنی باشندے ہیں۔ وہ ریاست کے دوسرے باشندوں کی طرح تمام حقوق کے مساوی طور حق دار ہیں، لیکن پاکستان یا دوسری جگہوں سے آنے والے لوگوں کو یہ اسٹیٹس نہیں دیا جاسکتا، لہٰذا اس مسئلہ کو فرقہ پرستی کی عینک سے دیکھا نہیں جاسکتا۔ مغربی پاکستان سے آنے والے رفوجیوں کو پرمنٹ ریذیڈنٹ (مستقل باشندگی) اسٹیٹس کا حق اسی طرح نہیں ہے اور نہ دیا جاسکتا ہے جس طرح تبت سے آئے ہوئے ہزاروں مسلم رفوجیوں کو، جو 1965ء سے کشمیر میں رہ رہے ہیں، پرمنٹ ریذیڈنٹ اسٹیٹس کا حق نہیں اور نہ دیا جاسکتا ہے۔ انسانیت کی بنیاد پر ہی گزشتہ کئی دہائیوں سے ڈبلیو پی آرز (WPRs) ریاست میں بود و باش اختیار کئے ہوئے ہیں، ورنہ وہ اس سرزمین کے فرزند ہی کہاں ہیں۔ یہ ریاست اور خصوصاً یہاں کے اکثریتی طبقے کی دریادلی اور وسعت قلبی ہے کہ وہ اس سرزمین کی پانیوں، ہواؤں، سورج اور دوسرے وسائل اور سہولیتوں سے مستفید ہورہے ہیں۔ کوئی بھی صاحبِ ہوش اور صاحب بصیرت ''انسانیت'' کے دائرے اور مہمان نوازی کے دسترخوان کو اس حد تک وسعت دینے کا متحمل نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنی اصل اور شناخت ہی کھو ڈالے اور پھر اپنی ہی میراث سے محروم ہوسکے اور ''کلچرل نیشنلزم'' کا تر نوالہ بن جائے۔

ایک طرف نئی دہلی پورے سنگھ پریوار، سیکولرازم کا نقاب پہنے فرقہ پرستوں، ڈوگرہ جموں اور بنیا کارپوریٹ میڈیا کے ساتھ ریاستی حکومت کو غیر قانونی اور غیر آئینی (اور ساتھ ہی غیر اخلاقی) اقدام اٹھانے پر مجبور کررہی ہے، یا سیاسی مراعات دے کر اپنے مقامی گماشتوں کو اپنے شیشہ میں اتارنے کی کوشش میں مصروف ہے، دوسری طرف ریاست جموں کشمیر کی اسمبلی کی طرف سے بنائے گئے قانون، جو کسی بھی طور بھارت کے آئین سے متصادم نہیں، کو عملانے میں رکاوٹیں ڈال رہی ہے اور بالآخر ایسے قوانین کو سرد خانے کی

نذر کرا کے ہی دم لیتی ہے۔ بھارتی حکومت مسلسل یہ دعویٰ کرتی آئی ہے کہ ''آزاد کشمیر'' ''قانونی اور آئینی طور'' بھارت کا حصہ ہے اس لیے کہ مہاراجہ ہری سنگھ کے وقت یہ علاقہ بھی ریاست کا حصہ تھا۔اس دعویٰ پر اس وقت کلام کرنے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ حقیقت یہ ہے کہ زیرِ انتظام پاکستان (آزاد کشمیر) کا حصہ ہو یا بھارت کے کنٹرول کا یہ حصہ ریاست جموں کشمیر کے حصے ہیں جو اگرچہ تقسیم کی وجہ سے ایک دوسرے سے کٹے ہوئے ہیں، لیکن دونوں علاقوں میں رہنے والے لوگ پرمنٹ ریذیڈنٹ اسٹیٹس کا حق رکھتے ہیں۔ برصغیر کی تقسیم کے بعد بھارت کے آئین سازوں نے تقسیم کے نتیجے میں پیدا شدہ اس انسانی المیے کو بھی زیرِ نظر رکھا جس میں خاندان ایک دوسرے سے بچھڑ گئے اور احباب واقرباء سرحد کے دونوں جانب ایک دوسرے سے کٹ کے رہ گئے۔ بھارت کے آئین کی دفعہ 7 میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ یکم مارچ 1947ء کے بعد جو لوگ بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے ہیں وہ بھارت کے شہری متصور نہیں ہوں گے، تاہم جو لوگ پاکستان سے واپس بھارت آئے ہیں، بشرطیکہ ان کے پاس باز آبادکاری کا پرمٹ(Permit) ہو یا مجاز حکام کی طرف سے مستقل واپسی کی دستاویز ہوں، ان کے بارے میں یہی خیال کیا جائے گا کہ جولائی 1948ء کے بعد وہ بھارت کی سرزمین کی طرف واپس ہجرت کر گئے ہیں (یعنی بھارت کے شہری کی حیثیت سے یہاں رہیں گے)۔

اسی آئین کی دفعہ 7 میں ریاست جموں کشمیر سے پاکستان یا پاکستان زیرِ انتظام کشمیر کی طرف ہجرت کرنے والے لوگوں کے بارے میں یہ صریح وضاحت کی گئی ہے کہ یہ لوگ اگر باز آبادکاری کے اجازت نامہ (Permit) یا مستقل واپسی کے قانون جسے ریاست کی قانون سازیہ نے بنایا ہو، کے تحت واپس آ کر یہاں آباد ہوتے ہیں تو وہ بھارت کے شہری ہی تصور ہوں گے۔ عبارت اس طرح ہے:

"Provided further that nothing in this

article shall apply to a permanent resident of the State of Jammu and Kashmir who, after having so migrated to the territory now included in Pakistan, returns to the territory of that State under a permit for resettlement in that State or permanent return issued by or under the authority of any law made by the Legislature of that State, and every such person shall be deemed to be a citizen of India".

بھارت کے دستور کے ان ہی ضوابط سے مطابقت رکھتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ کی سربراہی والی نیشنل کانفرنس کی حکومت نے 1982ء میں جموں کشمیر کے مہاجرین کی بازآبادکاری کا قانون (J&K Migrants Resettlement Act) ریاست کے دونوں قانون ساز اداروں کی منظوری کے ساتھ بنایا، لیکن دہلی کے سلطانوں نے اس قانون کے ساتھ جو کھلواڑ کیا وہ بھارتی حکمرانوں کے جمہوری دعوؤں کا پول کھولتا ہے اور اس کے استعماری اپروچ پر مہر تصدق ثبت کر دیتا ہے۔ اس بازآبادکاری قانون کے تحت جموں کشمیر کے وہ باشندے جو یکم مارچ 1947ء سے 15 مئی 1954ء تک کے عرصہ میں پاکستان ہجرت کر گئے وہ کشمیر واپس آ کر یہاں پھر سے آباد ہو سکتے ہیں اور اپنی ترک کی ہوئی زمین و جائیداد اور املاک کے مالک ہوں گے۔ فی الحقیقت اس قانون کا مقصد ان خاندانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانا تھا جو تقسیم ہندوستان کے وقت الگ ہوئے تھے۔

خصوصاً اس قانون سے جموں قتل عام کے بچ جانے والے فائدہ اٹھا سکتے تھے جو آگ کے کئی سمندروں کو پار کر لے سرحد کے اس پار پہنچے تھے اور مہاجرت کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ انسانی المیہ کو ایڈرس کر کے یہ ریاست کے پشتنی باشندوں کو اپنے حقوق دلانے اور اپنے وطن واپس آنے کی سمت میں اٹھانے والا ایک منصفانہ اقدام تھا، تا کہ قتل عام سے بچ جانے والوں کے زخموں کا کچھ مداوا ہو سکے۔ اس میں کسی قسم کی کوئی فرقہ واریت نہیں تھی۔ یہ انسانیت کے اعلیٰ اقدار اور قانون و آئین کے تمام اصولوں اور ضابطوں کا آئینہ دار تھا۔ اندازہ کیجئے مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت میں جموں کے مسلم اکثریتی صوبے کو اقلیت میں تبدیل کرنے کے لیے کئی لاکھ مسلمانوں کا سفاکانہ قتل عام کیا گیا اور دس لاکھ سے زائد مسلمانوں کو اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ دی ٹائمز کے خصوصی نامہ نگار فریڈک پال، 10 اگست 1948ء کو "جموں سے مسلمانوں کا خاتمہ" ("Elimination of Muslims from Jammu") کے عنوان سے اخبار میں اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے کہ "جموں، ادھم پور، کٹھوعہ اور ضلع ریاسی کے مشرقی حصہ میں مسلمانوں کی کل آبادی 4 لاکھ 11 ہزار میں سے 2 لاکھ 37 ہزار مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ اس قتل عام میں ڈوگرہ حکومت کے سپاہیوں، جن کی حمایت ہندو اور سکھ کر رہے تھے، نے حصہ لیا"۔ فریڈک پال کہتا ہے "یہ قتل عام اکتوبر 1947ء کو پٹھانوں (قبائل) کے حملہ سے 5 دن قبل اور مہاراجہ ہری سنگھ کے بھارت کے ساتھ الحاق کرنے سے 9 روز قبل کیا گیا۔"[1]

ھارنڈ مون (Horned Moon) کے نام سے شائع اپنی کتاب میں سٹیٹس مین (Statesman) کے ایڈیٹر این سٹیفن کہتے ہیں کہ 1947ء کے خزاں تک جموں میں 2 لاکھ مسلمانوں کا قتل کیا گیا، کئی دوسرے مقتولین کی تعداد کو 5 لاکھ بتاتے ہیں۔

ڈوگرہ مہاراجہ، جس کے ذمہ اپنے معصوم شہریوں (پشتنی باشندوں) کے مال وجان و عزت و آبرو کو تحفظ دینا تھا وہی مسلمانوں کی نسلی صفائی کے سفاکانہ جرم کا ارتکاب کرتا

ہے، کس اخلاق اور قانون کے ضابطے کے تحت ایسے حکمران کے بھارت کے ساتھ کیے گئے الحاق کو جائز مانا جاسکتا ہے؟ اس کو سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا جانا چاہیے تھا اور نیورمبرگ ٹربیونل کے تحت نسل کشی پر اس کے خلاف مقدمہ چلایا جانا چاہیے تھا، ''ڈیموکریٹک'' انڈیا اس قاتل ہندو حکمران کی ہر طرح سے مدد کر رہا تھا اور ہتھیار بھی اسے بھیج رہا تھا۔ مشہور انگریزی مورخ پیٹریک فرنچ (Patrick French) اس بارے میں کہتا ہے کہ ''کئی ہفتوں تک بھارت خفیہ طریقے سے ہتھیار اور گولی بارود ریاست کی مسلح افواج کو بھیجتا تھا''

"For several weeks India had been secretly supplying weapons and ammunition to the state's Armed Forces"[2]

یعنی بھارت اپنے اہداف کے سلسلے میں برابر ڈوگرہ حکمران کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ یوں الحاق دو ایسے حلیفوں، ڈوگرہ حکمران اور بھارت کی سیکولر اسٹیٹ کے درمیان تھا جو کشمیری عوام کے تئیں ایک ہی سوچ اور اپروچ رکھتے تھے۔ ڈوگرہ حکمران اپنے جرائم کے اعتبار سے مجرم نمبر ایک تھا اور اسی مجرم کا حمایتی بھارت تھا جو دنیا کو ڈیموکریسی اور سیکولرازم کے اپدیش دے رہا تھا۔ دونوں حلیف اس قوم کی تقدیر کا فیصلہ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہیں جس کے لیے اس قوم نے ان کو منڈیٹ نہیں دیا تھا۔ اس تناظر میں الحاق اپنا اخلاقی اور قانونی جواز کھو دیتا ہے۔ جیسا کہ فریڈک پال کہتا ہے، جموں کے مسلمانوں کا قتل عام قبائلی حملہ سے 5 دن اور الحاق سے 9 دن قبل انجام دیا گیا تو یہ بھارت اور کشمیر میں اس کے کٹھ پتلی سیاست کاروں اور حکمرانوں کے پروپگینڈے کی قلعی کھول دیتا ہے کہ ''قبائلی حملہ آوروں'' کی گرفت سے ریاست کو بچانے کے لیے ہی بھارتی فوج کو کشمیر بھیج دیا گیا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ میرپور، جہلم، راولاکوٹ، پونچھ وغیرہ کے لوگ اگر اپنے دفاع کے لیے نہ اٹھتے اور

سرحد کے غیور اور بہادر پٹھان ان کی مدد کے لیے نہ آتے تو جموں کا مقتل پورے آزادکشمیر میں سجایا جاتا اور وہاں سے یہ آندھی وادی کشمیر کو بھی اپنی لپیٹ میں لیتی۔ افسوس تاریخی حقائق سے ہم واقف نہیں اور نہ ہی اصل حقائق سے ہم اپنی نئی نسل کو باخبر کر رہے ہیں۔ گوئبلزی جھوٹ اور کذب بیانی کا توڑ کرنے کے لیے ہمیں ہر حال میں سچائی کو تاریخ کے اوراق سے کھنگال کر لوگوں تک پہنچانا ہوگا۔

اصل میں ہم بات کر رہے تھے باز آباد کاری کے قانون کی لیکن اس میں چونکہ ہجرت پر مجبور کئے گئے مہاجرین کی قہر سامانیوں اور مظالم کا ذکر آیا اس لیے تھوڑا بہت ذہن اس طرف بھی مائل ہوگیا۔ ہم پھر اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔ مارچ 1982ء میں ری سیٹلمنٹ (بازآبادکاری) بل ریاستی اسمبلی میں پیش کی گئی۔ اسمبلی نے اس پر بحث کی اور پھر اپریل 1982ء میں اسمبلی نے اسے منظور کیا۔ قانون سازیہ کے دونوں ایوانوں سے پاس ہونے کے بعد گورنر کی منظوری کے لیے اسے گورنر کے پاس بھیج دیا گیا لیکن گورنر بی کے نہرو نے اس کی منظوری نہیں دی۔ گورنر نے قانونی مشورہ کے لیے بل کو بھارت کے اٹارنی جنرل کے پاس ریفر (Reffer) کیا اور قانونی رائے لینے کے بعد بل کو واپس ریاستی اسمبلی کے پاس بھیج دیا تاکہ اسمبلی دوبارہ بل کے مندرجات پر غور کرے اور اس میں جو خامیاں (Deficiencise) ہیں اُن کو دُور کرے۔ اسمبلی نے بل پر دوبارہ غور وخوض کیا اور بل کو دوبارہ 4 اکتوبر 1982ء کو منظور کر کے گورنر کے پاس بھیج دیا۔ بل میں کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ اپنی اصل شکل میں ہی اس کو گورنر کے اپروول (approval) یعنی منظوری کے لیے بھیج دیا گیا۔ ستمبر 1982ء میں شیخ عبداللہ انتقال کر گئے اور ان کی جگہ ان کے فرزند ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو سیاسی جاگیر ملی۔ شیخ مرحوم ڈوگرہ حکمرانوں کے خاندانی راج کے خاتمے کے لیے عوامی تحریک لے کر اٹھے تھے، لیکن مرنے سے پہلے ہی انہوں نے اپنے بیٹے کو خاندانی پادشاہی کی خلعت پہنا کر اپنی مطلق

العنانیت کو جمہوری اقدار پر ترجیح دی۔ فاروق عبداللہ جیسے غیر سنجیدہ اور طفلانہ مزاج کے مالک شخص کی بہ نسبت نیشنل کانفرنس میں دوسرے کئی بڑے لیڈر تھے جن کی پارٹی کے تئیں خدمات عیاں تھیں اور جو سیاسی بالغ نظری اور متوازن سوچ رکھتے تھے، لیکن شیخ مرحوم نے انتقالِ اقتدار کو وراثت سمجھ کر اسے اپنے بیٹوں اور پھر ان کی نسلوں میں منتقل ہونے کی آمرانہ روایت ڈال دی۔ یہ طرزِ سوچ اور عمل این سی میں اینر پارٹی ڈیموکریسی (Inner Party Democracy) کو فروغ دینے میں مانع رہا اور یوں فاروق عبداللہ کے بعد عمر عبداللہ کی صورت میں شیخ خاندان کی تیسری نسل اس پر مسلط ہوئی۔ اسی تسلط سے پارٹی کو کتنا نقصان ہوا، حالیہ انتخابات سے اچھی طرح مترشح ہوا۔

اپنی حکومت کے پہلے ایک ماہ میں فاروق عبداللہ کی حکومت نے 4/اکتوبر 1982ء کو، جیسا کہ پہلے لکھا، بل کو گورنر کے پاس بھیج دیا، اب گورنر کو بل کو منظور کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ 6 اکتوبر کو گورنر نے بل پر دستخط کر دیا اور یوں بل باضابطہ طور ایک قانون (Act) کی شکل اختیار کر گیا۔

یہاں یہ بتانا برمحل ہے کہ جونہی ری سیٹلمنٹ بل کو اسمبلی نے منظور کیا، "سیکولر" بھارت کے تمام سیاسی حلقوں میں اور حکومتی سطح پر اس کی مخالفت شروع ہوئی۔ 30 ستمبر 1982ء کو اس وقت کے بھارت کے صدر گیانی ذیل سنگھ نے اسی تنقید کے پیشِ نظر بل کو سپریم کورٹ کے آئینی بینچ کے سامنے رکھا تا کہ عدالت عالیہ سے اس بارے میں رہنمائی لی جائے اور یوں معاملہ "زیرِ عدالت" (Subjudice) ہے، کہہ کر بھارت سرکار کو معاملہ گول کرنے کا بہانہ مل سکے، لیکن جب تک وہاں سے کوئی حکمنامہ مل جاتا، ریاستی اسمبلی نے بل کو دوبارہ پاس کروایا اور جواب قانون بن چکا تھا، تاہم 11 رنومبر 2001ء کو پینتھرس پارٹی کے لیڈر بھیم سنگھ نے ری سیٹلمنٹ ایکٹ کو چلینج کرتے ہوئے رِٹ پٹیشن سپریم کورٹ میں داخل کی۔ عدالتِ عظمیٰ نے پٹیشن کو منظور کیا اور تب سے اب تک (اور شاید ہمیشہ کے

لیے) یہ پینڈ نگ(Pending) ہے۔

بھارت نے جس طرح باز آباد کاری کے قانون کو مختلف بہانوں کے ذریعے ناکام بنا کر سرد خانے میں ڈال دیا اور دوسری طرف شرنارتھیوں کو پشتنی باشندوں کی صف میں کھڑا کر کے ریاست کے اکثریتی کردار کو زک پہنچانے کے حربے استعمال کر رہا ہے، اس سے اس امر کی تصدیق ہو رہی ہے کہ سیکولرازم کا نقاب اوڑھے اصل میں بھارت، جیسا کہ موہن بھگوت کہتے ہیں، ایک ہندو راشٹر ہے اور چاہے گاندھی ہو یا بیج وار، پٹیل ہو یا نہرو سب مسلمانوں خصوصاً کشمیری مسلمانوں کے تئیں دس بیس کے فرق کے ساتھ یکساں سوچ (تعصب) رکھتے ہیں۔ گاندھی اور نہرو کے سیکولر کردار کے بارے میں اصل حقائق معلوم کرنے ہوں تو بھارت کے ممتاز دانشور اور آئین ہند کے معمار ایمبیڈ کر (جو خود ایک دلت تھے) کے ہندو دھرم چھوڑ کر بدھ مت قبول کرنے میں آپ کو اس کا صحیح جواب ملے گا۔ 1935ء میں بی آر ایمبیڈ کر نے اعلان کیا کہ ''وہ بحیثیت ہندو نہیں مرنا چاہتے ہیں''۔ انہوں نے کہا ''ہندو دھرم میں دلتوں کو صرف غلام بن کر جینے کا رول دیا گیا ہے''۔ انہوں نے دلتوں سے کہا ''اگر تم آزاد رہنا چاہتے ہو تو ہندو دھرم چھوڑ دو''[3]۔ چنانچہ 1956ء میں ناگپور میں چار لاکھ دلت ہندوؤں نے ایمبیڈ کر کی قیادت میں ہندو دھرم کو چھوڑ کر بدھ مت اختیار کیا۔

اس سے بڑھ کر ''ڈیموکریٹک'' اور ''سیکولر'' انڈیا کی منافقت اور دوہرے کردار کی بدترین مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ جو لوگ حقیقی معنوں میں ریاست جموں وکشمیر کے پشتنی باشندے ہیں اور صدیوں سے اپنے آبا و اجداد کی زمینوں پر رہ رہے تھے اور ہندو فرقہ پرستی کی بھینٹ چڑھ کر مہاجرت کی زندگی گزارنے پر مجبور کیے گئے، ان کو واپس آنے اور اپنے چھوڑے ہوئے گھروں کو پھر سے آباد کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی، حالانکہ آئین و قانون، انصاف اور اخلاقی اقدار اور خود بھارتی آئین کی دفعات، سب ان کی واپسی اور باز آباد کاری

کے حق میں ہیں۔ برعکس اس کے جو لوگ ریاست سے تعلق ہی نہیں رکھتے، انہیں آئین اور قانون کو روندتے ہوئے اور تمام مسلمہ اقدار کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ریاست میں بسایا جارہا ہے۔ یہ فرق اور یہ امتیاز صرف اسی لئے روا رکھا جارہا ہے کہ جموں ہالوکاسٹ (Holocaust) سے نکلنے والے مہاجر مسلمان ہیں، جبکہ مغربی پاکستان سے آنے والے مہاجر (شرنارتھی) ہندو ہیں۔ اس سوچ کی جلد کو ذرا کھرچ کر دیکھئے، اس کی تہہ میں مسلم منافرت کے تمام خلئیے آپ کو نظر آئیں گے۔ پنڈت بھی مسلح جدوجہد شروع ہوتے ہوئے کشمیر چھوڑ کر گئے، وادی کے مسلمان ان کی واپسی کے خلاف نہیں ہیں۔ وہ اپنی ہمسائیگی میں انہیں اپنے آباواجداد کی زمینوں اور مکانوں کو آباد کرنے کے متمنی ہیں، اس لیے کہ وہ یہاں کے پشتینی باشندے ہیں۔ چاہے یہ پنڈت (جو ہندو دھرم سے تعلق رکھتے ہیں) بھارت کے شہروں میں اس وقت قیام پذیر ہیں یا یورپ، امریکہ اور دنیا کی دوسری جگہوں میں آباد ہیں۔ وہ جب آئیں، ہماری باہیں کھلی پائیں گے۔ سوال یہ ہے ڈوگرہ جموں اور بھارت کے حکمران اس طرح کا رویہ مسلم مہاجرین کے حق میں کیوں نہیں اپناتے جو واپس اپنے گھروں کو لوٹنا چاہتے ہیں، مگر آ نہیں سکتے وجہ صاف ہے وہ مسلمان ہیں۔ ریاست کا مسلم اکثریتی کردار ان ساری قوتوں کے لیے سوہانِ روح بنا ہوا ہے۔

اس بحث کا ایک اور پہلو ہے۔ ''ویژن ڈاکیومنٹ'' جو بی جے پی نے نومبر 2014ء میں اجراء کیا، اس میں اور باتوں کے علاوہ کسٹوڈین محکمہ کو تحلیل کرنے اور مہاجرین کو چھوڑی ہوئی جائیداد پر قابض غیر ریاستی باشندوں اور دوسرے لوگوں کو اس جائیداد کے مالکانہ حقوق دینے کا عہد کیا گیا ہے۔ اس طرح کا کوئی اقدام صریحاً غیر قانونی ہے اور یہ ''حق واپسی'' (Right of Return) کے مسلّمہ ضابطے کے خلاف بھی ہے جس کے تحت وہ تمام کشمیری جنہیں 48-1947ء میں اپنے گھروں سے جبری طور سرحد پار دھکیل دیا گیا تھا وہ اپنے گھر والوں کو واپس آنے کا حق رکھتے ہیں۔ کسی بھی شخص، کسی بھی

ادارے، تنظیم یا حکومت کو یہ حق نہیں کہ ریاست کے مستقل باشندہ (اسٹیٹ سبجیکٹ) کی جائیداد کو ضبط (Confiscate) کرے یا اسے اپنی زمین وجائیداد سے محروم (Dispossess) کرے، بشمول ان پشتنی باشندوں کے جن کی زمین اس وقت کسٹوڈین محکمہ کے پاس ہے۔ 1927ء سے لاگو اسٹیٹ سبجیکٹ کا قانون ریاست کے لوگوں کے ان حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ بھارت کی پارلیمنٹ کے پاس یہ اختیار نہیں، نہ کوئی قانونی بنیاد (Legal Standing) جس کے تحت وہ مغربی پاکستان سے آئے رفوجیوں کو ریاست میں اسٹیٹ سبجیکٹ کا اسٹیٹس عطا کرسکتی ہے۔ لیکن ستم ظریفی دیکھئے جو مہاجر وطن واپسی کا قانونی استحقاق رکھتے ہیں ان کو اس حق سے محروم کیا جارہا ہے اور غیر آئینی اور غیر اخلاقی طور پر ان کی جائیدادوں پر شرنارتھیوں کو قابض کرکے انہیں ان کے مالکانہ حقوق دلانے کی تدبیریں اختیار کی جارہی ہیں۔

Notes and Refrences

1. Kashmir, the unwritten History - Christopher Sneeden (P.55)
2. Liberty of Death - Patrick French (P.344)
3. 'He would not die a Hindu'...'Hindus has assigned Dalits the role of the slave'....'If you want to be free, you must change your religion' - Scroll.in, Dawn, May 19, 2015

امرناتھ شرائن بورڈ

3888 میٹر (12756 فٹ) کی اونچائی (Altitude) پر کولہائی گلیشئر کی گود میں واقع ایک گپھا ہے جو سال کے بارہ مہینے برف سے ڈھکی رہتی ہے۔ ظاہر ہے گپھا کے اندر درجۂ حرارت نقطۂ انجماد سے نیچے ہی رہتا ہے، اس لیے جب بھی گپھاؤں کے اندر اوپر سے پانی سرکنے لگتا ہے تو وہ یخ بستہ چٹان کی شکل اختیار کرتا ہے جس کو آئس سٹیلیگمائٹ (Ice Stalagmite) کہتے ہیں۔

امرناتھ گپھا میں بھی یخ سے بنی چٹان یعنی آئس سٹیلیگمائٹ ہے۔ یہ گپھا اندر سے 120 فٹ اونچی ہے۔ اس کے اوپر یعنی چھت سے پانی کے قطرے گپھا کے اندر پڑے رہتے ہیں۔ ان قطروں میں چونا شامل ہوتا ہے۔ اس لیے گپھا کے فرش پر گر کر یہ قطرے منجمد ہو کر شفاف چٹان کی صورت اختیار کرتے ہیں جو نیچے سے اوپر کی طرف (Vertically) بڑھتی جاتی ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک یہ بھگوان شیو کا جنسی عضو ''شیو لنگم'' (Phallic Symbol of Shiva) ہے۔ اسی ''انتہائی مقدس'' گپھا کی یاترا کے لیے ہندو بڑی تعداد میں ''شیو لنگم کا درشن'' کرنے کے لیے یہاں ہر سال آتے ہیں۔ ''اگرچہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ شیو لنگم چاند کے گھٹنے بڑھنے کے مدارج سے گھٹتا بڑھتا ہے، لیکن اس کے بارے میں سائنسی شواہد موجود نہیں۔''

"Inside the 40 m (120 ft) high Amarnath cave, the stalagmite is formed due to

freezing of water drops that fall from the roof of the cave on to the floor and grows up vertically from the cave floor. It is considered to be a Shiv Lingam by Hindus. The Cave waxes during May to August, as snow melts in the Himalayas above the cave and the resultant water seeps into the rocks that form the cave and gradually wanes thereafter. As per the religious beliefs, it has been claimed that the lingam grows and shrinks with the phases of the moon reaching its height during the summer festival, although there is no scientific evidence for this belief."[1]

اس گپھا کو پندرویں صدی میں ایک مسلمان چرواہے نے دریافت کیا اور تب سے یہ ہندوؤں کا تیرتھ آستھان بن گیا ہے۔ روایتی طور پر گپھا جانے کے لیے یاتری اسی راستے کو استعمال کرتے آئے ہیں جو پہلگام سے گپھا تک جاتا ہے اور یہ وہی راستہ ہے جو ہندو عقیدے کے مطابق بھگوان شیوا نے گپھا تک پہنچنے کے لیے اختیار کیا اور اسی راستے پر وہ تمام مقامات آتے ہیں جو ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق متبرک ہیں۔ ہندومت کی

روایات کے مطابق شیوا نے پہلگام کے مقام پر بیل کو چھوڑا۔ چندن واری پر پہنچے تو اپنے بالوں سے چاند کو چھوڑا۔ شیش ناگ کے کناروں پر سانپوں کو چھوڑا۔ مہا گناس پر وت (مہا گنیش پہاڑ) کے مقام پر اپنے بیٹے گنیش کو چھوڑ کر آگے بڑھے۔ پنج ترنی کی جگہ پہنچ کر انہوں نے پانچ چیزیں چھوڑ دیں یعنی زمین، ہوا، پانی، آگ اور آسمان۔ ان تمام مادی چیزوں کو ترک کرنے کی ''خوشی'' یا ''علامت'' کے طور پر یہاں تانڈو ناچ رقص کیا اور پھر پاروتی کے ساتھ گپھا کے اندر داخل ہوئے۔

مذکورہ مقامات کا حوالہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ ہندو اگر یاترا کو خالص مذہبی جذبے سے لیتے اور اس کے ساتھ دوسری کسی چیز کی ملاوٹ سے پرہیز کرتے تو پہلگام کا ہی روٹ پوتر گپھا تک جانے کا جائز روٹ ہے۔ اس لیے کہ شیوا سے منسلک مذہبی نقطۂ نظر کے حامل پڑاؤ اسی راستے پر ہیں۔ باقی جو بھی راستے یاترا کے منتظمین اختیار کریں ان کی کوئی مذہبی اہمیت نہیں۔ وہ پوشیدہ عزائم کی تکمیل کے لیے وضع کیے گئے ہیں، یہی اس کے بارے میں سمجھا جا سکتا ہے۔

1990ء کے بعد (جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا) یاترا کے ساتھ سیاسی، عسکری اور تمدنی مقاصد کا حصول جوڑ دیا گیا۔ اسی ذہنیت کی وجہ سے گپھا تک جانے کے لیے دوسرا راستہ اختیار کیا گیا۔ بال تل سے گپھا تک جانے کے لیے یہ چھوٹی مسافت (16 کلومیٹر) کا راستہ ہے، لیکن یہ ڈھلان اور مشکل ترین اونچے پہاڑوں سے گزرنے والا راستہ ہے۔ یہ بال تل سے شروع ہوتا ہے اور دومیل، براری، سنگھم سے گزرتا ہوتا گپھا تک جاتا ہے۔ سارے راستے کو برفانی چادر نے اپنی لپیٹ میں لیا ہے۔ امراوتھی دریا اسی راستے کی ہم نشینی میں بہتا ہے۔ یہ دریا امرناتھ گلیشیر سے نکلتا ہے، لیکن یہ خوبصورت ویلی بھی اب جارحانہ عزائم کے بھاری بھرکم پاؤں تلے دب کر اپنی اکالوجی اور حُسن کو کھونے جا رہی ہے۔ سونہ مرگ کی

خوبصورت وادی پھر بھلا اپنی ''دوشیزگی'' کو کیسے بچا سکتی ہے۔ جارحیت کے ابتدائی پڑاؤ اس کی چھاتی سے ہی گزرتے ہیں۔

جیسا کہ دکشنی اکھاڑہ سرینگر کے مہنت، دیپندر گری نے کہا یاترا شروع کرنے کے لیے موزوں اور ہندو روایات سے مطابقت رکھنے والا دن ''اشد پرنیمان'' ہے اور یہ 22 جولائی کا دن ہے اور اسی تاریخ سے یاترا پہلے پہل شروع ہوئی تھی۔اس کا اختتام ایک ماہ بعد یعنی ''شراون پورنیما'' کے روز، جب رکھشا بندھن کا تیوہار منایا جاتا ہے، ہوتا تھا۔اس ایک ماہ کے علاوہ یاترا کو پھیلایا جائے تو ظاہر ہے اس کے پیچھے مذموم مقاصد کارفرما ہیں۔ دیپندر گری نے یہ بھی کہا کہ انہوں نے یاترا چلانے کے ذمہ داروں (گورنر اور شرائن بورڈ) کو یاترا کے اس مذہبی پہلو کو مدنظر رکھنے کی کئی بار تاکید کی مگر وہ کان دھرنے پر تیار نہ ہوئے۔اس سے ان خدشات کو تقویت ملتی ہے کہ یاترا کے نام پر بعض قوتیں اپنے خفیہ مقاصد کی تکمیل چاہتی ہیں۔ یاد رہے گورنر ایس کے سنہا یاترا کی مدت اور یاتریوں کی تعداد کو بڑھانے کے سب سے بڑے حامی تھے۔زعفرانی سوچ کا یہ گورنر بھارت نواز مقامی کٹھ پتلی حکمرانوں سے بھی اس بارے میں بعض اوقات الجھ پڑتا تھا۔

جب تک یاترا کا انتظام وانصرام مقامی پنڈت کمیونٹی کے مہنتوں اور ذمہ داروں کے ہاتھوں میں رہا، نہ یہاں کے ماحولیات پر تباہ کن اثرات پڑنے شروع ہوئے اور نہ ہی ریاست کے مسلم اکثریتی کردار کے بارے میں مسلم کمیونٹی کو کسی قسم کی پریشانی لاحق ہوئی.لیکن جوں ہی امرناتھ شرائن بورڈ کا قیام عمل میں لایا گیا اور پھر تیزی کے ساتھ بورڈ نے جس قسم کی سرگرمی دکھائی،اس سے حسنِ ظن کے تمام قلعے مسمار ہوئے اور ان کمین گاہوں کا سراغ ملنا شروع ہوا،جہاں سے ہمارا مستقبل اور ہمارا جداگانہ تشخص چھیننے کے منصوبے تیار کیے جا رہے ہیں۔

استعماریت اور سنگھی جنونیت کے جس زرغے میں کشمیریوں کو لانے کی کوششیں کی جاری ہیں، یا اب تک کی گئیں ہیں، بھارت نواز سیاسی تنظیموں نے محض ہوسِ اقتدار کے خاطر ان تمام کوششوں کو عملی جامہ پہنانے میں ایک دوسرے سے سبقت لی۔ شرائن بورڈ کا قیام اور پھر اس کے نام زمین منتقل کرنا اس کا ثبوت ہے۔ کشمیریوں کے قومی مفادات پر ذاتی مفادات کو ترجیح دینا اس قماش کے لیڈروں کے خون کے ذرات میں شامل ہے۔

اگست 1998ء میں مارکسٹ کمیونسٹ پارٹی کے لیڈر اور ممبر اسمبلی محمد یوسف تاریگامی نے اسمبلی میں یاتریوں کے لیے ایک الگ نوڈل ایجنسی کو قائم کرنے کے لیے ایوان میں ایک قرارداد پیش کی تاکہ ایجنسی یاترا کی دیکھ ریکھ کرے اور ضلع اسلام آباد (غیر منقسم) کی ایڈمنسٹریشن اپنی معمول کی ذمہ داری انجام دینے کے لیے آزاد رہے۔ اس غرض کے لیے ٹورسٹ ڈیپارٹمنٹ میں ایک سپیشل سیل قائم کرنے کو کہا گیا۔ تاریگامی کی نیت میں کتنا اخلاق اور کھوٹ تھا، قطع نظر اس کے یہ قرارداد ایک انتظامی کارروائی تھی جس کا مقصد یاترا کی نگہداشت کرنے کے لیے ایک الگ انتظامی شعبہ قائم کرنا تھا۔ کسی طور بھی اس سے یہ تاثر نہیں ملتا کہ حکومت کے کنٹرول سے باہر متوازی ایسا ادارہ عمل میں لایا جائے جو اسٹیٹ سبجیکٹ کے اصولوں سے متصادم ہو اور ریاست کی رٹ کو چلینج کرے اور مسلم مفادات کے لیے نقصان دہ ہو، جیسا کہ بعد میں شرائن بورڈ کے قیام سے ثابت ہوا۔

قرارداد پر اسمبلی میں زبردست بحث ہوئی۔ اس وقت کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے اس موقعہ پر کہا کہ ''یاترا کی بہتر طور انجام آوری کے لیے ایک ٹرسٹ کو تشکیل دیا جائے گا، کیونکہ فی الوقت حکومت کے لیے یاترا کو کنڈکٹ (Conduct) کرنا مشکل ہے''۔ انہوں نے تاریگامی کو قرارداد واپس لینے کی درخواست کی اور تاریگامی نے ایسا ہی کیا۔ اکتوبر 14، 2000ء کو ٹورازم، فلوریکلچر اور سپورٹس کے منسٹر ایس ایس سلاتی نے

اسمبلی کے ایوان میں ایک بل پیش کیا۔ ''جموں کشمیر شری امرناتھ جی شرائن بورڈ بل 2000ء'' کے عنوان سے پیش کیے گئے اس بل میں کہا گیا کہ اس بل کا مقصد امرناتھ یاترا کے بہتر انتظام اور یاتریوں کے لیے عمدہ سہولیات فراہم کرنے کے لیے ایک بورڈ کو تشکیل دینا ہے۔ بل کو نیشنل کانفرنس حکومت نے، جس کی ایوان میں دوتہائی اکثریت تھی، انتہائی عجلت میں منظور کیا۔ حکومت نے بل پر مکمل بحث کرنے کی اجازت نہ دی، بورڈ کی تشکیل سے جڑے ایشوز یوں نظروں سے اوجھل رکھے گئے۔ اسمبلی ریکارڈ کھنگال کر دیکھئے اس وقت اپوزیشن بنچ پر بیٹھی محبوبہ مفتی نے شرائن بورڈ کو وجود میں بخشنے کے اس بل پر ایک لفظ بھی نہ بولا۔ یوں خاموش رہ کر اس کی تائید کی۔ این سی اٹانومی بحال کرنے کے وعدے پر الیکشن لڑ کر اسمبلی میں بھاری اکثریت کے ساتھ آئی تھی، لیکن کشمیری عوام کو ان کے اعتماد کا صلہ شرائن بورڈ کی تشکیل دے کر دیا۔

مفتی محمد سعید کی قیادت والی پی ڈی پی، کانگریس مخلوط سرکار کے دور میں 2004ء میں دو پرائیویٹ ممبروں کی طرف سے شرائن بورڈ کے سیکشن (5ب کلاز (بی) میں ترمیم کرنے کے لیے دو بلیں پیش کی گئیں، لیکن مخلوط سرکار کی مخالفت کی وجہ سے دونوں ناکام ہوئیں۔ ترامیم کا مقصد شرائن بورڈ کے غیر ریاستی باشندوں کو بحیثیت ممبر لینے کی جگہ ریاست کے پشتینی باشندوں (State Subjects) کو شامل کرنا تھا، لیکن مفتی خانوادہ دلی دربار کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا اس لیے وہی کیا جس کا حکم دیا گیا۔ اسی طرح این سی اور پی ڈی پی شرائن بورڈ کے تناظر میں ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔

شرائن بورڈ کو بنے ابھی چند ہی سال گزرے کہ اس کے مذموم مقاصد ایک ایک کر کے سامنے آنے شروع ہوئے۔ 1989ء میں جب یاترا کی نگرانی اور مینیجمنٹ مقامی ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی، یاتریوں کی تعداد صرف باراں ہزار تھی، لیکن صرف پانچ سال بعد

2005ء میں اس تعداد میں چالیس گنا اضافہ ہوا اور یاتریوں کی تعداد چار لاکھ پچاس ہزار تک پہنچ گئی۔[2]

بھارت کے معروف سماجی کارکن اور ممتاز دانشور اور حقوقِ انسانی اور تحریک حق خودارادیت کے زبردست حامی، گوتم نولکھا، شرائن بورڈ اور حکومت بھارت کی طرف سے زیادہ سے زیادہ یاتریوں کو کشمیر میں بھیجنے کے بارے میں کہتے ہیں:

> ''شری امرناتھ شرائن بورڈ (SASB) کے سربراہ گورنر ہیں اور ان کا پرنسپل سیکریٹری اس کا چیف ایگزیکیٹو آفیسر ہیں۔ تو صاف ظاہر ہے حکومت بھارت کے ہاتھ میں ہی یاترا کا انتظام اور کنٹرول ہے اور یہ SASB ہی ہے جو زیادہ سے زیادہ یاتریوں کو کشمیر میں دھکیلتا جا رہا ہے اور یوں حکومت جموں کشمیر کی حق حکمرانی (رٹ) کو چیلنج کرتا ہے اور اس کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرتا ہے۔''[3]

ظاہر ہے جب SASB کی سربراہی گورنر جیسا دہلی دربار کا نامزد ایجنٹ (نمائندہ) کرتا ہو اور گورنر کا پرنسپل سیکریٹری بورڈ کا CEO ہو تو ایس اے ایس بی یاترا کے حوالے سے جو کچھ کشمیر میں کرتا ہے یا کرنے جا رہا ہے وہ اول تو دربار کے ایماء پر کیا جاتا ہے اور دوئم اس سارے گھناؤنے عمل میں دربار کی پشت پناہی اس کو حاصل ہے۔ مقامی کشمیری گماشتوں پر بھی دربار دباؤ ڈال کر انہیں مطلوبہ مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔

یاتریوں کی اس ہوش رُبا تعداد کو کشمیر میں بھیجنے کے پیچھے کیا ماٹو (Motive) کارفرما ہے۔ حکومت ہندوستان کا اپنا پریس انفارمیشن بیورو (PIB) خود اپنی ویب سائٹ پہ مشتہر کیے ایک آرٹیکل سے اس کی وضاحت یوں کرتا ہے:

"The yearning for Moksha (salvation)

can move the devotees to the challenging heights of Kashmir. This will also be a befitting gesture of solidarity with our valiant soldiers who have been fighting the enemy to defend our borders."[4]

(''مکشہ (نجات) کی چاہت عقیدت مندوں کو کشمیر کے بلند و بالا پہاڑوں اور چوٹیوں کی طرف کھینچ کے لے جائے گی۔ یہ (یاترا) ہمارے ویر جوانوں کے تئیں اظہار ایک جہتی کی یک بہترین علامت ہوگی جو دشمن کے خلاف لڑ رہے ہیں تاکہ ہماری سرحدیں محفوظ رہیں۔'')

اس عبارت کو پھر سے پڑھ لیجیے، معلوم ہوگا کہ بھارت خود اپنے نام نہاد جمہوری اور سیکولر دعوؤں کا آپ اپنے ہاتھوں مذاق اڑا رہا ہے اور ساتھ ہی اپنی استعماری سوچ اور فرقہ پرستی کی نقاب اُتارتا ہے۔ وہ ہندو یاتریوں کو آتما کی شانتی کے نام پر امرناتھ گپھا کی یاترا کرنے کو کہتا ہے، مگر اصل میں یاترا کو عسکری مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ یعنی بڑی تعداد میں آؤ تاکہ تمہارے سورماؤں کو بیگانگی کا احساس نہ ہو اور انہیں حوصلہ ملے۔ انہیں احساس ہو جائے کہ ''دشمن'' کے خلاف لڑنے میں بھارت کے عوام یہاں آ کر ان کی ہمت افزائی کر رہے ہیں۔ گویا افسپا کی توپ کے ساتھ ساتھ بھارت کے عوام کا آشیرواد بھی چاہیے۔ بھارتی فوج کو کشمیری عوام اور ان کی تحریک آزادی کو کچلنے کے لیے اور یاتریوں کے ریلے اس کے لیے ضروری ہیں۔

اگر چہ شرائن بورڈ نے جون 2008ء کو اپنے اس شر انگیز اور گستاخانہ منصوبے کا اعلان کیا کہ وہ عارضی ٹیموں (Pre-Fabricated Tents) کی جگہ مستقل ڈھانچے یاترا کے پڑاؤ پر کھڑا کرنے جا رہا ہے اور ساتھ ہی یاترا کی مدت میں توسیع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے ان دونوں مقاصد کے حصول کے خاکے شرائن بورڈ تشکیل دینے کے ساتھ ہی 2001ء میں تیار کیے گئے تھے۔ سرکاری دستاویز (Official Documents) کے مطابق گورنر جی سی سکسینہ کی سربراہی میں 22 فروری 2001ء کو راج بھون جموں میں اس غرض کے لیے ایک میٹنگ کا انعقاد ہوا۔ اس میٹنگ میں وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ اور کئی سینئر افسروں نے شرکت کی۔ یاتریوں کو "اکاموڈیٹ" (Accomodate) کرنے اور ان کے لیے مستقل ڈھانچے تعمیر کرتے پر میٹنگ میں لیے ہوئے فیصلے پر دستاویز کہتی ہے

> "The goal should be to provide accomodation for 6000 pilgrims at each of the designated camps that is Chandanwari, Sheshnag, Panjtarni and baltal. Alpine dormitories should be constructed at the camps and should be permanent structures that do not need to be dismantled after Yatris every year."[6]

("ہمارا ہدف ہر اہم مرکز یا مخصوص کیمپ پر چھ ہزار یاتریوں کے

اکاموڈیشن کا ہونا چاہیے اور یہ مراکز ہیں چندن واری، شیش ناگ، پنچ
ترنی اور بال تل۔ ان کیمپوں پر رہائش کی بڑی عمارتیں اور ہال
بنانے چاہییں اور یہ مستقل نوعیت کے ہونے چاہییں جن کو یاترا
کے اختتام پر ہر سال منہدم نہیں کرنا چاہیے۔")

اس کے بعد کئی اور میٹنگیں ہوئیں جس میں بورڈ منتظمین، سرکاری انتظامیہ اور کچھ این جی اوز (NGOs) نے شرکت کی۔ 8 مئی 2001ء کو پہلگام میں گورنر کی صدارت میں ایک میٹنگ منعقد ہوئی جس میں مستقل ڈھانچے تعمیر کرنے کے منصوبوں کو آخری شکل دی گئی۔ دستاویز کہتی ہے۔

"both the governor and the CM directed the officers to get permanent infrastructure such as the track, toilets, rain/snow shelters and night accomadation for pilgrims to be built at each of the designated camp. Several NGOs were prepared to build these structures on land that would continue to be owned by SASB."[6]

("دونوں گورنر اور وزیر اعلیٰ نے حکام سے کہا کہ وہ یاتریوں کے لیے
ہر مخصوص کیمپ پہ مستقل انفراسٹرکچر تیار کریں مثلاً ٹریک، ٹوئیلیٹ،
بارش یا برف (سے بچنے کے) شیلٹر اور شبانہ اقامت گاہیں۔کئی این جی

اوز سامنے آئے جنہوں نے کہا کہ وہ اس زمین پر جو ہمیشہ کے لیے
شرائن بورڈ کی تحویل میں رہے گی۔ اس قسم کے ڈھانچے بنانے کے
لیے تیار ہیں۔")

مذکورہ میٹنگ کے نتیجے میں 3 جولائی 2001ء کو پہلگام میں این جی اوز کے نمائندوں سے الگ میٹنگ ہوئی جس کی سربراہی ڈائریکٹر تورازم نے کی۔ میٹنگ میں فیصلہ لیا گیا کہ میسرز شیو شکتی سیوا منڈل مستقل ڈھانچوں کی تعمیر کے لیے ایک کروڑ روپے کی مدد فراہم کرے گا۔ یاتریوں کی تعداد اور یاترا کا دورانیہ بڑھانے پر کہا گیا کہ ان دونوں امور پر کلی اختیارات شرائن بورڈ کو حاصل ہوں گے۔

"The SASB in the long run (will) work towards increasing the total number of pilgrims to be allowed per day as well as towards increasing the number of days on which yatra can be performed."[7]

سرکاری دستاویز اس امر کی شاہد ہے کہ شرائن بورڈ کا قیام دراصل ایک بہت بڑی سازش کا حصہ ہے اور دہلی، گورنر ہاؤس، چیف منسٹر اور شرائن بورڈ اس سازش کو عملانے میں ایک ہی پیج (Page) پر ہیں۔ نیشنل کانفرنس بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہتی ہے کہ اس نے شرائن بورڈ بنوایا۔ اس لیے کہ جیسا کہ عمر عبداللہ کہتے ہیں کہ "یاترا کو بہتر طور چلایا جائے" ("To streamline the conduct of Yatra") باقی زمین دینے وغیرہ یہ کام تو پی ڈی پی نے کیا۔ لیکن سرکاری دستاویز فاروق عبداللہ کو کشمیر دشمنی میں مفتی فیملی کے ہمرکاب

پاتی ہے۔ فاروق عبداللہ بحیثیت وزیر اعلیٰ اپنی پوری ایڈمنسٹریشن کے ساتھ ان خاکوں میں رنگ بھر رہے ہیں جو ناگپور اور دلی سے تیار ہو رہے ہیں۔ مستقل ڈھانچے کھڑا کرنے اور امرناتھ نگر بسانے کی تیاریوں میں وہ گورنر کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ اس کی ناک کے سامنے ریاست کے اقتدار اعلیٰ کو چیلنج کیا جارہا ہے اور شرائن بورڈ اس حاکمیت میں خود کو شریک کر کے ریاست کے اندر ایک اور ریاست قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور وزیر اعلیٰ مزاحمت کے بجائے معاونت کر رہے ہیں۔ مستقل ڈھانچے تعمیر کرنے کے لیے گورنر اور فاروق عبداللہ حکام کو ہدایت دے رہے ہیں پھر بھی این سی اور عمر عبداللہ کہتے ہیں زمین دینے پر ہم کبھی تیار نہ تھے۔

سرکاری دستاویز سے دو اور دو چار کی طرح یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ مخصوص کیمپوں پر "الپائن ڈارمیٹاریز" ("Alpline dormitories") کی تعمیر جن میں ہر ایک کیمپ میں چھ ہزار "یاتریوں" کو "اکوموڈیٹ" کرنا ہے اور جو منہدم نہیں ہو سکتے، سرکاری عملداری کو چیلنج کرنے کے ساتھ ساتھ ہندو سیٹلمنٹس (Settlements) کے لیے مطلوبہ انفراسٹرکچر تیار کرنے کے مترادف ہے۔ میٹنگوں میں جو کچھ کہا گیا 2008ء میں اس کا عملی ظہور رہا۔ اس سب کچھ کے باوجود ڈاکٹر فاروق عبداللہ کہتے ہیں کہ شرائن بورڈ قائم کر کے ہم نے "مثبت قدم" اٹھایا اور جو قابل سراہنا[8] قدم تھا۔ کیوں نہیں، عبداللہ خانوادے کی نکیل ہمیشہ سے دلی کے ہاتھوں میں رہی اور یہ لوگ ہمیشہ سے دلی کے وفادار رہے ہیں۔

ڈاکٹر فاروق عبداللہ اور ان کی این سی حکومت کے دوران کشمیری عوام بھارتی فوج اور ٹاسک فورس کے ہاتھوں جس عتاب کے شکار بنا دئے گئے اس کی حدت کو کم کرنے کے وعدے کے ساتھ پی ڈی پی سبز رومال، ہیلنگ ٹچ اور محبوبہ مفتی کے آنسوؤں کی ایک

بڑی سوگات لے کر آئی، عملی زمین پر پی ڈی پی اپنے انتخابی وعدوں سے کتنا انصاف کر پائی اور ہیلنگ ٹچ کس قدر کشمیری عوام کے زخموں کا مداوا کر سکا اور مجبوبہ کے آنسوؤں سے کس قدر زہر ٹپک پڑا، یہ ایک الگ داستان ہے، یہاں ہم شرائن بورڈ کے معاملے پر اس کے کردار پر بات کرتے ہیں۔ پی ڈی پی نے وہیں سے شروع کیا جہاں سرکاری دستاویزات کے آئینے میں فاروق عبداللہ کشمیری عوام کے خلاف ایک ویلن کا کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔

20 مئی 2008ء کو پی ڈی پی، کانگریس مخلوط سرکار کی کابینہ انتہائی دُور رَس اثرات کا حامل ایک فیصلہ اٹھاتی ہے۔ نمبر 9417 کے کابینہ کے فیصلے کے تحت مفتی حکومت سابقہ این سی حکومت کے تشکیل کردہ شرائن بورڈ کے نام 800 کنال جنگلاتی زمین، بال تل کے مقام پر، منتقل کرتی ہے۔ حکومت کا مجرم ضمیر اس فیصلے کی پردہ پوشی کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ حد یہ کہ 26 مئی 2008ء کو جب محکمہ جنگلات کابینہ فیصلے کی روشنی میں زمین کی منتقلی کے لیے ایک حکمنامہ اجراء کرتا ہے، حکومت خاموشی کے ہونٹ سی لیتی ہے۔ پی ڈی پی لیڈران اور کانگریس کے مقامی سیاست کاروں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ جس گناہ بے لذت کا ارتکاب وہ کرنے جارہے ہیں عوامی نظروں کی گرفت میں آنے کے ہی ساتھ ان کے لیے۔ بہت مہنگا ثابت ہوگا اور اپنے آقاؤں کے کہنے پر جو تیشہ وہ ریاست کے اساسی کردار پر چلانا چاہتے ہیں، مسلمانِ ریاست اس کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرنے والے نہیں ہیں، جرم سات پردوں میں چھپانے پر بھی چھپ نہیں سکتا۔ فطرت سے مجبور وہ اپنے مجرمین اور قاتلوں کا سراغ دے ہی دیتا ہے۔ یہی ہوا۔ گورنر سکینہ نے "ویسل بلور" (Whistle Blower) کا رول ادا کرتے ہوئے مئی میں لیے گئے کابینہ فیصلے کو 6 رجون 2008ء کو لیک (Leak) کیا۔

یہ فیصلہ غیر قانونی تھا اور سپریم کورٹ کی رولنگ کے خلاف بھی تھا۔ بھارت کی

عدالتِ عظمیٰ نے کئی سال پہلے اپنے ایک تاریخی فیصلے میں کہا ہے کہ جنگلاتی زمین کو کسی بھی غیر جنگلاتی کام کے استعمال میں لایا نہیں جاسکتا۔ بھارت کے حکمران اس قانون کو جنگلات کے تحفظ کے لیے سنگِ میل کا درجہ دیتے ہیں اور اس کے نفاذ پر سختی کے ساتھ عمل پیرا ہیں، لیکن جوں ہی کشمیر آیا ان کے پیمانے بدل جاتے ہیں۔ کشمیر کے جنگلوں اور ماحولیات کی تباہی ان کے ہاتھوں سے غارت گری اور مکاری کے سامانِ حرب وضرب کا اشتہار ہی نہیں دیتی بلکہ وہ قزاق کا کلیجہ لے کر یہاں کی اکالوجی کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

چوری چھپے اجراء کیے گئے اس کابینہ فیصلے کے ذریعے پہلی بار سرکاری زمین کسی ایسے ادارے کے نام منتقل ہو رہی تھی جس کے منتظمین کشمیر کے پشتنی باشندے نہ تھے۔ یوں اسٹیٹ سبجیکٹ اور آرٹیکل 370 کے قانون کی یہ صریحاً خلاف ورزی تھی، لیکن قانون اور سپریم کورٹ رولنگ کی دھجیاں اڑاتے ہوئے کشمیر کے ''عوامی نمائندوں'' نے کشمیریوں کے مفادات پر ہوسِ اقتدار کو ترجیح دے کر ایسا گھناونا کھیل کھیلا کہ اگر لوگ اور مزاحمتی قیادت اور یہاں کا دانشور طبقہ بیدار نہ ہوتے تو آج امرناتھ نگر ایک حقیقت کا روپ دھارن کر چکا ہوتا۔

پورا کشمیر آتش زیرِ پا بن گیا۔ عوامی مظاہریوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا۔ شرائن بورڈ کو زمین دینے کے مضمرات سے آشنا لوگوں کو ایک اور فلسطین، اپنی تمام تر قہر سامانیوں اور ہولناکیوں کے ساتھ ان کے دروازے پر دستک دیتے نظر آنے لگا۔ ''اب نہیں تو کبھی نہیں'' کے احساس سے لبریز قوم اس غیض وغضب کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی کہ دلی دربار اور اس کے صوبیداروں اور گماشتوں کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ کیبنٹ آرڈر کو واپس لیں۔ ساٹھ سے زائد لوگ بھارتی فورسز اور پولیس کی گولیوں کے شکار بنے اور سینکڑوں زخمی۔ یکم جولائی 2008ء کو ریاستی حکومت نے زمین منتقل کرنے کا فیصلہ منسوخ

کیا۔

جموں میں زمین منسوخ کرنے کے فیصلے کے خلاف اقتصادی ناکہ بندی کرائی گئی۔ ہائے وے (Highway) کو بند کرایا گیا۔ سیب کی ٹرکوں کو اس راستے سے گزرنے نہ دیا گیااور نہ وہاں سے سپلائی جس میں خوراک اشیاء ضروریہ اور دوائیں شامل ہیں یہاں آنے دیا گیا۔ 35 تنظیموں پر مشتمل امرناتھ سنگھرش سمیتی کے جھنڈے تلے جموں متحد ہوا۔ ہندو بلوائیوں نے جموں میں تقریباً 72 مسلمانوں کے گھروں کو جلایا۔ بی جے پی کے صدر کھجوریہ نے اعلان کیا کہ ہم شاہراہ بند کرکے کشمیریوں کو دانے دانے کے لیے محتاج بنائیں گے۔ شیوسینا نے دھمکی دی کہ ''کشمیر سے آنے والی کسی بھی مال بردار گاڑی کو ملک کی کسی بھی ریاست میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گااور اس چیز کو ممکن بنایا جائے گا کہ وادی کے لیے سپلائی ناممکن بن سکے''[9]۔ پنجاب کے انڈسٹریز منسٹر نے جموں کا دورہ کیااور اقتصادی ناکہ بندی کی حمایت کی۔ بی جے پی کے لیڈر ایل کے ایڈوانی نے جموں کے عوام کو ''نیشنلسٹ'' قرار دیتے ہوئے کہا کہ ''یہ لوگ اپنے وقار کی خاطر کرو یامرو پر اتر آئے ہیں''۔ انہوں نے کہا ''ناانصافی برداشت کرنا بزدلی ہے''۔ انہوں نے یہ بھی کہا ''یہ جدوجہد صرف جموں کے عوام کی نہیں بلکہ پورے ملک کے عوام کی جدوجہد ہے''۔ ایڈوانی جی نے یہ بھی کہا ''امرناتھ کا مسئلہ ہماری قومی شناخت کا مسئلہ ہے۔ اس کے لیے بی جے پی ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہے۔''[10]

حکومتِ ہندوستان نے قریباً 3 مہینے جموں کے ''نیشنلسٹوں'' کے ذریعے وادی کا اقتصادی بائیکاٹ کروایا۔ حکومت پنجاب کے ایک منسٹر صاحب اس بائیکاٹ کی حمایت میں جموں آگئے اور پھر ایڈوانی جی نے جموں کی جدوجہد کو ''پورے ملک'' کی جدوجہد قرار دیا اور اسے ''کرو یا مرو'' کے انتہائی مرحلے تک لیجانے کی کوشش کی، یہ سب بھارت کے

جمہوری اور سیکولر دعوؤں کو بے نقاب کرتا ہے۔ ساتھ ہی یہ ان کی اس خواہش کا بھی عکاس ہے کہ وہ کشمیر کو دوسرا فلسطین بنتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اقتصادی ناکہ بندی (Economic Blockade) یو این چارٹر کے مطابق ایک جرم ہے اور ایک قابض ملک پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ اپنے مقبوضہ علاقے کے لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے ساتھ ساتھ ان تک خوراک اور دیگر اشیائے ضروریہ کی رسائی ممکن بناسکے۔ بھارت کشمیر کو اپنا ''اٹوٹ انگ'' سمجھتا ہے، لیکن جو کچھ وہ کشمیری عوام کے ساتھ کرتا ہے وہ اس کے دعوؤں کی قلعی کھول دیتا ہے۔ ایک امپیریلسٹ (Imperialist) طاقت اور ایک جمہوری ملک میں جو فرق ہے، اقتصادی ناکہ بندی کر کے بھارت کے حکمرانوں نے اس فرق کو مٹا کر کشمیری عوام پر زمین کو ترجیح دی۔

ہندو بلوائیوں کی طرف سے سرینگر جموں شاہراہ پر میوہ گاڑیوں کو جلانے اور ڈرائیوروں پر حملہ کرنے اور تیزاب چھڑکنے کے پیہم واقعات سے پریشان کشمیر فروٹ گروس ایسوسی ایشن نے حکومت ہند کو 24 گھنٹے کا الٹی میٹم دیا اور کہا کہ اگر اس دوران شاہراہ کو نہ کھولا گیا اور اسے آمد و رفت کے لیے محفوظ نہ بنایا گیا تو وہ از خود گاڑیوں کو مظفر آباد کی طرف لے کر سرینگر مظفر آباد روڈ کھولیں گے۔ 11 راگست کو ''مظفر آباد چلو'' کی کال پر لاکھوں عوام کا انتہائی پرجوش ریلا بارہ مولہ سے متصل ایل او سی (LoC) کی طرف بڑھا لیکن شیری کے نزدیک ہی بھارتی فورسز نے لوگوں پر راست فائرنگ کی۔ 15 لوگ شہید کئے گئے اور متعدد زخمی ہوئے۔ شہداء میں حریت لیڈر شیخ عبدالعزیز بھی شامل تھے۔ ڈیموکریٹک فریڈم پارٹی کے صدر اور حریت راہنما شبیر احمد شاہ صاحب فائرنگ میں زخمی ہوئے اور سید علی گیلانی صاحب کے پرسنل سیکریٹری پیر سیف اللہ سمیت کئی لوگ بال بال بچ گئے۔

اقتصادی ناکہ بندی کے اس پورے عرصے میں کشمیری عوام نے جس اسلامی

اخوت، بھائی چارہ، جذبۂ خیر سگالی، ایثار، دریادلی اور انفاق فی سبیل اللہ کا مظاہرہ کیا، اسی وجہ سے انہوں نے بائیکاٹ سے پیدا مشکلات اور مصائب کو جھیل لیا۔ گاؤں سے سبزیاں، اناج، چاول، میوہ شہر سرینگر اور دوسرے بڑے قصبوں میں پہنچائی گئیں۔ مخیر لوگ بھی مصیبت کی اس گھڑی میں سامنے آئے۔ مل بیٹھ کر کھائیں اور جئیں اور صورتحال کا سامنا کریں کے احساس سے پوری کشمیری قوم متحد ہوئی۔ اُدھر جموں میں بنیوں کو معلوم ہوا کہ ان کے بائیکاٹ سے خود ان کی بزنس اور تجارت بُری طرح متاثر ہونے لگی ہے اور اہل وادی کے سامنے وہ التجائیں لے کر آئے کہ اب ان کے (بنیوں کے) پاپی پیٹ کو اور زیادہ تکلیف نہ دیں۔

31/اگست 2008ء کو سنگھرش سمیتی نے ایجی ٹیشن کے خاتمے کا اعلان کیا۔ گورنر اور سنگھرش سمیتی کے درمیان ایک ایگریمنٹ ہوا جس میں کہا گیا کہ یاترا (جو موزون وقت پر ہو) چلانے کے لیے شرائن بورڈ کو زمین کے عارضی استعمال کی اجازت ہوگی“۔ ایگریمنٹ کے پیرا A-6 میں کہا گیا

> "(Government) shall set aside for use by Shri Amarnathji Shrine Board exclisively the land in Baltal and Domail, traditionally under use for the annual yatrs purpose."
>
> (حکومت بال تل اور دومیل، جو روائتی طور پر سالانہ یاترا کے لیے استعمال ہوتے ہیں، کی زمین کو شری امرناتھ جی شرائن بورڈ کے کُلی استعمال کے لیے وقف رکھے گی)

کُلی استعمال کے قید میں حکومت کو باندھ کر شرائن بورڈ یاترا کے عرصے میں خود کو

مطلق العنان پوزیشن پر لے آتا ہے جو کسی طور پر جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ حاکمیت، جس شکل میں ہو، حکومت کی ہوتی ہے۔ بال تل اور دومیل کو ''روایتی'' یاترا کے راستے تسلیم کروانے پر حکومت خود کو جھوٹ کے معاہدے اور جرم میں شامل کرواتی ہے اس لیے کہ یہ مقامات کبھی بھی یاترا کے پڑاؤ نہیں رہے ہیں۔ صدیوں سے پہلگام راستہ ہی یاترا کے لیے روایتی راستہ رہا ہے۔ بھارت کی فوج اور نتیش سین گپتا رپورٹ نے بھی بال تل دومیل روٹ کو خطرناک کہا ہے۔

سنگھرش کے کنوینر لیلا کرن شرما نے کہا ''ہم نے فی الحال ایجی ٹیشن کو معطل کیا ہے، ختم نہیں کیا، اس لیے کہ ہمارے کئی اور مطالبات پورے ہونے باقی ہیں''۔ شرما نے 6/اگست 2008ء کو کہا تھا شرائن بورڈ کو زمین واپس کرنے کے بغیر کچھ بھی تسلیم نہیں ہوگا۔

فقید المثال عوامی تحریک جسے ''انتفادہ'' کا نام دیا گیا کی بدولت ہی استعماری اور فرقہ پرست قوتیں اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوسکیں ورنہ یہاں کے بھارت نواز لیڈروں نے کشمیر کو غزہ کے طرز کے جہنم میں دھکیلنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی۔ گزشتہ صفحات میں فاروق عبداللہ کی طرف سے سازشی میٹنگوں میں حصہ لینے اور شرائن بورڈ کے مقاصد کو پورا کرنے کے ان کے رول پر بات ہوئی۔ ایک اور اس طرح کی گھناؤنی حرکت کا ذکر بیجا نہ ہوگا۔ پہلگام کے نزدیک ننہ ون بیس کیمپ قائم کرنے کے لیے فاروق نے شرائن بورڈ کو یقین دلایا کہ وہ بورڈ کو 5 کلومیٹر مربع اراضی مستقل بنیادوں پر منتقل کریں گے جس پر ریاستی حکومت کا کوئی عمل دخل نہ ہوگا۔ لیکن پہلگام ماسٹر پلان میں مذکورہ اراضی پہلے سے ہی شامل ہونے کی وجہ سے اس طرح کی منتقلی ماسٹر پلان سے متصادم تھی۔ اس بنا پر پلان کے باضمیر ذمہ داروں نے اعتراضات اٹھائے اور منتقلی رُک گئی۔ مفتی محمد سعید کی

حکومت کے دوران بھی بورڈ نے زمین ہتھیانے کی کوشش کی، لیکن پہلگام ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے چیف ایگزیکیٹو آفیسر نے ان منصوبوں کی جی جان کر مزاحمت کی۔ اس معاملے پر گورنر ایس کے سنہا نے اس افسر کے ساتھ معاندانہ [11] رویہ اختیار کیا۔ شرائن بورڈ اس اراضی کو اپنی تحویل میں لینے کے بعد ننہ ون کی جگہ ایک علیحدہ شہر بسانا چاہتا تھا۔ مستقل ڈھانچے تعمیر کرنے (جس کی دونوں این سی اور پی ڈی پی نے بورڈ کو اجازت دی تھی) کا مقصد ہی گپھا تک جانے کے دونوں راستوں پر ایسے ڈھانچے تعمیر کرنا تھا جو یاترا کے بعد ہٹائے نہیں جاسکتے۔ ظاہر ہے ان تمام جگہوں پر پھر مندر تعمیر کئے جاتے اور سال کے بارہ مہینے پوجاپاٹ ہوتا رہتا۔ الپائن ڈارمیٹاریز بھی وجود میں آتے۔ سٹور اور دکانیں کھلے رہتے۔ یاتریوں کے نام پر ہندو گروہ در گروہ یہاں آکر رہتے اور یوں درجنوں امرناتھ نگر اس طرح وجود میں آتے۔ اس طرح کے شہروں کو بورڈ از خود بجلی فراہم کرنے کا منصوبہ بنا چکا تھا۔ ایک رپورٹ کے مطابق شرائن بورڈ دریائے سندھ پر ایک ڈیم [12] بنانا چاہتا تھا تاکہ امرناتھ گپھا کو بجلی فراہم کی جائے۔ اس قسم کے انکشافات سے شک کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ بھارت سرکار (گورنر شرائن بورڈ کا سربراہ ہے) شرائن بورڈ کے ان تمام منصوبوں میں شامل تھی اور تمام تر وسائل بورڈ کے عزائم کو پورا کرنے کے لیے صرف کرنے پر تیار تھی۔ ورنہ ڈیم کیا یاترا چلانے والا کوئی بورڈ بنا سکتا تھا۔ شرائن بورڈ بھارت سرکار کے لیے یاترا کے بھیس میں وہی کچھ کرنے جارہا تھا جو برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے تاجِ برطانیہ کے لیے کیا۔ شرائن بورڈ کے سی ای او ڈاکٹر ارون کمار یہاں تک کہہ چکے تھے "ہم جنوری [13] اور فروری میں بھی یاترا کو چلائیں گے۔ رعونت اور غرور ان پر چھا چکا تھا اور بڑے تحکمانہ انداز میں کہہ اٹھے "گورنر قانون سازیہ کے سربراہ ہیں اور ہمیں دیکھنا ہے کیا قانون سازیہ کو یہاں اختیارات ہیں کہ وہ گورنر اور شرائن بورڈ کو تجاویز دے سکتے [14]"۔ حالانکہ سبھوں کو معلوم ہے کہ

گورنر قانون سازیہ(Legislature) کے تمام فیصلوں اور تجاویز پر عمل کرنے کا پابند ہے۔اس سے اس امر کی ایک بار پھر تصدیق ہوتی ہے کہ شرائن بورڈ ریاست کے اندر اپنی الگ ریاست قائم کرنے کے راستے پر چل پڑا تھااور وہ خود کو ریاستی عملداری سے مبرا سمجھ رہا تھا۔

ایک طرف پی ڈی پی کانگریس کی حکومت، جس کے سربراہ غلام نبی آزاد تھے، یہ کہتی رہی کہ زمین بورڈ کو صرف دو ماہ کے لیے دی گئی،لیکن دوسری طرف اسی دعویٰ کی قلعی ارون کمار نے یہ کہہ کر کھول دی کہ ''زمین کا تبادلہ مستقل بنیادوں پر ہے۔کوئی ایسا سرکاری حکمنامہ نہیں جس کے تحت یاترا کے اختتام پر ہمیں زمین محکمہ جنگلات کو واپس کرنا ہے[15]''۔شرائن بورڈ کے قیام کے بعد سے مستقل ڈھانچے بنانے کے لیے مختلف حکومتوں (ریاستی) کا جو رویہ بورڈ کے ساتھ رہا ہے اس کو مدّنظر رکھتے ہوئے کمار کا بیان ہی حقائق سے قریب تر دکھائی دیتا ہے۔لیکن یہ طے ہے کہ چاہے کچھ بھی ہو،کشمیر کے لوگ ایک انچ زمین بھی غیر ریاستی باشندوں یا اداروں کو دینے پر راضی نہیں ہو سکتے۔

Notes and Refrences

1. Amarnath Cave - Wikipedia

2,3,4. 'Utrakhand can restrict pilgrims, JK can't.' Greater Kashmir, 7 May 2008

5,6,7,8 Daily Etalat, June 19,2008

9. Daily Kashmir Uzma, August 10, 2008

10. 'رام لیلیٰ میدان میں ایڈوانی کا خطاب' - کشمیر عظمیٰ 10راگست 2008ء

11. Daily Etalat, June 20, 2008

12, 'Report of SASB planning to construct dams across river Indus to generate electricity for shrine?' - Amarnath Cave, Wikipedia

13,14,15. Greater Kashmir, June 18, 2008

یاترا کے تباہ کُن اثرات

پندرہ ہزار سروں اور تیس ہزار پاؤں کے ساتھ خوفناک سونامی (Tsunomy) ہر روز کسی گلیشر سے ٹکرائے اور یہ یُد برابر دو مہینے چلتا رہے تو باقی دس مہینوں کے لیے تباہی اور بربادی کیا کچھ اور کس قسم کی ہوگی اس کا اندازہ ہر کوئی لگا سکتا ہے۔ پھر جب ہر سال یہ سونامی شرارت اور عناد کی نئی قسطوں کے ساتھ اس طرح ماحولیات کو تباہ کرتی رہے تو علاقے کے لوگوں کے لیے پریشان ہونا اور بچاؤ کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا اور تدبیریں ڈھونڈنا فطری ہے۔ ذرا اس رپورٹ پر نظر ڈالیں جو 28رجون 2013ء کو روزنامہ کشمیر عظمیٰ میں شائع ہوئی۔

''اس سال یاترا کے لیے جو ضوابط طے کئے گئے ہیں ان کے مطابق روزانہ 15رہزار یاتریوں کو گپھا کی طرف جانے کی اجازت دی جائے گی۔ ان کی نصف تعداد پہلگام اور بال تل کے راستے یاترا پر روزانہ ہوا کرے گی۔ امرناتھ شرائن بورڈ کے مطابق پہلے دن مجموعی طور پر 12717 یاتریوں نے رجسٹریشن کرائی ہے جس میں سے 6567 یاتریوں نے بال تل، جبکہ 6150 نے پہلگام روٹ کو ترجیح دی ہے۔ اس کے علاوہ ہیلی کاپٹروں کے ذریعے روزانہ ایک ہزار سے 1400 یاتریوں کو گپھا پہنچایا جائے گا۔ درایں اثنا رجسٹر شدہ یاتریوں کا قافلہ وادی وارد ہونے سے پہلے ہی غیر رجسٹر شدہ یاتریوں

کی بھاری تعداد سونہ مرگ اور بال تل پہنچنے میں کامیاب ہوگئی ہے۔ یہ
یاتری اپنے آپ کو سیلانی قرار دیکر سونہ مرگ پہنچ رہے ہیں اور وہاں
سے بال تل بیس کیمپ کا رُخ اختیار کر رہے ہیں۔"

1989ء یعنی عسکری تحریک سے قبل کے سال جہاں پوری یاترا کے دوران 12 ہزار یاتری گپھا کے درشن کے لیے گئے، 2013ء کے صرف ایک دن میں یہ تعداد قریباً 13 ہزار تک پہنچ گئی۔ اس حساب سے دو مہینوں میں لگ بھگ 8 لاکھ یاتریوں کی یہ رجسٹر شدہ تعداد بنتی ہے۔ کتنے ہزار یا کتنے لاکھ سیلانی اور ہوں گے جو شرائن بورڈ سے اپنے ناموں کا اندراج کیے بغیر گپھا تک پہنچتے ہوں گے معلوم نہیں اور بورڈ اس بارے میں بالکل خاموش ہے۔

بجائے اس کے کہ ہم خود اس پر بات کریں کہ جب تیرہ لاکھ زندہ انسانوں کا چلتا پھرتا لشکر امرناتھ گپھا کی طرف چل پڑے تو علاقے کی نازک اکالوجی (Ecology) پر اس کے کیا تباہ کُن اثرات نکلتے ہیں، کسی ماہر گلیشر (Glaciologist) سے اس بارے میں صحیح جانکاری حاصل کریں۔ پروفیسر سید اقبال حسنین 2008ء "گلیشر اینڈ کلائیمیٹ چینج کمیشن، گورنمنٹ آف سکیم" (Glacial and Climate Change Commission, Govt of Sikkim) کے سربراہ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ "امرناتھ یاترا کے سلسلے میں جس قسم کا عمل دخل (Human Activity) بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے اس سے کولہائی اور تھجواس (بال تل) گلیشروں پر خطرناک اثرات پڑ سکتے ہیں۔ گلیشروں کے اندر اور باہر اس مداخلت سے بڑے اور بھیانک اندر میں ذخیرہ پانی (گلیشروں میں) کا اخراج ہوگا جس سے نشیبی علاقوں کی تمام بستیاں غرقِ آب ہوں گیں، بلکہ پورا "ایکو سسٹم" (Eco-System) بھی متاثر ہوگا۔ پچاس لاکھ کشمیری اس غیر ضروری عمل سے مصائب اور مشکلات کا شکار ہوں گے۔ لدر اور سندھ دریا جو ان گلیشروں

سے نکلتے ہیں وہ سکڑ جائیں گے جس سے پانچ لاکھ لوگوں کی زندگی اور روزگار متاثر ہوگا۔"[1]

حسنین نے اس پر بھی تشویش ظاہر کی کہ یاتریوں کے بھاری رش کی وجہ سے گلیشروں، خصوصاً کولہائی کے "گلیشر ماس بیلنس" (Glacier mass balance) بری طرح سے متاثر ہوئے ہیں۔ 1990ء سے لدر ویلی کا گلیشر ایریا 40 فیصد سے زائد سکڑ گیا ہے اور جس کے نتیجے میں لدر دریا میں (پانی کا) اخراج (Discharge) بڑھتا جاتا ہے"۔ ان کے الفاظ میں

> "The recent rise in the pilgrim rush has made a very negative impact on the glaciers mass balance, particularly on Kolahoi. Since early 1990's, the glacierised area in lidder valley has shrunk more than 40 percent and as a consequence discharge in lidder river is increasing."[2]

ماحولیات کو بچانے اور کشمیریوں کو آئندہ آنے والی یقینی تباہیوں سے نجات دلانے کے لیے حسنین نے یاترا کے دورانیہ اور یاتریوں کی تعداد کو منضبط کرنے کے کاموں کو ترجیحی بنیادوں پر لینے پر زور دیا۔

> (He suggested) "immediate regulation of the time period and the number of pligrims to the cave for saving the fragile eco-system of Kashmir and

avoiding a major disaster."

سال 2014ء ستمبر کے مہینے میں جو قیامت خیز سیلاب آیا اور صرف پندرہ بیس گھنٹوں کی بارشوں میں دریائے جہلم جنوب سے دیہاتوں، قصبوں اور پھر شہر سرینگر کو غرق کرتا ہوا آگے بڑھا، اس کی ایک بہت بڑی وجہ میری نظر میں یہ غیر منضبط یاترا بھی ہے۔ جون اور جولائی کے انتہائی گرمی کے مہینوں میں چندن واڑی سے صبح سویرے ہر روز آٹھ ہزار یاتری پیدل، پالکیوں میں یا گھوڑوں پر گپھا تک پہنچنے کے لیے 30 کلو میٹر روٹ پہ چل پڑتے ہیں۔ اس روٹ پر دریائے لدر، جو دریائے جہلم سے مل کر اسے عظمت، جلال اور جبروت بخشتا ہے، کے کناروں پر یاتریوں کے لیے جو عارضی پاخانے ہزاروں کی تعداد میں بنائے گئے ہیں ان سے اذیت ناک عفونت نکلتی رہتی ہے۔ یہ سارا فضلہ اس دریائے لدر میں جا گرتا ہے۔ ظاہر ہے لدر اور جہلم کا پانی اس کثافت سے پینے کے قابل نہیں رہے گا۔ ان ہی پاخانوں (Latrines) کو ڈیوٹی پر معمور بھارتی فورسز اہلکار بھی استعمال کرتے ہیں۔ چندن واڑی، جو یاتریوں کا پہلا پڑاؤ ہے کے علاوہ یاتریوں کے ٹھہرنے کے لیے اور بھی نو جگہیں ہیں جو سب کی سب اکالوجی کے اعتبار سے نازک اور حساس ہیں اور یہ سب منجمد دروں اور گلیشر سے نکلے دریاؤں اور جھیلوں میں واقع ہیں۔ چندن واڑی سے چھ کلو میٹر دور پسّو ٹاپ آتا ہے، اس کے بعد زجی پال اور تیسرا مقام شیش ناگ ہے جو یاتریوں کے قیام اور آرام کے لیے اہم مقام ہے۔ 73 کلو میٹر دریائے لدر کے لیے شیش ناگ ایک بڑا حیات آفرین سرچشمہ ہے۔ یہاں یاتری رات کو رکتے ہیں اور دوسری صبح گپھا کی طرف بڑھتے ہیں۔ جیسے کہ ہزاروں انسانوں، گھوڑوں، خچروں اور ہیلی کاپٹر پروازوں (جو دن میں 1400 یاتریوں کو گپھا تک لے آتے ہیں) کی طرف سے اخراج شدہ حرارت، شور اور دھواں گرد و پیش کے ماحول کی تباہی کے لیے کچھ کم تھا، شیش ناگ پر پوری رات جنریٹر گرجتے رہتے ہیں اور تباہ کن دھواں چھوڑتے ہیں۔ اسی طرح ہزاروں

گیس چولہے (Gas Ovens) جلتے رہتے ہیں جس رفتار سے یاتریوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے، اسی رفتار سے گلیشروں سے برف کو ہٹا کر مزید لیٹرن اور خیمے کھڑے کئے جاتے ہیں۔ شیش ناگ کے بعد یاتری دھیل، ایم جی ٹاپ اور گوش پتری کے اگلے پڑاؤں کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ ایم جی ٹاپ پر گلیشئر گزشتہ تین سال سے 20 فٹ سکڑ گیا ہے اور یہ یاترا سے منسلک علاقے کے لوگ اپنے مشاہدے کی بنا پر کہتے ہیں۔ گوش پتری پر یاتری آرام کرتے ہیں۔ وہاں سے پھر وہ کیلہ ناگ، پنج ترنی اور پھر گپھا پہنچتے ہیں۔ اس سفر کے دوران راستے کے دونوں اطراف پالی تھین، پلاسٹک بوتل اور گندگی اور انسانی فضلہ کے ڈھیر دیکھے جاسکتے ہیں۔ شرائن بورڈ نے یاترا روٹ کی کئی جگہوں پر گڑھے (Pits) کھودے ہیں جس کی قانون اجازت نہیں دیتا۔ سطح سمندر سے 2 ہزار فٹ کی بلندی سے کم نیچے آنے والے مقامات پر ہی قانون اس قسم کے ڈمپنگ پٹس (Dumping Pits) کی اجازت دیتا ہے جب کہ یاترا روٹ تیرہ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اس لحاظ سے شرائن بورڈ جس بے ہنگم طریقے کے ساتھ یاترا کو چلاتا ہے وہ علاقے کی اکالوجی اور پورے کشمیر کے ماحولیات کے لیے نقصان دہ ہے۔ گپھا سے واپسی پر بھی یاتریوں کا یہ بے ہنگم ہجوم ماحولیاتی تباہی کی یہی داستان رقم کرتا ہے۔ بال تل کا روٹ بھی اسی تباہی کی زیروکس کاپی ہے۔

نئی دہلی میں مقیم "انرجی اینڈ ریسورسز انسٹی چیوٹ ("Energy and Resources Institute") کے مطابق کولہائی گلیشر گزشتہ چار عشروں میں اپنے حجم کا 15 سے 18 فیصد حصہ کھو چکا ہے اور ہر سال تقریباً (دس فٹ (3 میٹر) اوسط سے یہ سکڑتا جارہا ہے۔

"Research conducted by the New Delhi-based energy and Resources

Institute (TERI), say that the glacier (Kolahoi) has lost between 13 to 18 percent of its total volume in the past four decades, and is retreating by almost 10 feet (three meters) a year."[3]

کشمیر میں گلیشر کے سکڑنے (Glacier recession) کے ایک جائزے میں منیر احمد جو اوپل حیدرآباد کے نیشنل جغرافیکل انسٹی ٹیوٹ کے ماہر ماحولیات ہیں نے کہا کہ گزشتہ دھائی میں کولہائی گلیشر 19.32 مربع کلومیٹر سے گھٹ کر 2001ء میں 17.23 مربع کلومیٹر رہ گیا ہے۔ گھٹنے کی یہ رفتار 2007ء میں 21.88 میٹر تھی۔

"The spatial extent of the glacier has changed from 19.34 square kilometers to 17.23 square kilometers in 2001 in the past decades. The rate of retreat in 2007 was 21.88 meters in the main snout."[4]

منیر احمد نے اپنی سٹڈی (Study) میں یہ بھی کہا کہ ہر روز جو تین سو ملٹری کانوائے وادی کی سڑکوں پر دوڑتی رہتی ہیں وہ بڑی مقدار میں گرین ھاوس گیس چھوڑتی ہیں جو کشمیر کے ماحولیات کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ انہوں نے یاترا کو کشمیر کے نازک ماحولیات کے لیے تباہ کن قرار دیا۔

"...more than 300 military convays producing high level green house

gases move across the valley every day. The gases emitted by these vehicles disturb the atmosphere of the valley. The annual Amarnath Yatra is proving disastrous to the fragile envoronment of the area."[5]

1992ء میں ریو (Rio) میں ماحولیات پر اقوام متحدہ کی طرف سے ایک عالمی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا اس میں ماہرین نے اس امر کو تسلیم کیا کہ گلیشیروں کے سائز میں تبدیلی موسمی تبدیلی (Climatic Change) کی ایک اہم علامت (Indicator) ہے، لیکن یہاں ان تمام چیزوں کو نئی دہلی نظر انداز کر کے شرائن بورڈ کو اپنی من مانیاں جاری رکھنے کا حوصلہ دے رہی ہے۔ جس سے کشمیر بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔ کولہائی گلیشر کے تیزی سے سکڑنے سے کشمیر کے ماحولیات پر کیا تباہ کاریاں ہو رہی ہیں، اس کو ہم اپنی آنکھوں سے گزشتہ سیلاب کی صورت میں بھی دیکھ چکے ہیں۔

پروفیسر سید اقبال حسنین چند سال پہلے ماہرین کی ایک ٹیم لے کر کولہائی گلیشر جو تیزی کے ساتھ سکڑتا جا رہا ہے، کا سائنٹیفک مشاہدہ کرنے کے لیے گئے۔ ''سیکورٹی وجوہات'' کی بنا پر گزشتہ بیس برسوں میں وہ پہلے ماہر گلیشر تھے جنہوں نے گلیشر کا دورہ کیا۔ وہ کہتے ہیں ''گزشتہ بیس سالوں میں گلیشر کو جتنا نقصان ہوا ہے وہ پچاس سے سو سالوں میں ہوئے نقصان سے بہت زیادہ ہے''[6]

کشمیر یونیورسٹی میں شعبہ ارتھ سائنس (Earth Science) کے سربراہ شکیل رومشو گلیشر میں ہو رہی تبدیلیوں اور تاخیر سے ہو رہی برف باری اور حالیہ سیلاب کے درمیان ایک تعلق دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علاقہ کے ماحولیات میں بڑی تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔

انہوں نے بادل پھٹنے (Cloud Burst) کی تھیوری [7] کو سختی کے ساتھ مسترد کیا جو حالیہ سیلاب کے بارے میں بعض لوگوں کی طرف سے پیش کی جا رہی تھی۔

ایکشن ایڈ (Action Aid) نے ماحولیاتی تبدیلی اور اس کے کشمیر پر اثرات پر ایک اسٹیڈی کی جس میں بتایا گیا کہ کشمیر کے گلیشروں کے سکڑنے (recession) کی اس کو پریشان کن شواہد ملے ہیں۔ رپورٹ میں ایکشن ایڈ نے کہا کہ درجہ حرارت میں اضافے کی وجہ سے گلیشئر معمول کے برعکس پہلے ہی پگھلتے ہیں جس سے سرما اور بہار کے موسموں میں سیلاب آتا ہے، جبکہ تیزی کے ساتھ گلیشروں کے اس پگھلنے سے گرما کے موسموں میں ندی نالوں میں پانی کی مقدار کم رہتی ہے۔ اس اسٹیڈی میں گلیشروں کے پگھلنے کی وجہ درجہ حرارت میں اضافہ کو بتاتے ہوئے کہا گیا کہ تین سو بھاری بھرکم ملٹری ٹرکوں اور بکتر بند گاڑیوں پر مشتمل ملٹری کانوائے ہر روز رواں دواں رہتی ہے، اس میں اونچے پہاڑی علاقے بھی شامل ہیں جو برف کی چادر سے ڈھکے رہتے ہیں۔ ان گاڑیوں سے گرین ہاوس گیسوں کا اخراج ہوتا ہے جو علاقے کی نازک اکالوجی [8] کو متاثر کرتے ہیں۔ ایکشن ایڈ نے کہا جہاں سیولین گاڑیوں کو باقاعدہ طور آلودگی (Pollution) کی جانچ کرائی جاتی ہے، ملٹری گاڑیوں کے لیے اس قسم کی بندشیں نہیں ہیں۔ [9]

کشمیر کے معروف جرنلسٹ اور ڈیساسٹر مینجمنٹ (Disaster Management) کے ماہر ارجمند حسین طالب اقوام متحدہ کے ماحولیاتی پروگرام (UNEP) کی طرف سے کی گئی ایک اسٹیڈی کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمالیائی گلیشروں اور دوسرے پہاڑی سلسلوں میں جو جھیل آج بن رہے ہیں اس کے دو وجوہ ہیں، ایک گلوبل وارمنگ (Global Warming) اور دوسرے مقامی سطح پر وہ کارروائیاں جو درجہ حرارت میں اضافے کی باعث بنتی ہیں ("Thermal Stimulation Activities") جیسے ملٹری سطح پر کی جانے والی مختلف کارروائیاں

اور اقدامات جن سے ماحولیات کو شدید خطرات لاحق ہوتے ہیں اور جس سے وادیوں میں رہنے والے لاکھوں لوگوں کا مستقبل متاثر ہونا یقینی ہے۔

جنوبی ایشیا نیٹ ورک برائے ڈیمز، دریا اور عوام یعنی "SANDRP" (ساوتھ ایشیا نیٹ ورک فار ڈیمز، ریورس اینڈ پیپل) نے 13 رفروری 2015ء کو وادی زنسکار (لیہہ) کے اس لینڈ سلائڈ (land Slide) کا ذکر کیا ہے جس نے دریائے پکھتل کو ڈیم میں تبدیل کیا اور اسطرح یہ دریا ایک گلیشائی جھیل بن گیا جو ظاہر ہے، خطرات سے پُر (Unstable) ہے۔

امرناتھ یاترا کے منتظمین ہر سال لاکھوں یاتریوں کو 5-6 کلومیٹر کے گلیشر میں لاکھڑا کرتے ہیں۔ ایکشن ایڈ مذکورہ رپورٹ میں لکھتا ہے کہ اس سے نہ صرف آبی ذخائر جولدر اور دریائے جہلم کے سرچشمے ہیں آلودہ ہوتے ہیں، بلکہ کاربن ڈائی اکسائڈ کی بہت بڑی مقدار بھی خارج ہوتی ہے۔ اس پر مستزادیہ کہ گھپا تک پہنچانے کے لیے ہیلی کاپٹر سروس بھی استعمال کی جاتی ہے جس سے گلیشر میں کھائیاں اور دراڑیں بنتی ہیں اور اس کی اوپری تہہ پتلی ہوجاتی ہے۔ بڑے پیمانے پر یہ ''پلگریم ٹورازم'' (Pligrim Tourism) وہاں کے نازک ماحولیات کے لیے تباہ کن ہے۔ اسی لیے سائنس دانوں نے کولہائی گلیشر کی تشویشناک حد تک گھٹنے کے عمل کو غیر مربوط یاترا رش کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ دی سنڈے گارڈین نے بھی 6 جولائی 2013ء کو اپنے ایک مضمون میں صاف طور پر بتادیا ہے کہ کشمیر کے گلیشروں کے پگھلنے کی بہت بڑی وجہ ان نازک اکالوجی کے مقامات پر لوگوں کی بڑی تعداد کی آمد ہے۔[10]

بھارتی فوج اور دیگر فورسز اہلکاروں کو جس طرح یاترا کے ساتھ جوڑ دیا گیا اور اس کو پراموٹ کرنے کے لیے جس طرح بڑے پیمانے پر ان کو تعینات کیا جاتا ہے اور ان کے کیمپ جو یاترا کے پورے روٹ پر لگائے جاتے ہیں اسے بعض تجزیہ نگار ''میلٹر ائیزڈ

ٹورازم'' (Militarised Tourism) سے تعبیر کرتے ہیں۔ بال تل ایک خوبصورت میڈو ہے۔ یہاں امرناتھ گپھا پر روانہ ہونے سے پہلے یاتری قیام کرتے ہیں۔ اس کے 370 کنال اراضی پر فوج اور پیراملٹری فورسز مستقل قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ گپھا تک جانے کے دونوں راستوں پر عارضی کیمپ اور چک پوئنٹس بنائے گئے ہیں۔ پہلگام گاف کورس اور نن ون میں بھی کیمپ ہیں، جہاں فورسز تعینات کیے گئے ہیں۔ ظاہر ہے جب لاکھوں کی تعداد میں یہ ٹوریسٹ پانچ چھ کلو میٹر گلیشر پر دھاوا بول دیتے ہوں اور یہ مشق پورے دو مہینے تک چل رہی ہے اور فورسز کی ایک بڑی تعداد کی نگرانی میں انجام دی جارہی ہے، تو کولہائی گلیشر کا کیا حال ہوگا؟ ہزاروں ٹنوں پر مشتمل نہ سڑنے والے کوڑا کرکٹ (Non-Biodegradable Waste) سے وہاں کیا تباہی ہورہی ہوگی اور پھر آبی ذخائر (لدر) کس قدر آلودہ ہورہا ہوگا؟ ایک متعصب اور جارح مزاج شخص، پارٹی، گروہ، قوم یا ریاست ہی اس ممکنہ تباہی سے آنکھیں چُرا سکتی ہے جو آئندہ اس خطے کے لوگوں کا مقدر بننے والی ہے۔ اس قسم کی کھلی جارحیت اور ماحولیاتی دہشت گردی بھارت کی کسی ریاست میں کی جاتی تو پورا بھارت عالم محشر برپا کرتا۔ کشمیر میں اس کو ''قومی پالیسی'' کا ایک حصہ بنا کر انجام دیا جاتا ہے جس کا مقصد، جیسا کہ محمد جنید اپنے مضمون ''امن، ٹورازم اور سیاسی کھیل کشمیر میں'' میں کہتے ہیں ''نارملسی کا نریٹیو (narrative) قائم کرنا ہے اور بھارت کے ہندو نقشے کے ساتھ کشمیر کو انٹیگریٹ کرنا ہے۔''[11]

بھارت سرکار کشمیر کے ساتھ ہر معاملے میں امتیاز اور عناد کا رویہ اختیار کرتی ہے۔ اترا کھنڈ ایک پہاڑی ریاست ہے۔ ہندوؤں کی یاترا کے اہم اور متبرک مراکز میں سے ایک گنگوتری کی ریاست بھی ہے۔ گنگوتری، جو چار دھام یاترا، کا ایک اہم حصہ ہے۔ ہندوؤں کی کشش کا بڑا تیرتھ سنٹر ہے۔ یہاں ہی گاومکھ کا گلیشر ہے جس سے دریائے گنگا نکلتا ہے۔ یہاں یہ بتانا بھی مناسب ہے کہ چار دھام یاترا کو ہندو امرناتھ یاترا سے زیادہ مقدس

سامنے ہیں، لیکن جب یاتریوں کی بڑھتی تعداد سے گاؤمکھ گلیشر کا ایکو سسٹم (Eco-System) متاثر ہونا شروع ہوا تو اترا کھنڈ حکومت نے یاترا کو ریگولیٹ (منضبط) کرنے کے اقدامات اٹھائے۔ گنگوتری کی یاترا کے لیے یاتریوں کی تعداد کو محدود کر کے فی یوم 150 کر دیا گیا۔ اپریل 2008ء سے ان پابندیوں کا نفاذ عمل میں لایا گیا۔ دوہرے معیار کی اس سے بدترین مثال اور کیا ہوگی کہ امرناتھ یاترا کے لیے یاتریوں کی تعداد اور مدتِ یاترا کو ریگولیٹ کرنے کے مطالبے پر کشمیریوں پر الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ "ہندوؤں کے مذہبی معاملات میں مداخلت کر رہے ہیں"۔ یہاں فی یوم دس ہزار سے زائد یاتریوں کو گپھا کے درشن کی اجازت دی جاتی ہے اور پھر انتہائی گرمی کے دو مہینوں میں کولہائی اور تجواس گلیشروں کا ایکو سسٹم کس طرح تباہ و برباد ہو جائے اس کی دہلی دربار کو کوئی فکر نہیں۔

بجائے اس کے کہ "انصاف کا بڑا مندر" سپریم کورٹ آف انڈیا کشمیر کے ماحولیات اور گلیشروں کو بچانے کے لیے حکومت ہند کو اترا کھنڈ طرز کے اقدامات اٹھانے کی ہدایات دیتا، عدالت عالیہ نے ریاست جموں کشمیر کو امرناتھ گپھا تک ایک پختہ سڑک تعمیر کرنے کے لیے کہا ہے، حالانکہ یہ گپھا بھی ان ہی گلیشروں کی گود میں واقع ہے۔ ابھی ہم نے ماہرین ماحولیات کی آراء اور جائزے پیش کیے جس سے اس تباہی کا اندازہ ہو جاتا ہے جو یاتریوں کی وجہ سے گلیشروں اور کشمیر کے ماحولیات کو لاحق ہے۔ اب جب پختہ سڑک، تمام انفراسٹرکچر اور بھاری مشینوں کے زہریلی گیس کے اخراج کے ساتھ، بنانا مقصود ہو اور پھر مزید انسانی ریلوں کا گزر سڑک پر ہو، تو تباہی کا دائرہ اور حجم کتنا بڑا ہوگا اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ سپریم کورٹ کی اس ہدایت کے دوران ہی فرانس اور ناروے کے دو سائنس دانوں کی ایک رپورٹ 23 راگست کے "نیچر" کے شمارے میں شائع ہوئی جس میں یورپی ماہرین ماحولیات نے خبردار کیا کہ ہر سال جموں و کشمیر میں نصف میٹر کی اوسط سے

گلیشر پگھل رہے ہیں جو ہمالیائی خطے میں موجود گلیشروں سے اوسطاً زیادہ ہے۔ سیٹلائٹ سے لی گئی تصاویر سے پتہ چلتا ہے کہ ان ''منجمد آبی ذخائر'' پر بہت زیادہ برف بھی موجود نہیں [12]۔

سپریم کورٹ کی ہدایت حیران کن ہے خصوصاً جب ''قومی سطح'' پر گنگوتری کو بچانے کے لیے ماحولیاتی پالیسی ترتیب دی گئی ہے۔ سال 2012ء میں بھارت سرکار نے گومکھ سے اترا کاشی تک گنگا ندی کو 135 کلومیٹر تک انتہائی حساس ماحولیاتی زون میں رکھا۔ دریا کو فضلہ اور کثافت سے بچانے کے لیے NGBRA کے تحت مؤثر اقدامات اٹھائے گئے۔ لیکن کشمیر کے حوالے سے انڈین اسٹیٹ اور اس کا ہر ادارہ دہرا معیار اپناتا ہے۔ یہاں یہ ذکر کرنا برمحل ہے کہ سپریم کورٹ کے دو ججوں پر مشتمل بنچ نے 31/اگست 2012ء میڈیا میں شائع لگ بھگ سو یاتریوں کے فوت ہونے کی خبروں کی ''ازخود جانکاری''(Suo Moto Cognizance[13]) لیتے ہوئے اعلیٰ اختیارات والی کمیٹی تشکیل دی۔ کمیٹی میں حکومت بھارت کی مختلف وزارتوں کے نمائندے (جن میں صحت اور فیملی ویلفیر، ماحولیات اور جنگلات اور داخلہ امور شامل ہیں) ریاستی حکومت کے چیف سیکریٹری اور دوسرے ریاستی افسران، باڈر سیکورٹی فورس کے ڈریکٹر جنرل اور بارڈر روڈس آرگنائیزیشن کے ڈائریکٹر جنرل بھی شامل کیے گئے۔ کمیٹی تشکیل دیتے وقت بھارت کی عدالت عظمیٰ نے یاتریوں کی ''سلامتی، تحفظ صحت اور آزادانہ نقل وحرکت کے بنیادی انسانی حقوق کو تسلیم کرتے ہوئے'' کمیٹی کو یاتریوں کی مشکلات کا جائزہ لیتے ہوئے سفارشات پیش کرنے کو کہا۔ کمیٹی نے سول انفراسٹرکچر جیسے ٹوئیلیٹ کے علاوہ گپھا تک جانے کے لیے 12 فٹ سڑک ("Track") تعمیر کرنے کی سفارش کی۔

حیران کن امر یہ ہے کہ سپریم کورٹ کی قائم کردہ کمیٹی نے اپنی سفارشات میں غیر منضبط یاتریوں کی بڑی تعداد سے ماحولیات پر پڑے تباہ کن اثرات کا ذکر تک نہیں کیا۔ اسی

طرح ان لوگوں کے ''بنیادی حقوق، سلامتی اور ہیلتھ (تحفظِ صحت)'' پر چپ سادھ لی جو ان علاقوں میں گزر بسر کرتے ہیں اور جن کی زندگیوں، پانی کے وسائل اور اراضی کو آلودگیوں اور ماحولیاتی تباہ کاریوں کے خطرات لاحق ہیں اور نہ ہی سپریم کورٹ نے اس کی ضرورت محسوس کی کہ کمیٹی تشکیل دینے کے وقت گلیشروں کی نازک اکالوجی کا خیال رکھنے اور یاتریوں کی تعداد اور مدّت کو ماحولیاتی ضرورتوں سے ہم آہنگ کرنے کی کمیٹی کو ہدایت دے۔ کمیٹی نے سفارشات قلمبند کرتے وقت جنگلات اور ماحولیات کے بارے میں سپریم کورٹ کے ان ہدایات(Guide Lines) کو بھی پس پشت ڈال دیا جو اس نے کئی سال قبل اس بارے میں دے رکھی ہیں۔ شاید بھارت کا ''قومی مفاد'' اس دہرے معیار کو اپنانے کا تقاضا کرتا ہو!

کشمیر بھارت کا ''اٹوٹ انگ'' ہے کی جو مالا ہر روز جپتی جاتی ہے اور ''سیکولر اسٹیٹ'' کی جو ڈفلی روز بجائی جاتی ہے، ان بہت بڑے دعووں کا بھرم رکھنے کے لیے انڈین اسٹیٹ کو ریاست کے مسلم میجارٹی کریکٹر کو خندہ پیشانی سے قبول کرنے اور اس کا تحفظ کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہونی چاہیے، مگر عملی مشاہدہ بتاتا ہے جب کشمیر سامنے آتا ہے تو سیاسی نیتا، ریاستی حکومتیں، اپوزیشن، سول سوسائٹی اور کارپوریٹ میڈیا تو کیا عدل وانصاف پر معمور ''بڑی ہستیاں'' ''قومی مفاد'' اور ''قومی ضمیر'' کی تسکین کے لیے کشمیر کو ''بھارت کا تاج'' کے اسٹیٹس سے گرا کر اچھوت کا درجہ دینے میں دیر نہیں لگاتیں۔ یہ ''کامن منیمم'' (Common Minimum)، ان سب کو فکری اور قلبی آسودگی عطا کرتا ہے۔ سرینگر کے جی بی پنت اسپتال میں چند سال قبل صرف دو مہینوں میں 900 بچے نقلی ادویات(Spurious Drugs) اور ناقص ایکوپمنٹ اور عملے کی غیر ذمہ داری کی وجہ سے اپنی معصوم جانیں کھو بیٹھے، لیکن بھارت کے کسی آنر یبل(honourable) جسٹس کا دل اس ٹریجڈی سے پسیج نہ گیا اور کسی نے اِن رپورٹوں پر ''سوموٹو کاگنزینس'' لینے کی زحمت

گوارا نہ کی جو اس سانحہ پر میڈیا میں تواتر کے ساتھ شائع ہوتی رہیں۔ ہفتوں بلکہ مہینوں والدین اپنے لختِ جگروں کے جنازے اٹھاتے رہے، لیکن کوئی آنکھ بانہال سے پارنم نہ ہوئی۔ عدل کے بڑے مندروں کے کسی "پروہت" کے ماتھے پر ناراضگی کی معمولی شکن تک نمودار نہ ہوئی۔ اس سے ریاست ہندوستان واضح لفظوں میں کشمیریوں کو باور کرانا چاہتی ہے کہ "آئین کے دائرے میں" رہتے ہوئے ان کے لیے یہ "اسپیشل اسٹیٹس" ہے۔ لیکن "خیرمادر آں باشد" کا پہلو بھی ان کے اس دہرے معیار میں پنہاں ہے۔ اس رویہ سے ریاست آپ اپنے ہاتھوں تحریک مزاحمت کے استدلالی اور استقلالی کریکٹر کو مضبوط بنا کر "اٹوٹ انگ" کے دعوے کے غبارے سے ساری ہوا نکال دیتی ہے۔

1996ء میں موسمی آفت کی وجہ سے 242 یاتری امرناتھ یاترا کے دوران ہلاک ہوئے۔ اس حادثے کے بعد نتیش سین گپتا کمیشن قائم کیا گیا۔ کمیشن نے یاتریوں کے تحفظ کے ساتھ ساتھ یاترا کے ماحولیات پر پڑے اثرات کو بھی زیرِ نظر رکھ کر حکومت کو سفارشات پیش کیں۔ کمیشن نے سفارشات پیش کرتے وقت اس حقیقت کو نگاہ میں رکھنے پر زور دیا کہ "امرناتھ گپھا محض یاترا سے نسبت نہیں رکھتی، اونچے برفانی پہاڑ پر ہونے کی وجہ سے اس کا ماحولیاتی پہلو بھی ہے۔ چندن واڑی سے گپھا تک 32 کلومیٹر کا ٹریک انتہائی پُرخطر ہے۔ اس ٹریک پر محدود یاتریوں کے چلنے کی ہی گنجائش ہے اور یہ انتہائی اونچی بلندیوں کے پہاڑوں سے گزرتا ہے، جہاں کوئی انسانی آبادی نہیں ہے۔ اس لیے یاتریوں کی تعداد اور مدت یاترا کو سختی کے ساتھ ریگولیٹ کرنا ضروری ہے۔" کمیشن نے اپنی سفارش میں کہا کہ "یاتریوں کی تعداد ہر سال ایک لاکھ کے قریب ہو اور مدت یاترا تیس دن سے متجاوز نہ ہو۔" کمیشن نے پہلگام روٹ سے جانے والے یاتریوں کی تعداد 2800 فی یوم رکھی۔ جبکہ بال تل کے راستے سے گپھا تک جانے والے یاتریوں کو 700 یاتری فی دن تک محدود کیا۔ یوں ہر سال زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ پانچ ہزار یاتری گپھا کا درشن کر سکتے

ہیں۔ علاوہ ازیں کمیشن نے یاتریوں کے لیے رجسٹریشن کرانا لازمی رکھا اور ریاستوں کے لیے لازم بنایا کہ وہ فیکسڈ کوٹا کے تحت ہی یاتریوں کو بھیجیں۔ گپھا کے ارد گرد علاقے کی اکالوجی اور انیوارنمنٹ کو بچانے کے لیے کمیشن نے چندن واڑی سے شیش ناگ تک پختہ سڑک (Mortable road) بنانے کی کڑی مخالفت کی اور گپھا کے مقام پر ہون کرنے کو بھی محدود کرنے پر زور دیا۔ اس لیے کہ اس سے فضاء میں آلودگی پیدا ہوتی ہے۔ کمیشن نے سفارش کی کہ جس طرح دوسری ریاستوں میں ہوتا ہے یاترا کی ایڈمنسٹریشن محکمہ ٹورازم کے سپرد کی جائے۔

حیرانگی کی بات یہ ہے کہ کمیشن کی سفارشات کو مدنظر رکھتے ہوئے پہلگام سے گپھا تک کے تین مقامات پر عارضی شیڈ تعمیر تو کیے گئے لیکن دوسری تمام سفارشات کو حکومت نے عمل میں لانے کے لیے کوئی سنجیدگی نہیں دکھائی، حالانکہ گلیشروں کو بچانے اور کشمیریوں کے مستقبل کے لیے ان کا نفاذ ناگزیر ہے۔ اس سے زیادہ حیران کن امر سپریم کورٹ کی طرف سے بنائی گئی کمیٹی کی بے اعتنائی ہے جو اس نے نتیش سین گپتا کی سفارشات کو نظرانداز کر کے گپھا تک پختہ سڑک تعمیر کرانے کی سفارش کی صورت میں دکھائی۔ خود عدالت عظمیٰ کو کمیٹی تشکیل دیتے وقت نتیش سین گپتا کمیشن کی سفارشات کا ادراک کرنا چاہیے تھا، لیکن یہ سب کچھ فراموش کر دیا گیا۔ آخر اس کمیشن کو کسی حریت لیڈر نے نہیں بنایا تھا؟، نہ نتیش سین گپتا ''علیحدگی پسند'' رجحانات رکھتا تھا۔ آخر جب کیلاش مانسرور (تبت) اور گومکھ، کیدارناتھ، بدری ناتھ (اتراکھنڈ) کی یاترا کی مدت اور یاتریوں کی تعداد کو حکومتوں نے ماحولیات کے بچانے کے لیے ریگولیٹ اور ریسٹرکٹ کر دیا، یہاں کے ماحولیات کے تحفظ کے لیے بھارت کا ارباب اقتدار متضاد رویہ کیوں اختیار کرتا اور انصاف کے ادارے اس صریح ناانصافی پر خاموش کیوں رہتے۔ یاد کیجیے 2008ء میں اپنے گلیشروں، جنگلوں اور زمینوں کو بچانے کے لیے جب کشمیریوں نے لینڈ ٹرانسفر پر احتجاج کیا، سنگھ پریوار کی سربراہی میں

سنگھرش سمیتی نے کشمیریوں کے خلاف بائیکاٹ کی تحریک چلائی (جس کے لیے اسے دلی کا پورا آشیرواد حاصل تھا)۔لیکن اسی اترا کھنڈ میں سنگھ پریوار کا سیاسی چہرہ حکومت کر رہا تھا اور اسی بھاجپہ حکومت نے ماحولیات کو بچانے کے لیے یاتریوں کی تعداد فی یوم 150 کی قید لگادی۔گویا وہاں ماحولیات اور ہندو اکثریتی آبادی کی فکر ہے، لیکن یہاں کشمیر کے ماحولیات اور مسلم میجارٹی کی تباہی کے درپے ہیں۔"ہندو راشٹرا" اپنے اہداف کا اسی طرح تعین اور تحفظ کرتا ہے۔

نیک ہنٹ (Nik Hunt) برطانیہ کے معروف انگلش ڈیلی "گارڈین" (guardian) 2008ء کے تحریکِ انتفادہ کے دوران کشمیر میں تھے۔وہ لدرویلی بھی گئے تاکہ یاترا کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔یہ یاترا ماحول کو کس خوفناک طریقے سے آلودہ بناتی ہے اور لوگوں کی سلامتی کے لیے کتنی نقصان دہ ہے، انہوں نے گریٹر کشمیر کے ساتھ اپنے ایک انٹرویو میں اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا "میں نے سر کی آنکھوں سے دیکھا کہ یاترا بڑے پیمانے پر ماحولیات کو آلودہ کرتی ہے۔ پلاسٹک کے بڑے بڑے ڈھیر پہاڑی راستے پر بکھرے پڑے ہیں۔انسانی فضلہ دریاوں میں بہایا جارہا تھا اور جتنا بڑا یاترا ہوگا، پولوشین (آلودگی) بھی اتنی ہی بھیانک ہوگی۔جن مقامی کشمیریوں سے میں نے بات کی وہ اس آلودگی پر بڑے فکرمند تھے۔آخر یہی ہے ناوہ لوگ جو اس آلودہ پانی کو پیتے ہیں اور مجھے معلوم ہوا کہ گاؤں میں لوگ اس پانی کے استعمال سے بیمار[14] پڑتے ہیں۔"

انہوں نے غیر مبہم الفاظ میں کہا کہ "یاترا ایک ماحولیاتی ایشو ہے جسے جان بوجھ کر بعض حلقے اپنے مقاصد کے لیے سیاست زدہ کررہے ہیں۔" "(Yatra) is an environmental issue that is bieng deliberately politicized by groups seeking to use it for their own ends"[15]

پروفیسر ایم این کول نے 2005ء میں متنبہ کیا کہ ''گلیشر کی اکالوجی، اینوارنمنٹ اور صحت بری طرح متاثر ہو سکتی ہے۔ اگر پھا تک جانے کے لیے بال تل روٹ پر ہزاروں یاتریوں کو اسی طرح چلنے دیا جائے۔ انہوں نے کہا گلیشر میں کمی اور سکڑنے کا عمل جو ہم دیکھ رہے ہیں اس کی وجہ منہ کے ذریعے حرارت کا اخراج، کوڑا کرکٹ اور زمین کا کٹاو ہے''۔[16]

پروفیسر سید اقبال حسنین (جس کا پہلے ذکر کیا گیا) نے گریٹر کشمیر کو بتایا کہ ''میرا ماننا ہے کہ اگر فوری طور پر کچھ نہیں کیا گیا تو پورا گلیشر دس سال میں ختم ہو جائے گا، کیونکہ گلیشر کے حجم میں کافی کمی آئی ہے اور میرے خیال میں اب یہ ایک کلومیٹر سے بھی کم رہ گیا ہے۔ صورتحال انتہائی سنجیدہ ہے اور گلیشر کے کھونے کی علامتیں واضح ہوتی جارہی ہیں۔ یہ گلیشر نیچرل ہیری ٹیج ہے جو دس ہزار پانچ سو سال پہلے وجود میں آیا اور اب ہم اس سے محروم ہونے جارہے ہیں''۔[16]

"In my opinion if nothing is done immediately the entire glacier will melt out in 10 years. Because the glacier's accumulated area is further reduced and I think it is less than a kilometer now. The situation there is very serious now and de-glaciations are going on at a faster rate and unto the base of Koliae peak the glacier has melted out....this important ice cover is a kind

of a natural heritage which was formed by last ice ages which happened 10, 500 years back. But now the recession of this glacier has reached an alarming stage." {Bigger the Yatra, more the demage.-- Syed Tahir Murtaza, GK 25 June 2009}

جیسا کہ 15 کور کے اس وقت کے جی او سی لیفٹننٹ جنرل حسنین نے سپریم کورٹ کی بنائی گئی اعلیٰ اختیارات والی کمیٹی (SHPC) کو بتایا کہ یاترا کے 15 دن پہلے گلیشر کے ماحول سے مطابقت پیدا کرنے اور عادی ہونے کے لیے سپاہیوں کو ہفتوں قبل ان نازک اکالوجی کے حامل علاقوں میں تعینات کیا جاتا ہے، یعنی ہزاروں کی تعداد میں یاترا کی 'حفاظت' پر معمور اہلکار تقریباً 45 روز پہلے ان علاقوں میں بھیجے جاتے ہیں۔ اس طرح یاترا کی مدت اصل میں تین ساڑھے تین مہینوں پر مشتمل ہوتی ہے اور اگر یاترا کی روانگی کے بعد کے امور کو شامل کیا جائے تو پوری مدت چار مہینوں تک پھیلتی ہے۔ جنرل حسنین نے SPHC کو کیا کہا تھا ان کے الفاظ:

"As per the prescribed guidelines, 15 days before the Yatra the troops are required 45 days ahead of the Yatra. They are imparted pre-induction training for 12 days, followed by 15

days of acclimitization induction at various locations."[17]

1989ء سے 2013ء تک یاتریوں کی تعداد میں 40 گناہ اضافہ ہوا جب 12000 ہزار یاتریوں کی تعداد 6 لاکھ تک پہنچ گئی اور اس مناسبت سے یاتریوں کو سیکورٹی فراہم کرنے کے لیے فورسز اہلکاروں کی تعیناتی میں اضافہ ہوتا رہا اور پوری یاترا مدّت کے لیے یہ تعیناتی 35 ہزار سے اوپر[18] چلی گئی۔ ظاہر ہے اسی لحاظ سے اشیاء اور لوگوں کی آواجاہی اور گاڑیوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہونا یقینی ہے۔ اس علاقے کے ماحولیات پر اس کا کیا اثر ہوگا جو 11 ہزار سے 13 ہزار پانچ سوفٹ کی بلندی پر واقع ہے۔

فوج اور پیرا ملٹری اور پولیس کی بھاری تعداد کی تعیناتی کو دیکھ کر گوتم نولکھا کہتے ہیں ایک ''بہت بڑا ملٹری[19] آپریشن'' ہے۔ (جسے فوج نے ''شیوا آپریشن'' نام دیا ہے) جو یاتریوں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ بڑھتا ہے۔ بولتے اعداد وشمار پیش کر کے گوتم نولکھا کہتے ہیں کہ ''2009ء میں 3 لاکھ 92 ہزار 774 یاتریوں نے گپھا کا درشن کیا۔ اس وقت ان کی سیکورٹی کے لیے سی آر پی ایف کی 36 کمپنیاں، آرمڈ پولیس کی 31 کمپنیاں، بی ایس ایف کی 27 کمپنیاں اور ڈسٹرکٹ پولیس کے 758 اہلکار تعینات کیے گئے۔ یاد رہے ہر کمپنی میں 100 اہلکار ہوتے ہیں۔ 2012ء میں جب یاتریوں کی تعداد 6 لاکھ 21 ہزار 104 تک پہنچی، فورسز کی تعداد میں اسی مناسبت سے اضافہ کیا گیا۔ اب یاترا سیکورٹی پر سی آر پی ایف 66 کمپنیاں، آرمڈ پولیس کی 40، بی ایس ایف کی 19، آئی آر بی این کی 5 اور ڈسٹرکٹ پولیس کی 35 کمپنیاں معمور کی گئیں۔ یہ تعیناتی فوج کی تعیناتی کے علاوہ ہے (جو بتائی نہیں گئی) جو اس ایریا کے بلند مقامات پر موجود ہیں''۔[20]

سوال یہ ہے آخر اس بڑے پیمانے کی فورسز تعیناتی کی ضرورت کیا ہے۔ خصوصاً

جب سی آر پی ایف کشمیر میں موجود فورسز کی ڈیوٹی کو "پیس پوسٹنگ" (Peace Posting)[21] کا نام دیتی ہے؟

ممتاز صحافی اور حقوق انسانی کے علمبردار (گوتم نولکھا) بھارت کے حکمرانوں کی طرف سے یاترا کو اس جارحانہ اپروچ کے ساتھ پراموٹ کرنے پر کہتے ہیں کہ اس کا مقصد جموں کشمیر میں ہندو "اقلیت" کے نام پر ہندو اکثریت کو جارحانہ انداز سے پراموٹ کرنا ہے۔

> "Thus J&K, were Muslims are more in numbers, became an area where Hindu majoritarianism was promoted aggresively in name of Hindu 'Minority' in J&K."[22]

انصاف پسندی اور حق گوئی کو اپنا شعار بنانے والے یہ بیباک دانشور کہتے ہیں کہ یاترا کے بارے میں انڈین اسٹیٹ کا جو ریسپانس رہا ہے اور اسے جسطرح پروجیکٹ کیا جارہا ہے اسے 1990ء میں شروع اُس عوامی مقبولیت کی حامل عوامی تحریک، جسے بھارت نے طاقت سے دبائے رکھا ہے، کے پس منظر میں دیکھنا چاہیے۔ یاترا کی سیاسی اور مذہبی اہمیت (بھارت کے حکمرانوں کی نظر میں) کیا ہے، جموں میں شری امرناتھ سنگھرش سمیتی کی طرف سے 2008ء میں چلائی جانے والی اس ایجی ٹیشن سے معلوم ہوتا ہے جو کشمیری مسلمانوں کے خلاف چلائی گئی، جو یاترا کے غیر منضبط ہونے کے ان شدید خطرات پر احتجاج کرتے تھے، جس سے ماحولیات اور ان کی زیست[23] متاثر ہو رہی تھی۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ انڈین اسٹیٹ ہندو شیوائی یاترا کو حب الوطنی کے ایک انٹرپرائز میں تبدیل کرنا چاہتی ہے

تا کہ زیادہ سے زیادہ یاتری یہاں کھینچے چلے آئیں۔

"....to transform a Hindu Shivaite pilgrimage into patriotic enterprise to live larger and larger number of pligrims."[24]

بھارت کے حکمرانوں کے سیکولر اعتقاد کے کھوکھلے دعوؤں پر چوٹ کرتے ہوئے کشمیریوں کی حق خودارادیت تحریک کے اس بے لوث اور مخلص ایڈوکیٹ نے خوب کہا "ایک طرف بھارتی حکمران چیخ چیخ کر کہتے ہیں کہ "کشمیر کی علیحدگی پسندی کی جڑ مذہبی بنیاد پرستی ہے، دوسری طرف وہ انتہائی بے شرمی کے ساتھ یاترا کو حب الوطنی کی علامت اور ڈیوٹی سمجھتے ہیں۔"[25]

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں ماحولیات کے تحفظ کے لیے سخت تاکید کی گئی ہے۔ ویدک منتر بھی اس کے لیے پڑھے جاتے ہیں۔ ٹائمز آف انڈیا (جون 2009،4) میں "Vedic preservative on environment" عنوان سے جو مضمون چھپا ہے اس میں کہا گیا ہے "ماحولیات کو نقصان مت پہنچاؤ، پانی کا نقصان مت کرو، درختوں کو نقصان مت پہنچاؤ، زمین میری ماں ہے اور میں اس کا بیٹا ہوں۔ بھگوان کرے کہ پانی کے ذخائر صاف شفاف رہیں۔ پانی کا کسی بھی قسم کا نقصان مت کرو۔"

لیکن کشمیر پہنچ کر دھرتی کے یہ "بیٹے" اپنی "ماں" کے سینے پر ٹنوں کوڑا کرکٹ اور غلاظت کے ڈھیر ڈالتے ہیں اور اس کی سانس کی نسیں بھی دبوچ لیتے ہیں۔ سنگھ پریوار جو ہندوتوا ایجنڈے کو حکومتی اور تنظیمی سطح پر نافذ کرنے کی سرگرمیوں میں مصروف ہے کو اس تناظر میں "ماں" کے تقدس کا زیادہ احساس ہونا چاہیے تھا، لیکن کشمیر میں پہنچ کر وہ اپنی

''ماں'' کی حرمت کو پامال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے ۔ اسی لیے وزیر اعظم ہند کے آفس سے منسلک منسٹر آف اسٹیٹ ڈاکٹر جتندرا سنگھ کہتے ہیں کہ یاترا سال بھر چل سکتی ہے اور ماحولیات پر اس کے منفی اثرات نہیں پڑ سکتے ۔[26]

Notes and Refrences

1, 2. Rising Kashmir, May 24, 2008

3 Kashmir Reader, July 15, 2013

4, 5. Greater Kashmir, November 9, 2008

6 Greater Kashmir, August 5, 2008

7 Greater Kashmir, October, 2014

8,9. Action Aid (2007) on the Brink - A Report on climate change and its importance in Kashmir.

10 The Sunday Guardian, July 6, 2013

11. Mohammad Junaid - Peace, Tourism and political games in Kashmir, Al Jazeera, July 29,2012

12. Glaciers in J&K melting fast, Scientists, Greater Kashmir, August 25, 2012

13. WP (Civil) 284/2012, Supreme Court, court on its own Motion v Union of India & others.

(دو ججوں پر مشتمل بینچ نے 13 جولائی 2012ء کے فیصلے میں Today Times of India اور Hindustan Times کی رپورٹوں، جن میں 67 یاتریوں کے فوت ہونے کی خبر دی تھی، کا حوالہ دیا۔ لیکن 2008ء اور 2010ء کے انتفادہ میں قریباً تین سو نوجوانوں کی پولیس اور فورسز کے ہاتھوں ہلاکت کی خبریں ان تک نہ پہنچیں!!)

14,15. Greater Kashmir, October 25, 2008

16. The Tribune, July 05, 2005

17. SHPC report, 2013, para 3-4

18, 19, 20 Gautam Navlikha - J&K Communalising Amarnath Pligrimage & Demonizing a Movement

21. Times of India, June 27, 2014

22, 23, 24, 25 Gautam Navlikha - J&K Communalising Amarnath Pligrimage & Demonizing a Movement

26. Greater Kashmir, June 05,2015

بلاوے کے تیتر

جنگلاتی زمین شرائن بورڈ کو دینے کے معاملے پر جو عوامی تحریک چل پڑی اس میں بھارت نواز سیاست کاروں کی پینترا بازیاں ایک ایک کر کے سامنے آئیں اور ان کی بہروپیت آشکارا ہوگئی۔ پی ڈی پی کی صدر محبوبہ مفتی نے جب دیکھا وہ اور اس کی پارٹی عوام کا سامنا کرنے کی پوزیشن میں نہیں تو اپنے جرائم کے حصے کو این سی کے کندھوں پر ڈالا۔ این سی نے بھی بالکل یہی کچھ اپنی حریف تنظیم کے ساتھ کیا۔ انتقادہ کا قہر پی ڈی پی، کانگریس حکومت کے دروازوں تک بڑھنا شروع ہوا تو حواس باختہ مفتی نے شرائن بورڈ کو ایک "وائلڈ ڈریگن" ("Wild Dragon") قرار دیتے ہوئے کہا "اگر نیشنل کانفرنس نے ایس اے ایس بی کو تخلیق نہ کیا ہوتا تو آج یہ وائلڈ ڈریگن کی صورت اختیار نہ کر چکا ہوتا[1]"۔ جب محبوبہ مفتی سے پوچھا گیا پی ڈی پی کے ممبر اسمبلی اور وزیر جنگلات قاضی افضل نے زمین منتقلی پر اعتراض کیوں نہ کیا تو خود کو افلاطون کے مقام پر فائیز کرتے ہوئے بول اٹھی "اسی معاملے پر ہمارے فارسٹ منسٹر فیصلہ سازی کے اختیارات میں کوئی مقام نہیں رکھتے۔۔۔۔ کسی اور نے لینڈ ٹرانسفر کے لیے گرین سگنل دیا ہے۔۔۔۔ ہمیں مخلوط سرکار میں رہنے کے لیے چند مجبوریاں ہیں۔ ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ زہر پینے کے سوا کوئی متبادل نہیں ہمارے پاس۔"[2]

محبوبہ جی بالکل ایک ماہر سیاست کار کی طرح بڑی شعبدہ باز ثابت ہو چکی ہیں۔ ان تمام چیزوں کو حافظے سے محو کر دیتی ہیں جو اگر زندہ رہیں تو مستحیث بن کر سوہانِ روح

بنتے رہیں، مگر بھلا کیا ہم بھی آپ کی طرح آپ کے اس رول کو بھلا دیں جو آپ نے ڈریگن کی تخلیق کے دوران نبھایا۔ اس وقت بے زبانی تمہاری زبان بن گئی اور خاموشی کی تائید سے اس ڈریگن کی آمد کا خیر مقدم کیا۔ یاد ہے نا اس وقت تم اپوزیشن بینچ پر بھارت کے نمک کو حلال کیے ہوئے تھیں۔ پھر تمہاری حکومت بن گئی تو پورے آٹھ سو کنال جنگلاتی زمین اس ڈریگن کی تاراجی کے لیے کُھلا چھوڑا۔ حد یہ ہے اس تاراجی کے لیے اسے قانون کی جکڑ بندیوں سے، افسپا عفریت کی طرح آزاد کیا، تاکہ جب یہ بستیوں کی طرف رُخ کرے کوئی اس پر ہاتھ نہ اُٹھائے۔ وہ کیمپوں کے امرناتھ نگر بسائے تو بسائے مگر اقتدار نہ جائے۔ لیکن جب مظلوم قوم اس ڈریگن سے خود کو اور اپنی نسل کو بچانے کے لیے اُٹھی اور تمہارے آقاؤں کے پھاٹک میں اسے پہنچا دیا تو تم ڈائن کے نسخے لے کر سامنے آئی اور قاضی افضل کو "Non-Entity" کہہ دیا یعنی کوئی حیثیت ہی نہیں "decision-making" میں اس کی۔ فارسٹ منسٹر کیبنٹ منسٹر ہوتا ہے، کوئی پی ڈی پی کی صدر سے پوچھے! اچھا۔ مظفر بیگ، جو سپریم کورٹ کے وکیل ہیں اور کولیشن سرکار میں نائب وزیر اعلیٰ کے عہدے پر براجمان تھے، وہ بھی "non-entity" تھے؟ اس قسم کی پھلجھڑیاں آپ 4/جون 2008ء کو چھوڑتی ہیں، یعنی لینڈ ٹرانسفر کیبنیٹ آرڈر اجراء کرنے کے پورے آٹھ روز بعد، جب مخلوط حکومت کی چوری بلکہ ڈکیتی طشت از بام ہوتی ہے۔ اتنے دنوں تمہارے والد گرامی، تم اور دوسرے پی ڈی پی جگادریوں نے مون برت نہ توڑا۔ اتنے عرصے میں تم لوگ اس ڈریگن کو غلام نبی آزاد (اس وقت کے چیف منسٹر) کی سربراہی میں اپنی باہوں میں لیتے تھے۔ اسے دودھ پلاتے تھے۔ اس لیے کہ ان اداؤں پر دلی دربار تم پر مہربان ہوتا۔ کیا کہا، ''مجبوریاں''، ''ہاتھ بندھے ہوئے''، کشمیریوں کے مخلص اور قد آور مزاحمتی لیڈر سید علی گیلانی کی ایک ایک بات کی تصدیق تم خود کر رہی ہو، تم بندھوا مزدور ہو اور بادشاہ

سلامت کے حکم کے غلام ہو۔تمہارا بادشاہ سلامت کتنا ہی ظالم کیوں نہ ہو اپنے ہوس اقتدار کے لیے تم اسے نوشیروان عادل ہی کہتے پھرو گے۔وہ قوموں کے حقوق غصب کرے تم اسے حقوق انسانی کے چمپین (Champion) سے کم سطح دینے پر راضی نہ ہو جاؤ گے اور یہ کیا ''عاشقانہ'' باتیں آپ فرما رہی ہیں۔''زہر'' تم تو اقتدار کا امرت پی رہے ہو، ڈریگن کو تم نے ہم مظلوم کشمیریوں کے ڈسنے کے لیے چھوڑ رکھا ہے لیکن یہ مت بھول جانا اس کی یلغار میں تم اور تمہارا گھرانہ بچ پائے گا۔فرصت ملے تو سابقہ ممبر پارلیمنٹ (کانگریس) اور احسان جعفری کی بیوہ کے آنسوؤں میں گلبرگہ سوسائٹی کے ''شام غریبانہ'' کا عکس دیکھ کر آؤ اور اپنا دامن ان ''خوشیوں'' سے بھر لو جو سیکولرازم کی دیوی ان ''روشن'' لمحات کے دوران ہر چہار سُو بکھیرتی جا رہی تھی۔ویسے زہر اصول اور سچائی کے ''جُرم'' کے ارتکاب پر پیا جاتا ہے۔اقتدار کی ساجھے داری کے لیے خوشی کے جام انڈھیل دیے جاتے ہیں اور یہ زہر ہی کیا عجیب، صحتِ اقتدار ہی بخشا چلا جاتا ہے۔محبوبہ کے آنسوؤں کی طرح یہ زہر بھی اب ملاوٹی بن چکا ہے!!

پی ڈی پی کے لیڈر مظفر بیگ بھارت نوازی میں اس حد تک اپنے دوسرے ہمدم ساتھیوں سے سبقت لیے ہوئے ہیں کہ خود کو کبھی اپنے جاموں میں نہیں پاتے۔کشمیری عوام مزاحمتی لیڈر شپ کی سربراہی میں اپنی لینڈ اور اپنے مستقبل کو بچانے کے لیے اُٹھے اور تحریک چلائی تو مظفر بیگ اس حد تک بدحواس ہو گئے کہ انہوں نے بھارت کے حکمرانوں سے کہا کہ وہ اس کے خلاف ''جوابی پروپگنڈا'' (Counter propaganda) شروع کریں۔اس وقت کے بھارت کے وزیر دفاع اے کے انٹونی کی سربراہی میں منعقد ایک میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے بیگ نے کہا کہ ''لینڈ ٹرانسفر ایک نازک مرحلے میں داخل ہوا ہے اور اب حریت متحد ہوگئی ہے۔۔۔آزادی پسند لیڈر شپ کی طرف سے

چلائی گئی ایجی ٹیشن کو بے اثر (Neutralise) کرنے کے لیے قومی سطح پر جوابی پروپگنڈا شروع کرنا ضروری ہے[3]"۔ اسی تقریر میں بیگ نے فوجوں کے انخلاء (Demilitarisation)، جس کا پی ڈی پی بار بار مطالبہ کرتی رہتی تھی، کے بارے میں کہا کہ "پی ڈی پی فوج کے خلاف نہیں ہے اور نا ہی فوج کو بیرکوں میں بھیجنے کے حق میں ہے۔ پارٹی اس ایشو کو محض ایک اسٹریٹجی کے طور پر اچھالتی ہے ہر چند کہ اس پر اصرار نہیں کرتی"۔[4]

مظفر بیگ کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اس امر کا شاہد ہے کہ وہ کشمیری عوام کی خواہشات، آرزوؤں اور جذبات اور ان کے جمہوری اور آئینی حقوق کا بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ کھلواڑ کرتا ہے۔ قانون اور آئین کا اسے محافظ ہونا چاہیے تھا لیکن اپنے حقوق اور مطالبات کے حصول کے لیے برپا عوامی تحریک کا ساتھ دینے کے بجائے وہ بھارت کے حکمرانوں سے التجائیں کرتا ہے کہ خدارا اسے اس "زندہ عذاب" سے نجات دلاو۔ "رگڑا" سے اس کا بلڈ پریشر بڑھتا جاتا ہے۔ عوامی مظاہروں سے وہ خوف زدہ ہے۔ اس کے اعصاب پر سکتہ طاری ہو رہا ہے۔ چنانچہ ساٹھ سے زائد لوگوں کے سینے گولیوں سے چھلنی کرنے سے ہی اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ شہید عزیز کی شہادت سے ہی اسے اپنی غلام گردش کی عمر درازی نصیب ہوتی ہے۔ اقتصادی ناکہ بندی سے ہی تحریک کو نیوٹرالائز کرنا چاہتا ہے۔ بھلا جس اسٹیبلشمنٹ کو اس قبیل کے "شاہ سوار" ملیں اسے اور کیا چاہیے۔ یہی پھر پورس کے ہاتھی بن کر اپنے ہی لوگوں کے صفوں کو روندتے جاتے ہیں۔ عقل حیران ہے اس قسم کے ایڈوکیٹ سیاسی لیڈر اتحاد کو پراذی کیوٹ (Prosecute) کرنے نکل پڑے ہیں۔ وہ بیسک سنٹی مینٹ (Basic Sentiment) کو زنجیروں میں مقید کرنا چاہتے ہیں لیکن وکیل صاحب جانتے ہوں گے ایسا ممکن نہیں۔ باقی رہا فوجوں کے انخلاء کی

بات، اس بارے میں جو کچھ محترم نے فرمایا وہ سو فیصد درست ہے۔ کم از کم پی ڈی پی میں ایسا "جرأت مند" لیڈر بھی کوئی ہے جو مکر وفریب کی "اسٹریٹجی" کو اپنے منہ کا راستہ دکھا کر عوامی نظروں کے سامنے لائے۔ یہ "انکشاف" (جو ہمارے لیے کوئی انکشاف نہیں کیوں کہ پی ڈی پی نے اپنے اخلاص کے برتن کو مدت ہوئی چھید کیا تھا) اس تنظیم پر ایک فرد جرم ہے اور وہ بھی اپنے ہی سینئر لیڈر کے ذریعے، لیکن جہاں ضمیر نام کی چیز قفس ہوس سے رخصت ہو چکی ہو وہاں اس طرح کے چارج شیٹ دائر کرنے سے کیا ہوگا۔ بیگ کا یہ اعتراف پی ڈی پی کی سیاسی شعبدہ بازی کو عریاں کرتا ہے اور یہ اس "عوامی اعتماد" کی صریحاً توہین ہے جس کے احترام کے ہزاروں وعدے ووٹ مانگنے کے دوران سادہ لوح عوام سے کرتے ہیں۔ وہ اُلوؤں کی شاہنائی کے سب سے بڑے مداح ہیں۔ اسی لیے شرناتھیوں کو کشمیر میں بسانے کے لیے وہ پرزور وکالت کرتے آئے ہیں۔ وہ بھاجپہ کی سُرتال میں "انسانیت کی بنیاد پر" کشمیر کو ایک اور فلسطین بنا کر نر اور مادہ بوم کے نکاح کی تقریب از خود انجام دینا چاہتے ہیں۔!!

نیشنل کانفرنس نے شرائن بورڈ کو قائم کر کے نہ صرف آرٹیکل 370 پر تیشہ چلایا اور یہاں یاترا کے نام پر غیر ریاستی لوگوں کی طرف سے ایک متوازی رجیم قائم کرنے میں حلیف کا رول ادا کیا، بلکہ مسلم میجارٹی سٹیٹ اور یہاں کے ماحولیات، تہذیب وثقافت کے لیے بہت بڑی آفت کو دعوت دی، لیکن جونہی تحریک انتفاضہ کے دوران اس تنظیم کو لگا کہ لینڈ ٹرانسفر پر پورا کشمیر پی ڈی پی کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے تو اس کے لیڈروں نے بھی مزاحمتی قائدین کی تقلید کرنا شروع کیا۔ اس وقت کے این سی کے صوبائی صدر محبوب بیگ نے زمین کی منتقلی کو کشمیری عوام کے اعتماد کی بے قدری سے تعبیر کرتے ہوئے کہا "اس سے نہ صرف سندھ فارسٹ ڈویژن کی اکالوجی تباہ ہوگی، بلکہ آخر کار یہ سارا عمل کشمیر کی ڈیموگرافی کی

تبدیلی پر منتج ہوگا[6]''۔ عمر عبداللہ نے 5/جون 2008ء کو اپنے بلاگ "Consuming piosion" میں لکھا ''ہاں، ہم نے شرائن بورڈ قائم کیا، یہ ہم نے یاترا کو صاف وشفاف طریقے پر چلانے اور جوابدہ بنانے کی غرض سے کیا''۔

عمر عبداللہ سے پوچھا جاسکتا ہے اگر مقصد یہی تھا، جیسا کہ وہ باور کرانا چاہتے ہیں، تو یہ ''شفافیت'' (Transparency) اور یہ ''جوابدہی'' (Accountability) اُس وقت کہاں کافور ہوگئی جب تمہارے ڈیڈی شرائن بورڈ کے ذمہ داروں اور گورنر کے ساتھ خفیہ میٹنگوں میں شرکت کر رہے تھے تاکہ جنگلاتی زمین پر مستقل ڈھانچے تعمیر ہوں۔ بورڈ کے قیام کے وقت ان ڈھانچوں کا ذکر نہیں ہوا تھا۔ پھر کیا بورڈ ریاستی حکومت کے دائرہ کار میں رہا یا اس نے اپنی الگ ریاست بنانے کا وتیرہ اختیار کیا؟ بورڈ لیجسلیٹیو اور سائٹ (Legistative oversight)، جس کا تم ذکر کرتے ہو کے اندر رہتا تو بورڈ کے قیام کے بعد یاتریوں کی تعداد میں چالیس سے ساٹھ گنا اضافہ نہ ہوتا اور یوں کشمیر کے ماحولیات اور گپھا کے قرب وجوار کی اکالوجی کو شدید خطرات لاحق نہ ہوتے۔ عمر بڑے فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہاں ہم نے بورڈ بنایا لیکن اس کے نام زمین منتقل نہ کی۔ لیکن سنگھرش سمیتی کی طرف سے اقتصادی بائیکاٹ اور ایجی ٹیشن کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فاروق عبداللہ نے 3/اگست 2008ء کو حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ شرائن بورڈ کو زمین واپس کرے۔ فاروق نے کہا ''کوئی بھی ہوائی جہاز میں کشمیر کی زمین جموں نہیں اڑا لے گا۔ ایس اے ایس بی کو زمین یاترا مدت کے دوران واپس کرنی چاہیے۔ بہت سارے مقامی باشندے یاترا کے دوران اپنی روزی روٹی کماتے ہیں[6]''۔ فاروق عبداللہ نے جیسے خود کو اور این سی کو دودھ سے دُھلا پیش کرتے ہوئے کہا ''این سی شروع سے کہتی آئی ہے کہ ایس اے ایس بی کے ممبران اور چیرمین ریاست کے پشتنی باشندے ہونے چاہییں اور اس کے

لیے مقامی کشمیری پنڈت موزون ترین ہیں"۔[7]

لگتا ہے این سی کے لیڈران، خصوصاً عبداللہ فیملی، پر نشہ طاری ہے جو وہ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں یا وہ کسی آسیب کے ڈسے ہوئے ہیں۔ خود شرائن بورڈ کو انہوں نے کانسٹیچیوٹ کیا یعنی غیر ریاستی باشندوں کو اس کے ممبران بننے کی اجازت دی۔ اب جب کشمیری سڑکوں پر آئے ہیں تو نئی باتیں کرنے لگے ہیں۔ آخر اس بورڈ کو، جو امرناتھ یاترا کی اوٹ میں مسلم اکثریت ریاست کی انفرادیت اور تشخص کو ختم کرنا چاہتا ہے، قائم کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی اور اگر تھی تو مقامی پنڈتوں کو، جو اس کے لیے "موزون ترین" تھے، اس کی تمام تر ذمہ داری کیوں نہ سونپی گئی؟ جب تک پنڈت کمیونٹی کے لوگ امرناتھ یاترا سے کلی طور وابستہ تھے یاترا کا سوائے مذہبی اور کوئی پہلو نہ تھا۔ بورڈ بنا تو اس کے سیاسی، عسکری، تمدنی اور تہذیبی مقاصد مذہبی عقیدت کے پہلو پر غالب آئے اور اس کے لیے این سی لیڈر شپ پوری طرح ذمہ دار ہے۔ کشمیریوں نے کب یاتریوں کو امرناتھ گپھا جانے سے منع کیا؟ کب گپھا تک جانے کے اصل اور بنیادی روٹ پر چلنے سے روک لیا؟ وہ یاترا کے مخالف نہیں، نہ ہو سکتے، وہ یاترا کو استعماری مقاصد اور فرقہ وارانہ ایجنڈے اور درپردہ گھناؤنے مقاصد کے مخالف ہیں اور ستم ظریفی دیکھئے این سی اور پی ڈی پی لیڈران ان ہی گھناؤنے مقاصد کے تکمیل میں اُن قوتوں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔

کانگریس کے لیڈر اور اُس وقت کے وزیر اعلیٰ غلام نبی آزاد جب عوامی تحریک کی شدت سے گھبرا گئے تو انہوں نے کشمیری عوام پر من گھڑت الزامات لگانے شروع کیے اور انتہائی بے تکی باتیں کہنی شروع کیں۔ انہوں نے گوئبلز کو پیچھے چھوڑتے ہوئے کہا "صرف ایک فیصد آبادی اس ایجی ٹیشن میں شامل ہے اور یہ سعودی عرب اور پاکستان کی مالی مدد سے چلتی ہے"[8]۔ ساری دنیا نے اس وقت دیکھ لیا کہ کس طرح پورا کشمیر سڑکوں پر

امنڈ آیا اور لاکھوں کے مجمعے عالمی توجہ کے مرکز بنے۔ خود بھارت کے دانشوروں نے اس تحریک کو سو فیصدی عوامی جذبات کی ترجمان قرار دیا۔ یہ تحریک شرائن بورڈ کو دی گئی جنگلاتی زمین کے خلاف برپا ہوئی نہ کہ جیسا کہ آزاد صاحب نے یہ عذر لنگ تراشا کہ "کشمیر کی نسبت جموں میں زیادہ ڈیولاپمنٹ پر کشمیر کے لوگ نالاں تھے" [9]۔ تاہم جیسا کہ ہر بار ہوتا ہے یہ عوامی احتجاج اور مظاہرہ "ہم کیا چاہتے، آزادی" کا روپ اختیار کرتا ہے۔ اسی حقیقت کو دنیا نے اس بار زیادہ کھل کر دیکھا اور بھارت کی معروف سماجی شخصیت، دانشور اور مصنفہ اروندتی رائے نے اسی نسبت یہ تاریخی بیان دیا کہ "کشمیر کے لوگوں کو دلی سے آزادی کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ خود بھارت کو کشمیر سے آزاد ہونے کی" اور یہاں وزارت اعلیٰ کی کرسی پہ فائز ایک شخص کہتا ہے بس "ایک فیصد" لوگ تحریک میں شامل ہیں۔ خود اس کے آقاؤں کو آزاد صاحب کے صحیح الدماغ ہونے پر شک ہوا ہوگا۔ ان کی زبان سے فوراً نکلا ہوگا "پی کے" (PK)؟؟ بھارت کے پاس روپیوں کی تو کوئی کمی نہیں اور یہاں روپیوں کے سمندر بہا کر وہ صرف اپنے چند گماشتوں کا ہی ضمیر خرید سکا، روپیوں سے ہی وفاداری حاصل کی جاسکتی تو بھارت کے لیے کشمیر کے ہر گھر کو روپیوں سے بھرنا مشکل نہیں مگر وہ جانتا ہے یہاں لوگ اپنے لہو کا نذرانہ دے کر آزادی کی تحریک کو زندہ کیے ہوئے ہیں۔ بھارت سڑکوں پہ سونا بھی بچھائے اور تارے بھی آسمان سے توڑ کر کشمیریوں کی گود میں بھر دے۔ آزادی کی شمع نہیں بجھے گی۔ ان شاء اللہ

Notes and Refrences

1, 2. Rising Kashmir, June 05,2008
3, 4. Greater Kashmir, June 19, 2008
5 Rising Kashmir, June 05, 2008
6, 7 Rising Kashmir, May 24, 2008
8, 9 Rising Kashmir, July 14, 2008

22/اکتوبر

دوقومی نظریہ کی بنیاد پر ہندوستان تقسیم ہوا۔ اس تقسیمی منصوبے کے لحاظ سے کشمیر بحیثیت ایک مسلم اکثریتی ریاست نوزائدہ مملکت پاکستان کا جزولاینفک (Intergral Part) تھا اور مہاراجہ ہری سنگھ کو بغیر کسی پس وپیش ریاست کا الحاق پاکستان سے کرنا چاہیے تھا۔ برطانوی حکومت نے مقامی ریاستوں کے حکمرانوں سے کہا تھا کہ وہ عوامی خواہشات اور جغرافیائی قربت(Contiguity) کو مدنظر رکھتے ہوئے الحاق کا فیصلہ کریں۔ کشمیری عوام کی آرزوؤں، چاہتوں اور تمناؤں کا قبلۂ مقصود پاکستان تھا اور آج سات عشرے گزرنے کے بعد بھی پاکستان کے تئیں اس جذبے میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ دعاؤں اور تمناؤں کا رُخ ہی مغرب کی طرف نہیں، بلکہ یہاں کے دریاؤں نے جنوب کی طرف پیٹھ پھیر کر کشمیری عوام کی ان تمناؤں کے ساتھ خود کو جوڑ کر سرزمین پاکستان کو چوم لیا۔ آسمانوں سے بھی ہر سال اس الحاق کی تائید ہوتی ہے۔ جب تک نہ پاک سرزمین سے رُویت ہلال کی شہادت آئے، ہمارے عقیدے کے غنچوں پر مسکراہٹ نہیں آئے گی, لیکن پاکستان کے ساتھ لگاؤ اور قربت کے تمام تاریخی، ثقافتی، تہذیبی، تمدنی اور دینی رشتوں کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے ریاست کا الحاق بھارت سے کروایا گیا۔ یہ الحاق خود کانگریس کی طرف سے مقامی ریاستوں(Native States) کے ساتھ اپنائی گئی اس پالیسی کے خلاف بھی ہے جس میں ریاست کے عوام کی خواہشات کو راجوں، مہاراجوں اور نوابوں کی ذاتی پسند وخواہش پر مقدم رکھا گیا۔ اسی پالیسی، کے تحت بھارت نے جوناگڑھ کے مسلم حکمران کی

طرف سے ریاست کا الحاق پاکستان کے ساتھ کرنے کا فیصلہ قبول نہ کیا۔ بھارت نے یہ جوناگڑھ میں ہندو غالب تعداد میں ہیں اور مسلم نواب ان کی تقدیر کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ یہی پالیسی نظام حیدرآباد میں اپنائی گئی۔ یہاں کے مسلم حکمران نے بھارت سے الحاق نہ کیا۔ چنانچہ 1948ء میں فوجی ایکشن کے ذریعے، جس میں اے جی نورانی کے مطابق اسی ہزار مسلمان مارے گئے۔ بھارت نے حیدرآباد میں نظام کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا لیکن جب کشمیر کا معاملہ پیش آیا تو ہندو مہاراجہ کی طرف سے کیے گئے الحاق کو مقامی باشندوں کی خواہشات کو روندتے ہوئے ''منظور'' کیا۔ یہ الحاق بھارت کی ریاستوں کے بارے میں اپنائی گئی طے شدہ پالیسی کے خلاف ہے ہی، لیکن مکروفریب اور جعل سازی اور جھوٹ کے پردوں میں لپٹے ہوئے اس الحاق کی کوئی قانونی اور اخلاقی حیثیت بھی نہیں اور یہی حقیقت برطانیہ کے معروف مصنف السٹر لیمب نے اپنی کتاب ڈسپیوٹیڈ لیگیسی (Disputed Legacy) میں کھول کر رکھ دی۔ انہوں نے تاریخی شواہد کے ساتھ ثابت کیا کہ مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے مسودہ الحاق پر صاد کرنے سے قبل ہی بھارتی فوج کشمیر میں داخل ہوئی۔

پاکستان کا جائز اور فطری حصہ نہ بننے دینے کے گھناؤنے منصوبے میں برطانوی سامراج برہمنی استبداد کا حلیف رہا۔ ریڈکلف کی سربراہی میں قائم باؤنڈری کمیشن نے تقسیم شدہ ضابطوں کے مطابق پنجاب کے مسلم اکثریتی ضلع گورداس پورہ کو پاکستان میں شامل کیا تھا۔ جون 1947ء میں جب پنڈت نہرو کو اس کا پتہ چلا تو گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ذریعے اس فیصلے (Award) کو تبدیل کروایا۔ بدعہدی اور فریب کاری کی کوکھ سے جنم پانے والے اس تبدیل شدہ فیصلے کے مطابق مسلم اکثریتی ضلع کے تین تحصیل بھارت میں شامل کیے گئے تا کہ کشمیر سے ملنے کے لیے اسے راہداری ملے۔ یوں گرداس پورسے کاٹے گئے پٹھانکوٹ تحصیل کو ریاست جموں کشمیر کے کٹھوعہ ضلع سے ملا کر ایک پل بنایا گیا۔ ایسا نہ ہوتا تو

کٹھوعہ کے جنوب تک مملکت پاکستان کا حصار قائم رہتا اور بھارت کو کشمیر میں داخل ہونے کا اس قدر آسان زمینی رابطہ نہ ملتا۔ کانگڑا (ہماچل پردیش) کے ذریعے بھارت کی سرحد جموں کشمیر کے مشرقی علاقہ سے ملتی تھی، لیکن وہاں دشوار گزار پہاڑی سلسلہ کی وجہ سے اس سڑک کو بنانے میں سالہا سال لگتے، تب تک ریاست جموں کشمیر کا نقشہ ہی بدل چکا ہوتا۔

گرداس پور سے اس طرح تحصیل چھینے نہیں جاتے تو ظاہر ہے کشمیر پاکستان کا حصہ بن چکا ہوتا۔ جموں کے ساتھ رابطہ کا یہ راستہ انگریز خیانت کار بھارت کو فراہم نہ کرتا تو بھارت قطعی طور پر اپنے منصوبوں میں کامیاب نہ ہوتا۔ نہ مہاراجہ پٹیالہ کی فوج اور ہندو فرقہ پرست فاشسٹ بلوائی ڈوگرہ فوج کے ساتھ مل کر جموں میں مسلمانوں کا قتل عام (Genocide) کرتے۔ نہ بھارت کی فوج کشمیر میں داخل ہوتی۔ انگریزوں کی یہ بدعہدی ایک تاریخی موڑ (Turning Point) ثابت ہوا۔ کشمیری عوام کو غیر یقینیت کے بھنور میں ڈال دیا گیا۔ ان کی آرزوؤں پر شب خون مار کر ان کا مستقبل چھین لیا گیا۔ محکومیت کی زنجیروں میں ان کو باندھ دیا گیا جن کو کاٹنے کے لیے وہ اب تک لہو کے نذرانے پیش کرتے آتے ہیں۔ علاوہ ازیں مسئلہ کشمیر جنم نہ پاتا جس نے برصغیر کے کروڑوں لوگوں کے امن وسکون کو یرغمال بنائے رکھا ہے۔ نہ جنوبی ایشیا نیوکلیر فلیش پوئنٹ(Nuclear Flash Point) کے دہانے پر کھڑا ہوتا۔ بھارت کا غیر منصفانہ اور استعماری رویہ کشمیریوں کو اپنے ساتھ جکڑے ہوئے ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ حق خود ارادیت کے حق میں اقوام متحدہ کی طرف سے پاس کی گئی قراردادوں، جس کو خود بھارت نے تسلیم کیا اور جس کی بار بار یقین دہانیاں بھارت کے حکمرانوں نے پارلیمنٹ کے ایوان اور عالمی فورموں میں کرائیں سے انحراف نہ کرتا۔

اکثریہ جھوٹا پروپگینڈا بھارت اور اس کے کشمیر میں مقیم ضمیر فروش سیاست کاروں

اور وظیفہ خوار صحافیوں کی طرف سے پھیلایا جاتا ہے کہ اگر ''قبائلی حملہ'' نہ ہوتا تو بھارت کشمیر میں فوج کشی نہ کرتا۔ یہاں تفصیلات میں جانے کا موقعہ نہیں (یہ موضوع ایک الگ کتاب کا متقاضی ہے) مختصراً یہ کہ بھارت نے کشمیر کو ہتھیانے کے لیے 22/اکتوبر 1947ء (جب ''قبائلی حملہ'' ہوا) سے قبل ہی سازش کی تھی اور اس کے لیے مکمل تیاریاں کیں تھیں ابھی ہم نے گرداس پور کو پاکستان سے کاٹنے کا حوالہ دیا جس کی ابتدا جون 1947ء میں ہوئی۔ جموں میں مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کا سفاکانہ عمل 22/اکتوبر سے پہلے ہی شروع ہوا تھا۔ 8/اگست 1947ء اور 12/دسمبر 1947ء کے دوران جموں میں ایک لاکھ 18 ہزار 459 مسلمانوں کو قتل اور 13 ہزار 360 کو اغوا کیا گیا۔ کم از کم 80 ہزار اس طرح کی ہلاکتیں پختونوں کے حملہ (22/اکتوبر 1947ء) سے قبل ہوئیں۔ ڈوگرہ ریاست اور اس کے فوجی، جن کی مدد ہندو اور سکھ بلوائی کر رہے تھے، ان ہلاکتوں میں ملوث رہے۔''

"A tally of the death and abduction figures for the seventythree incidents for which publication provides figures shows that 118,459 Muslims were killed and another 13,360 were abducted in J & K during this period (8 August 1947 and 12 December 1947). At least 80,000 of these alleged Muslim deaths occured before the Pukhtoons' invasion

on 22 October 1947, with all incidents related to these deaths involving 'state' or 'Dogra' troops, often assisted by 'non-Muslim civilians', that is, Hindu and Sikhs."[1]

یو این سی آئی پی (UNCIP) یعنی بھارت پاکستان کے لیے اقوام متحدہ کا کمیشن، کی ایک رپورٹ کے مطابق 20/ اکتوبر 1947ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے بھمبر تحصیل کا دورہ کرنے کے دوران مسلمانوں کو ہلاک کرنے کے احکامات دیئے اور عینی شاہدین نے مہاراجہ کو اپنے ہاتھوں دو تین مسلمانوں کو گولی مارتے ہوئے دیکھا۔

"Burried deep in the report (UNCIP's 1949 Report of the sub-committee on Western Kashmir) was mentioned of a Zaildar (revenue collector) who informed UNCIP that 'on 20 October 1947, he heard the Maraja, while visiting (Bhimber) tehsil, give orders that the Muslims were to be exterminated and had seen His Highness shooting two or three."[2]

"دی ٹائمز" (The Times) لندن نے 10/ اگست 1948ء کو اپنے ایک

خصوصی نمائندے کی رپورٹ شائع کی۔ اس میں ''مسلمانوں کا جموں سے خاتمہ'' کے عنوان سے اخبار نے کہا کہ جموں، ادھم پور، کٹھوعہ اور ریاسی کے ضلعوں میں 4 لاکھ 11 ہزار کی مسلم آبادی میں سے پٹھان (قبائل) حملہ سے 5 دن قبل اور الحاق سے 9 دن قبل 2 لاکھ 37 ہزار مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ اس قتل عام کو ڈوگرہ حکومت نے مہاراجہ کی سربراہی میں ہندوؤں اور سکھوں کی مدد سے منظم طریقے سے انجام دیا۔ باقی جو لوگ بچ گئے وہ پاکستان کی طرف مہاجرت کر گئے۔

"Out of a total population of 411,000 Muslims, the Special Correspondant beleived that '237,000 Muslims were systematically exterminated-unless they escaped to Pakistan along the border - by all the forces of Dogra State, headed by the Maharaja in person and aided by Hindus and Sikhs. This happened in October 1947, five days before the Pathan invasion and nine days before the Maharaja's accession to India."[3]

اندازہ کیجئے مسلمانوں کی نسل کشی کا یہ بڑھتا سلسلہ اگر اسی طرح جاری رہتا تو وادی سمیت مسلمانوں کا نام ونشان مٹ جاتا۔ اس نسلی صفائی (Ethnic Cleansing) کو

روکنے کے لیے اور ڈوگرہ ظلم واستبداد کی حکمرانی سے نجات پانے کے لیے میرپورہ جہلم، پونچھ، راجوری، مظفرآباد، راولاکوٹ، باغ علاقوں میں رہنے والے مسلمان منظم ہوئے۔ ان کے ساتھ ڈوگرہ فوج میں شامل مسلمان سپاہی اور سابقہ فوجی اور سرحد کے قبائل، جن کے ساتھ ان علاقوں کے لوگوں کے دینی اور تمدنی تعلقات کے علاوہ رشتہ داریاں بھی تھیں، بھی مل گئے۔ پورے وثوق اور واقعاتی شواہد کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ آزاد علاقے کے رہنے والوں نے وحشت و بربریت کے خلاف دیوار مزاحمت کھڑی نہ کی ہوتی تو ڈوگرہ استبداد ان علاقوں میں مسلمانوں کو تہہ تیغ کرتا ہوا وادی کی طرف رخ کر کے یہاں بھی سفاکیت کا یہی ٹانڈوا ناچ کھیلتا۔ آزاد علاقے کے غیور بھائیوں کے دستِ شمشیر کا ہی نتیجہ ہے کہ وادی اپنا مسلم اکثریتی کردار محفوظ رکھ سکی۔ جموں صوبے میں مسلمان کم تعداد میں نہ تھے۔ 1941ء کی مردم شماری کے مطابق جموں میں مسلمانوں کی آبادی 61.19 فیصد تھی، جبکہ ہندوؤں کی 37.19 فیصد تھی باقی سکھوں اور دوسرے فرقوں کی تھی، لیکن جب حکومتی سطح پر اور دوسری قوتوں کی مدد سے مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا تو یہی تعداد تیس اکتیس فیصد تک گھٹ گئی۔

ایک ایسا حکمران جو چُن چُن کر انتظامیہ، بیروکریسی، فوج اور پولیس سے "قبائلی حملہ" سے ہفتوں قبل مسلمانوں کو نکالتا ہے، جو مہاراجہ پٹیالہ کے سپاہیوں اور ہندو اور سکھ بلوائیوں اور اپنی فوج اور پولیس سب کو مسلمانوں کے قتل اور ان کی بستیوں کو جلانے کے لیے استعمال کرتا ہے اور خود اس نسلی صفائی کی قیادت کرتا ہے اور بزعم خویش نہتے مسلمانوں کو گولیوں سے بھون ڈالتا ہے، کیا اس حکمران کی طرف سے بھارت کے ساتھ کیے گئے الحاق کی کوئی قانونی اعتباریت ہے؟ کیا اس کا کوئی اخلاقی جواز ہے ایسے قاتل اور مجرم کو اور اس کی پوری انتظامیہ کو، اس کے پرائم منسٹر مہر چند مہاجن سمیت نیورمبرگ ٹریبونل میں کھڑا کرنا چاہیے تھا، کجا کہ ریاست کا قانونی اور جائز حکمران مان کر اس کے بھارت کے ساتھ ریاست

کے الحاق کو تسلیم کیا جائے۔ بھارت کے حکمرانوں نے ایسے سفاک قاتل اور مجرم کو جائز حکمران مان کر خود کو اسی کی سطح پر لاکھڑا کر کے ریاست کے مسلمانوں کے تئیں اپنی "نیک نیتی" اور "شفاف" ذہنیت کا ثبوت پیش کیا۔

جسٹس مہر چند مہاجن جیسا متعصب اور مسلم دشمن وسط اکتوبر 1947ء میں "قبائلی حملہ" سے قبل ریاست کا وزیر اعظم بنا دیا جاتا ہے۔ دونوں نہرو اور سردار ولبھ بھائی پٹیل کی آشیرواد اسے حاصل ہوتی ہے۔ جموں میں وارد ہوتے ہی اس نے اپنے محل میں ہندوؤں کے ایک وفد کو اپنے شیطانی ارادوں سے باخبر کیا۔ اس نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ اب جب کہ اقتدار لوگوں کو منتقل ہونے جا رہا ہے ہندوؤں کو ریاست کی آبادی میں برابری کی سطح پر خود کو لانا چاہیے۔ "ایسا کس طرح ہوسکتا ہے؟" وفد نے پوچھا۔ محل کی کھڑکی سے رام نگر کے نیچرل ریزروائر (natural reservoir)، جہاں مسلمانوں کی لاشیں اب بھی پڑی ہوئی تھیں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مہاجن نے برجستہ کہا "بالکل، اسی طرح ریاست میں آبادی کے تناسب کو بدل دیا جاسکتا ہے۔"[4]

ایک سال بعد اکتوبر 1948ء کو بھارت کے وزیر داخلہ سردار ولبھ بھائی پٹیل، جو خود بھی مسلمانوں کے خلاف متعصبانہ ذہنیت کے مالک تھے، نے مہاجن کو آزاد ہندوستان کی سب سے بڑی عدالت کے ابتدائی ججوں میں تعینات کر لیا۔ 1954ء میں مہاجن کو سپریم کورٹ کے سب سے بڑے عہدے چیف جسٹس آف انڈیا، پر فائز کیا گیا۔ "جمہور پسند" اور "سیکولر" پنڈت نہرو نے مہاجن کے مجرمانہ ریکارڈ سے واقف ہونے کے باوصف اس کی تعیناتی پر کوئی اعتراض نہیں اٹھایا۔ بھارت نیشن کے ضمیر کے کسی ایک خلیہ میں بھی ارتعاش پیدا نہیں ہوا کہ آخر انصاف کے سب سے بڑے مندر کا پروہت اس شخص کو کیسے بنایا جاسکتا ہے جس کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ شاید "راج

دھرم'' کے اس ماڈل سے اسٹیٹ انڈیا کشمیر پر اپنے قبضے کی راہیں تلاش کرنا چاہتا تھا۔آخر اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ 4/نومبر 1947ء کو بھارتی وزیر داخلہ پٹیل، وزیرِ دفاع سردار بلدیو سنگھ اور مہاراجہ پٹیالہ سردار یدوندر سنگھ کے جموں پہنچنے کے بعد ہی مسلمانوں کی نسلی صفائی منظم شکل اختیار کرگئی۔ایک گھناؤنی سازش کے تحت موت سے بچنے کے لیے پاکستان جانے کے خواہش مند ہزاروں مسلمانوں کو گاڑیوں میں بھر کر ۵،۶ اور ۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان جانے کا فریب دیا گیا لیکن سانبہ کے قریب انہیں گاڑیوں سے اتار کر وہاں منتظر بندوقوں، تلواروں، بھالوں اور برچھیوں سے لیس تربیت یافتہ دہشت گردوں کے حوالے کیا گیا، جنہوں نے مسلمان مردوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کے رکھ دیا اور عورتوں کو ریپ اور اغوا کیا۔

1947ء میں مسلمانوں کی نسلی صفائی میں چار قوتوں (۱) ڈوگرہ فوج، (۲) پٹیالہ فوج، (۳) آر ایس ایس کے مسلح رضا کاروں اور (۴) سکھ بلوائیوں نے اہم کردار ادا کیا۔ 27/اکتوبر کو جب بھارتی فوج وردی پہن کر کشمیر میں داخل ہوئی تو ڈوگرہ فوج اور پٹیالہ فوج براہِ راست انڈین آرمی کا حصہ بنے، جب کہ آر ایس ایس اور سکھ بلوائی مسلمانوں کو ٹارگٹ کرتے رہے۔ایک اہم بات یہ ہے کہ 13/ستمبر 1947ء سے ہی بھارتی فوج کا ایک جنرل کشمیر سنگھ کٹوچ ڈوگرہ فوج کی کمانڈ سنبھال[5] چکے تھے۔ 22/اکتوبر 1947ء سے 5روز قبل اور 27/اکتوبر سے دس روز قبل پٹیالہ فورسز کا ایک بٹالین کشمیر پہنچا جہاں انہیں دو کام سپرد کیے گئے۔ایک سرینگر آئیر پورٹ کی حفاظت اور دوسرے جموں میں مہاراجہ کے محل کی حفاظت۔جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کیا آئیر پورٹ نے بھارت کے فوجوں کے لینڈ کرنے اور کشمیر پر فوجی قبضہ جمانے میں اہم رول ادا کیا۔ 27/اکتوبر کو جب انڈین آرمی سرینگر میں اتری تو چند روز بعد، جیسا کہ لیفٹیننٹ جنرل ایل پی سین اپنی کتاب

"Slender was the threnď" میں کہتا ہے، پٹیالہ فورسز کو بڈگام میں دیکھ کر وہ انتہائی خوش ہوئے اور فوری طور پر ان کو اپنے کمانڈ میں لے لیا۔[6]

کشمیر کے معروف سماجی کارکن اور صحافی ظہر الدین ڈوگرہ فوج میں بحیثیت ویٹرنری ڈاکٹر کام کرنے والے ایک شخص ڈاکٹر محمد رمضان سے ہوئی ایک گفتگو کے بارے میں کہتے ہیں، جس میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ ''سول لباس میں ملبوس مسلح دستوں (بھارتی فوج) نے ستمبر کے مہینے میں ہی جموں کو اپنی گرفت میں لیا تھا[7]''۔ جیسا کہ ظہر الدین کہتے ہیں، ''یہ وہی بات ہے جو ''ڈینجر اِن کشمیر'' (Danger in Kashmir) کے مصنف، جوزف کاربل کہتے ہیں۔ اس لیے پاکستان، جو کشمیر کے حوالے سے ایک سٹیک ہولڈر (Stake Holder) ہے، کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ کشمیر کو آزاد کرنے کے لیے پونچھ کے مجاہدین آزادی اور قبائلیوں کی عسکری حمایت کرے۔ پاکستان وادی کی طرف جانے والے راستے سے مسلح دستوں کو بھیجنے پر مجبور تھا اس لیے کہ دلی کے طرف سے جموں بھیجے گئے مسلح بلوائیوں، جن کے بارے میں یقین تھا کہ ان میں بھارتی فوجی شامل تھے، نے جموں کو پہلے ہی اپنے قبضے میں لایا[8] تھا۔''

''قبائلی حملہ'' ایک بہانہ تھا ورنہ دلی کے حکمرانوں نے مہینوں پہلے ریاست کو ہتھیانے کی کوششیں کی تھیں، جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ اس حقیقت کو بھی صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا کہ جہاں انگریزوں سے ساز باز کر کے بھارت نے پٹھانکوٹ کے ذریعے جموں کشمیر سے زمینی رابطہ حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی وہیں، جیسا کہ ''سول اینڈ ملٹری گیزیٹ'' (CMG) نے 22/اکتوبر سے تقریباً دو ماہ قبل 29/جولائی 1947ء کو اپنی رپورٹ میں کہا کہ ڈوگرہ حکومت نے مکمل ارادہ باندھ لیا تھا کہ وہ کٹھوعہ سڑک کو پختہ بنائے تا کہ جموں کو پٹھانکوٹ کے ذریعے انڈیا سے ملایا جائے۔ یہ قریب قریب وہی وقت ہے

جب پٹھانکوٹ اور دوسرے دو تحصیلوں کو مسلم اکثریتی گرداس پور ضلع سے کاٹ کر بھارت کے حق میں دینے کی سازش تیار کی گئی تھی۔

"CMG, 29 July 1947, reported that the J & K Government (presciently) intended to metal the Kathua road and 'thus connect Jammu state' with India through Pathankot".

ایک طرف بھارت یہ تمام چالیں چل رہا تھا، دوسری طرف مہاراجہ کی طرف سے حکومتی سطح پر ایسی تبدیلیاں لائی گئیں جو اس جھوٹ کی قلعی کھول دیتا ہے کہ اگر پاکستان ''مداخلت'' نہ کرتا اور ''قبائیلوں کو نہ بھیجتا'' تو ہری سنگھ بھارت کے ساتھ ریاست کا الحاق نہ کرتا۔ پنڈت رام چندر کاک کو مہاراجہ ہری سنگھ نے 11؍اگست 1947ء کو وزارت عظمیٰ کے عہدے سے معزول کیا۔ وہ پہلا مقامی باشندہ (State Subject) تھا جو اس کلیدی عہدے پر فائز کیا گیا تھا۔ کاک کو کشمیری عوام کے احساسات کا اچھی طرح ادراک تھا۔ ان احساسات کو ترجمانی کی زبان دے کر کاک نے مہاراجہ کو مشورہ دیا کہ وہ پاکستان کے ساتھ ریاست کا الحاق کرے۔ کریسٹوفر سنیڈن کشمیر کے ایک ممتاز سیاسی کارکن اور صحافی میر عبدالعزیز، جو شیخ عبداللہ کی حکومت کے عتاب سے بچنے کے لیے میر واعظ یوسف شاہ اور دوسرے کئی سرکردہ کشمیری راہنماؤں کے ساتھ الحاق کے بعد پاکستان چلے گئے کے ساتھ 24؍مارچ 1999ء کی مظفر آباد میں ہوئی ایک ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میر نے اُسے بتایا کہ ''کاک نے مجھے اور میر واعظ یوسف شاہ، جو شیخ عبداللہ کے سیاسی حریف تھے، کو 6؍اگست 1947ء کو بتایا کہ ہری سنگھ بھارت کے ساتھ الحاق کرنے جارہا ہے اور وہ

(کاک) استعفیٰ دینے والا ہے۔"

"....That Kak told him and Mirwaiz Yousuf Shah, a rival of Sheikh Abdullah, on 6 August 1947 that Hari Singh was going to accede to India and that he (Kak) was resigning."[9]

کاک کی جگہ جنرل جنک سنگھ کو وزیر اعظم بنادیا گیا۔ جنک سنگھ، جو مہاراجہ کے رشتہ دار تھے، کو صرف دو مہینوں کے اندر اندر ہٹایا گیا اور اس کے بدلے کٹر فرقہ پرست اور آریہ سماجی اور بھارت کے ساتھ الحاق کے زبردست حامی جسٹس مہر چند مہاجن کو وزیر اعظم بنادیا گیا۔ اسی دوران "ڈوگرہ فوج اور پولیس میں کلیدی عہدوں پر فائز افسروں کو ہٹادیا گیا۔ ان میں پولیس کے انسپکٹر جنرل اور چیف آف اسٹاف بھی شامل ہیں۔ پٹھانکوٹ کے نزدیک دریائے راوی پر پُل بنانے کے احکامات صادر کیے گئے۔ جموں سے کٹھوعہ تک سڑک کو بہتر بنایا گیا۔ ٹیلی گراف لائن جموں اور وادی کے درمیان تعمیر کی گئی۔ یہ سب کچھ بھارت کے عملی تعاون سے ہوا۔"

غور طلب بات یہ ہے کہ ان غیر معمولی واقعات کا ظہور موہن داس کرم چند گاندھی کے کشمیر دورے کے بعد ہوا۔ گاندھی 31رجولائی سے 2راگست 1947ء تک سرینگر میں رہے۔ یکم اگست کو مہاراجہ اور ان کی بیوی مہارانی تارادیوی سے الگ الگ ملے۔ گاندھی کے دلی لوٹنے کے بعد ہی مذکورہ واقعات رونما ہوئے۔ اس کے علاوہ شیخ عبداللہ بھی 27رستمبر 1947ء کو جیل سے رہا کیے گئے۔ سوال یہ ہے اس وقت جب ہندوستان فرقہ پرستی کی آگ میں جل رہا تھا، گاندھی کو ہندوستان میں ہونا چاہیے تھا یا سرینگر میں، جہاں کسی قسم کی کوئی مذہبی منافرت اقلیتوں کے خلاف نہیں پائی جاتی تھی اور ان کا مال وجان،

عزت وآبرو ہر طرح سے مسلم ہمسائیگی میں محفوظ تھا؟ گاندھی کا یہ دورہ بھارت کے ان ہی مقاصد کی تکمیل کے لیے تھا جس کا ہم نے اوپر تذکرہ کیا۔ دی ٹائمز لندن اس بارے میں کہتا ہے۔

"What exactly did Gandhi tell the Maharaja? We will never know, but the chain of events that followed his visit is an indicator of what must have happened. After his visit, the Prime Minister of Kashmir, Ram Chandar Kak, who had no inclination towards India was replaced by Janak Singh and then by the Indian loyalist, Mehr Chand Mahajan. The British officers in the Kashmir Army and Police were dismissed including the Inspector General of Police and the Chief of the General Staff. Orders for construction of a bridge over the Ravi River, near Pathankot, to allow connectivity between India and Jammu and Kashmir were issued. The road

between Jammu and Kathua was improved and a telegraph line was constructed between Jammu and the valley. This was all possible because of assistance from India."[10]

گاندھی کے دورے کے بعد سرعت کے ساتھ اور دُوررس نتائج کے حامل جو واقعات پیش آئے وہ ''سچائی کے علمبردار'' کو کشمیر کے حوالے سے متعصب، غیر حقیقت پسند اور انصاف کُش ثابت کرتے ہیں اور پھر جب کشمیر کو محکوم بنانے کے لیے بھارت کشمیر پر فوج کُشی کرتا ہے تو گاندھی پورا آشیر[11] واد اس مہم جوئی کے لیے فوج کو دیتا ہے۔ یوں 1846ء کی ''بکرما پتر'' (Sale Deed) کو وہ اپنے آشیر واد سے نئی روح پھونک دیتا ہے، جس کی کبھی انہوں نے مخالفت کی تھی۔ گاندھی کی آنکھوں کے سامنے ریڈکلف ماؤنٹ بیٹن کے ایما پر نہرو کی ملی بھگت کے ساتھ ایوارڈ کو بدل دیتا ہے لیکن اس کُھلی بد دیانتی پر گاندھی خاموش رہتا ہے اور اپنی خاموشی سے اس غیر منصفانہ فیصلے کی تائید کرتا ہے اور لطف تو یہ کہ ایک طرف بھارت کا ''فادر آف نیشن'' (Father of Nation) کھلم کھلا رام راجیہ کی وکالت کرتا رہتا ہے اور پراتھنا سبھاؤں کے ذریعے ہندو تہذیب وتمدن کو فروغ دیتا رہتا ہے۔ دوسری طرف کانگریس سیکولرازم کا ڈھونگ رچا کر متحدہ قومیت کا نعرہ دیتی ہے۔ بھلا ''بغل میں چھری، منہ میں رام رام'' کے اس طرح کے ''منوواد'' میں کشمیریوں کے پیدائشی اور جمہوری حقوق سلب نہ ہوتے تو اور کیا ہوتا!! اور ہاں گاندھی کے فوت ہونے سے تین چار مہینے قبل جموں میں لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا، گاندھی ایسے موقعوں پر پدیاترا کرتے تھے، لیکن اس نسلی صفائی بلکہ ہالوکاسٹ پر محض زبانی ناپسندیدگی کے اور کچھ نہ کیا۔!

Notes and Refrences

1, 2, 3. Kashmir - The Unwritten History

- Christopher Sneden (p, 49, 51, 55)

4. Ved Bhasin's interview to 'Kashmir Life', October 03, 2009

5. مشہور انگریزی مورخ Patrick French اپنی کتاب Liberty of Death صفحہ 344 میں لکھتا ہے:

"For several weeks India has been secretly supplying ammunition to the State Armed Forces"

6. On nearing the feature I was astonished to find a battery of Mountain Artillery deployed for action. It was in a fold of the ground which made it invisible from the main road. The gun pits had ben dug and the gun crews were relaxing beside their guns. As I stood watching them, with an equally surprised Intelligence offices, the Battery Commander came forward to meet me. As a result of our conversation I learnt that it was the Patiala Mountain Battery which had been sent to the valley in answer to the request made by the Maharaja of J&K to the Maharaja of Patiala, and had been in Kashmir about ten days....This was a most welcome bonus and I immediately informed the Battery Commander that from that moment his Battery would form part of and be under command of HQ 161 Infantry Brigade, and would act on orders received only from my Headquarters...."

- Slender was the thread (P.64) by Lt. gen. L.P. Sen

7, 8. Jinnah refused Nehru's offer - Zahirud-Din, Kashmir Reader, May 22, 2015

9. Kashmir - The Unwritten History

- Christopher Sneden (p -318)

وی پی مینن اپنی کتاب Integration of States میں بھی اعتراف کرتے ہیں کہ قبائلیوں کے حملے سے قبل دو دفعہ مہاراجہ ہری سنگھ نے بھارت سے الحاق کی خواہش کا اظہار کیا۔

"Twice he offered to accept to India well before the raiders attacked his state."

10. The Times, London, October 25, 1947

11. لیفٹیننٹ جنرل ایل پی سین اپنی کتاب "Slender was the thread" میں کہتے ہیں کہ "جب میں گاندھی جی سے آشیرواد حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس گیا تو میں نے ان سے پوچھا مجھے کشمیر میں کیا کرنا چاہیے۔ گاندھی جی مسکرائے اور کہا "تم معصوم لوگوں کے جان و املاک کی حفاظت کرنے اور انہیں مصائب سے نجات دلانے کے لیے وہاں جا رہے ہو۔ اس مقصد کے لیے ہر طرح کے اقدامات اٹھانے چاہییں۔"

"You are going to protect innocent people and to save them from sufferings and their property from destruction. To achieve that you must naturally make full use of every means at your disposal." (P. 56)

ہر طاقتور کمزور قوم پر چڑھ دوڑنے کے لیے ایسے ہی "نیک مقاصد" کی تشہیر کرتا ہے اور پھر بہت جلد تمام وعدوں کو بھلا کر وہی کچھ کرتا جو ہر استعمار کا شیوہ ہے۔ گاندھی کی مسرت اور مسکراہٹ ان کے عدم تشدد کے فلسفے کا خوب مذاق اڑاتی ہے۔ پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر پاکستان ان ہی "نیک مقاصد" کی آبیاری کے لیے جونا گڈھ پر فوج کشی کرتا تو کیا ایم کے گاندھی اسی مسکراہٹ اور اسی آشیرواد کے ساتھ اس کو قبول کرتے؟؟

استصواب کا فریب

27 اکتوبر 1947ء کو بھارت کشمیر پر چڑھ دوڑا اور فوج سرینگر میں اُتاری۔ قطع نظر اس کے کانگریس لیڈر شپ نے مسلم اکثریتی ریاست کو بھارت کے ساتھ ملانے، بلکہ جکڑے رکھنے میں کس قسم کا سازشی کھیل کھیلا اور مکر وفریب کے کتنے حربے استعمال کیے اور ڈوگرہ سرکار کی طرف سے جموں کو مسلم اقلیت میں تبدیل کرنے میں اس کا کیا رول رہا۔ فوجی اقدام کو اس نے اس طرح پروجیکٹ کیا جیسے کشمیری ایک مسیحا کی آمد کے منتظر تھے جو "قبائلی حملہ آوروں" اور "سرحد پار دراندازوں" سے کشمیر کی سرزمین کو "پاک" کر کے "مظلوم اور محکوم" کشمیریوں کو سلب شدہ "جمہوری حقوق" بحال کرنا چاہتے تھے اور "خدمتِ انسانیت" کی یہی وہ کشش ہے جو بھارت کے "سورماؤں" کو کشمیر کھینچ کے لیے آئی ہے۔ چنانچہ اخلاقی پوزیشن کے آخری زینے پر خود کو متمکن کر کے اسی روز بھارت کے "جمہور نواز" وزیرِاعظم پنڈت نہرو نے پاکستان کے وزیرِ اعظم کو ٹیلی گرام بھیج کر یقین دلایا کہ "بھارت فوج بھیج کر الحاق کے سوال کو اپنے حق میں اثرانداز نہیں کرنا چاہتا ہے اور کشمیریوں کے فیصلے کو وہ قبول کریں گے۔ اس لیے کہ یہ بھارت کا موقف رہا ہے کہ کسی متنازعہ خطے یا ریاست کے لوگوں کا الحاق کے سوال پر فیصلہ کرنا ان کی مرضی کے تابع ہے۔[1]

اپنے "جمہور نواز" سینے کو مزید پھُلاتے ہوئے نہرو نے 31 اکتوبر 1947ء کو وزیر اعظم پاکستان کے نام ایک ٹیلی گرام (نمبر 225) میں کہا کہ "ہم نے مہاراجہ کی درخواست اور مسلم غلبہ والی ریاست کی سب سے بڑی عوامی پارٹی اور نمائندہ تنظیم کی تائید سے

بھارت کے ساتھ الحاق منظور کیا۔اسی پر ہم نے اکتفا نہ کیا، بلکہ از خود یہ شرط لگا دی کہ جیسے ہی امن وقانون کی صورتحال بحال ہو جاتی ہے تو ریاست کے عوام کو موقعہ دیا جائے گا کہ الحاق کے سوال پر فیصلہ کریں۔"

"Kashmir's accession to India was accepted by us at the request of the Maharaja's government and the most numerously representative popular organization in the state which is predominantly Muslim. Even then it was accepted on condition that as soon as law and order had been restored, the people of Kashmir would decide the question of accession. It is open to them to accede to either Dominion then,"

الحاق کو عوامی خواہشات کے مطابق حل کرنے کی پالیسی پر سختی سے کاربند رہنے کا ذکر کرتے ہوئے نہرو نے 2/اکتوبر 1947ء کو ریڈیو براڈ کاسٹ میں کہا کہ"اسی پالیسی کے تحت ہم نے دستاویز الحاق میں اس شق کو شامل کیا۔"

"...It is in accordance with this policy that we have added a proviso to the

instrument of accession of Kashmir."

بھارت کے لیڈروں نے جمہوری آدرشوں پر بھارت کو چلانے اور قوموں کو اپنے پیدائشی حقوق دلانے کی جو ماسک چہرے پر لگا دی تھی اس میں سامراجیت کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ وہ تو کشمیریوں اور دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ بھارت صرف ایک ڈیموکریٹک ریاست ہے جس میں قوموں کو اپنی خواہشات کے برعکس غلام نہیں بنایا جاتا ہے، بلکہ ان کے اس پیدائشی جمہوری حق کے تحفظ کے لیے فوجی مدد بھی دیتا ہے۔ اپنی پارسائی اور نیک نیتی دکھانے کے لیے اسی لیے نہرو نے وزیراعظم پاکستان سے 21 نومبر 1947ء کو اپنے خط (نمبر 368) میں نہ صرف الحاق کو عوام کی مرضی سے مشروط رکھنے کی سابقہ پالیسی دہرائی، بلکہ اقوام متحدہ کی نگرانی میں الحاق کے سوال کو استصواب یا ریفرنڈم کے ذریعے حل کرنے کا اعلان بھی کیا، گو کہ اقوام متحدہ کی طرف سے ابھی تک کشمیر کے تنازعہ کو حل کرنے کے سلسلے میں کوئی قرارداد پاس نہیں کی گئی تھی۔

> "I have repeatedly stated that as soon as peace and order have been established, Kashmir should decide of accession by Plebiscite or referendum under international auspices such as those of United Nations."

پھر جب بھارت کشمیر کے ایشو کو اقوام متحدہ کے پاس لے کر گیا تو وزیراعظم ہند پنڈت نہرو نے جنوری 1952ء میں پارلیمنٹ میں کہا کہ "اقوام متحدہ کی طرف سے اس بارے میں جو بھی فیصلہ آتا ہے ہم نے انہیں یقین دلایا کہ بھارت اس کو قبول کرے گا"۔

نہرو نے یہ بھی کہا "کشمیر بھارت اور پاکستان کی کوئی جائیداد (جاگیر) نہیں ہے۔ کشمیر کشمیری عوام کا ہے.... اگر وہ ہمیں نکل جانے کو کہیں تو ہمیں وہاں سے نکلنے میں کوئی پس و پیش نہیں ہو گا۔"

"It is not the property of either India or Pakistan. It belongs to the Kashmiri people. When Kashmir acceded to India, we made it clear to the leaders of the Kashmiri people that we would ultimately abide by the verdict of their Plebiscite. If they tell us to walk out, I would have no hesitation in quitting. We have taken the issue to United Nations and given our word of honour for a peaceful solution. As a great nation we cannot go back on it. We have left the question for final solution to the people of Kashmir and we are determined to abide by their decision."[2]

جیسے کہ اس دھرتی پر عوامی حقوق اور آرزوؤں کا احترام کرنے والا بھارت سے بڑھ کر کوئی ملک نہیں، پنڈت نہرو نے اگست 1952ء کو بھارتی پارلیمان کو بتایا کہ "کشمیر

کے مسئلہ کا حل بھارتی پارلیمنٹ کی مرضی اور خواہشات کے تابع نہیں، صرف کشمیری عوام کی خواہشات کے مطابق اس کو حل کیا جا سکتا ہے۔ بھارتی پارلیمنٹ اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کشمیریوں پر مسلط نہیں کر سکتی کیونکہ یہ پارلیمنٹ کے اصولوں کے منافی ہے..... یہ صرف کشمیر کے عوام ہیں جو کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ چاہے ہمیں کشمیر چھوڑنے میں کتنی تکلیف کیوں نہ ہو، لیکن ہم لوگوں کی خواہشات کے خلاف وہاں نہیں رہ سکتے۔ ہم خنجر کی نوک پر اپنی مرضی ان پر مسلط نہیں کر سکتے۔"

"Let me say clearly that we accept the basic proposition that the future of Kashmir is going to be decided finally by the goodwill and pleasure of her people. The goodwill and pleasure of this Parliament is of no importance in this matter, not because this Parliament does not have the strength to decide the question of Kashmir but because any kind of imposition would be against the principles that this Parliament holds. Kashmir is very close to our minds and hearts and if by some decree or adverse fortune, ceases to

be a part of India, it will be a wrench and a pain and torment for us. If, however, the people of Kashmir do not wish to remain with us, let them go by all means. We will not keep them against their will, however painful it may be to us. I want to stress that it is only the people of Kashmir who can decide the future of Kashmir. It is not that we have merely said that to the United Nations and to the people of Kashmir, it is our conviction and one that is borne out by the policy that we have pursued, not only in Kashmir but everywhere. Though these five years have meant a lot of trouble and expense and in spite of all we have done, we would willingly leave if it was made clear to us that the people of Kashmir wanted us to go. However sad

we may feel about leaving we are not going to stay against the wishes of the people. We are not going to impose ourselves on them on the point of the bayonet."

کشمیری عوام کے جائز حقوق کے احترام میں بھارتی نیتاؤں کا یہ ظاہری طور جمہور پسند اپروچ اگر فی الحقیقت خلوص اور نیک نیتی کی بنیاد پر ہوتا تو اس بارے میں کیے گئے تمام اعلانات، یقین دہانیوں اور معاہدوں سے وہ منحرف نہ ہوتے۔ اصل میں، جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کیا، ان جمہوری اقدار کے اپدیش سنانے اور اس بارے میں کیے گئے بلند بانگ دعوؤں کے پیچھے وہ اپنے سیاسی اور قومی مقاصد کو تقویت دینا چاہتے تھے۔ دوسرے وہ اس زعم میں مبتلا تھے کہ شیخ عبداللہ جیسے ''کشمیری عوام کی سب سے بڑی عوامی شخصیت'' کو اپنا ہمنوا بنانے اور الحاق کی تائید کے بعد انہوں نے گویا استصواب کو جیت لیا ہے۔ عوامی مقبولیت کی بنا پر شیخ عبداللہ کو اپنے تُرپ کا پتہ سمجھتے تھے کہ جس کے ہوتے ہوئے وہ ہر بازی پلٹ سکتے ہیں۔ چنانچہ اندرا گاندھی مئی 1948ء میں شیخ صاحب کی اسی امیج کی بنا پر اپنے والد وزیر اعظم پنڈت نہرو کو سرینگر سے لکھتی ہیں کہ ''شیخ عبداللہ پُر اعتماد ہیں کہ ہم استصواب جیت سکتے ہیں، حالانکہ دوسرے لوگ ایسا نہیں کہتے''[3]۔ لیکن زیادہ دیر نہ ہوئی خود شیخ عبداللہ کا یہ اعتماد کافور ہوا اور انہوں نے بھی اپنی رائے ترک کی۔ 14ر جولائی 1953ء کو بھارت کے صدر راجندرا پرساد نے یہی بات نہرو سے کہی جب نائب صدر رادھا کرشن کشمیر کے دورے سے واپس لوٹے[4]۔ ان ارضی حقائق سے تاب لانے کی بھارت کے حکمرانوں کو جرأت نہ تھی۔ انہوں نے شیخ عبداللہ سے الحاق کی تائید

کروائی، اب سمجھتے تھے کہ عوامی تائید بھی ان ہی کے ذریعے بھارت کو مل سکتی تھی ،لیکن یہاں کی غالب اکثریت اس وقت بھی بھارت سے الحاق کے خلاف تھی جب بھارت نے ہری سنگھ کی جیل سے شیخ کو چھڑوایا اور دہلی میں بلا کر نہرو نے ان کو اپنا مہمانِ خصوصی بنایا اور آج بھی وہ الحاق کو تسلیم نہیں کرتے ۔ 1975ء میں تحریکِ حق خود ارادیت کو شیخ کی طرف سے تیاگ دینے اور بھارتی مین اسٹریم کا حصہ بننے کے باوجود کشمیر کے لوگ اپنے جمہوری حق سے دست بردار نہ ہوئے۔

بھارت دنیا کو جمہوریت کا جو وعظ پڑھتا تھا وہ اس لیے نہ تھا کہ اس کے قلب و ذہن میں ان اصولوں کی پاکیزگی اور صداقت جڑ پکڑ چکی تھی ، وہ شیخ کی عوامی ساکھ اور ''جمہوری'' طریقے سے کشمیر جیت لینا چاہتا تھا لیکن جونہی اسے معلوم ہوا کہ شیخ عبداللہ بھی اس کے مرض کا مداوا نہیں تو وہ اپنے تمام وعدوں اور یقین دہانیوں سے مکر گیا اور پھر کشمیر پر اپنی گرفت قائم رکھنے کے لیے وہ سب کچھ کیا جو ایک امپیریلسٹ کسی محکوم قوم کو بزورِ قوت اپنے ساتھ باندھے رکھنے کے لیے کرتا ہے ۔خود شیخ عبداللہ جب بھارت کے توقعات پر پورا نہ اُتر سکا تو ان کی حکومت بھی برطرف کی گئی اور انہیں جیل بھیج دیا گیا۔ پھر استصواب بھی فراموش اور ریفرنڈم بھی حافظے سے محو۔ سلامتی کونسل کی قراردادیں بھی ناقابلِ عمل، اتنا ہی نہیں جو کوئی بھارت کو اپنے وعدے پورے کرنے کی طرف توجہ دلائے، اُس پر اُلٹا بغاوت (Treason) کا مقدمہ دائر اور زندان اس کا مقدر۔ افسپا کا عفریت پائے کوب، پی ایس اے کی تلوار بے نیام!

شیخ عبداللہ کی سیاسی قد و قامت اپنی جگہ، نیشنل کانفرنس جیسی عوامی تنظیم کا اثر و رسوخ اپنی جگہ ،لیکن تلخ حقیقت یہ ہے کہ شیخ کی چاہتوں کے علی الرغم کشمیر کا سوادِ اعظم بھارت سے الحاق کے خلاف ، جبکہ پاکستان کے ساتھ اپنا مستقبل وابستہ کرنے کی آرزو رکھتا تھا۔ شیخ

عبداللہ کو اس کا احساس بہت جلد ہوا۔ بھارت کو اگر استصواب جیتنے کا یقین ہوتا تو وہ کب کا ریفرنڈم کروا چکا ہوتا۔ بھارت کا انکار اس امر کا شاہد ہے کہ کشمیر کے حوالے سے پاکستان کی اخلاقی اور قانونی پوزیشن کی برتری کے سامنے بھارت خود اپنی امیج ایک جارح کی سی بناتا ہے۔ اسی لیے جہاں پاکستان کشمیریوں کے حق خودارادیت کا آج بھی حامی ہے اور سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق اس مسئلہ کا حل چاہتا ہے۔ بھارت "اٹوٹ انگ" کا راگ الاپ کر خود اقوام متحدہ کے چارٹر کی خلاف ورزی کرتا ہے اور لطف یہ کہ اس داغ کو اپنی پیشانی پر سجا کر سلامتی کونسل کا مستقل ممبر بننے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ بھارت پہلے کشمیریوں کو اپنا پیدائشی حق، حق خودارادیت دے تب ہی وہ جمہور نواز مانا جائے گا۔ پوسٹ کولونیل (Post-Clonial) دنیا میں جمہوریت اور استعماریت ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔

13 / اگست 1947ء کو سرینگر میں مقیم برٹش ریذیڈنٹ نے کشمیری عوام کی غالب اکثریت کے دلی خواہشات کو دیکھتے ہوئے کہا کہ "کشمیری عوام کی اکثریت پاکستان کے حق میں غالباً فیصلہ دے گی اگر انہیں اس کا موقعہ دیا جائے۔

"Bulk of J & K population if consulted would probably favour Pakistan...."[5]

سرینگر میں مقیم کشمیر ٹائمز کے سابقہ ایڈیٹر جی کے رڈی، جو کہ ساوتھ انڈین ہیں کا حوالہ دے کے سول اینڈ ملٹری گیزٹ (CMG) نے 28 / اکتوبر 1947ء کو اپنی رپورٹ میں رڈی کے اِن تاثرات کو بیان کیا کہ "ریاست کے عوام بہت بڑی اکثریت کی خواہش یہ ہے کہ کشمیر کا الحاق پاکستان سے ہو۔"

"The vast majority of the state people want that Kashmir state should accede

to Pakistan."

دی ٹائمز لندن نے 20 نومبر 1947ء کو "قبائلی حملہ" کے ایک ماہ بعد کشمیریوں کی آرزوؤں اور تمناؤں کے اسی رخ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتی ہے۔"

"(There was) little doubt that the bulk of Muslim population desired to join Pakistan."

1947ء میں ریاست میں غیر مسلم کل آبادی کا 23 فیصد تھے۔ ان میں بھارت نواز جموی ہندوؤں کی تعداد 18 فیصد تھی۔ جموی ہندوؤں میں ہندو ڈوگرہ جموں صوبے کے مشرق میں آباد تھے اور مہاراجہ کے وفادار تھے۔ ان ہی علاقوں میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ مذہبی بنیاد پر وہ بھارت کے ساتھ الحاق کے حق میں تھے۔ پنڈت ریاست کی کل آبادی کا 2.1 فیصد تھے اور وادی میں آباد تھے۔ سکھ ایک اعشاریہ چار فیصد، جبکہ بودھ ایک فیصد تھے۔ کشمیر کسان مزدور کانفرنس جس کی سربراہی معروف پنڈت مصنف، صحافی، دانشور اور لیڈر پریم ناتھ بزاز کر رہے تھے پاکستان کے ساتھ الحاق چاہتے تھے 9 اکتوبر 1947ء کو کشمیر کسان مزدور کانفرنس نے مہاراجہ پر زور دیا کہ وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کرے۔ پریم ناتھ بزاز نے 1951ء میں کہا کہ "کشمیر مسلم اکثریتی ریاست ہے اس لیے عقل اور انصاف ہر اعتبار سے جائز ہے کہ کشمیر کو پاکستان کے ساتھ شامل ہونے دیا جائے۔"

"Kashmir is predominantly Muslim. It is therefore just and rational as well as democratic that it should be allowed to

accede to Pakistan" [6]

ریاست کے جموی ہندو، بالخصوص ڈوگرہ، مذہب کی بنیاد پر بھارت سے اپنی قسمت وابستہ کرنا چاہتے۔ لیکن 77 فیصد مسلمان اس بنیاد پر پاکستان سے ملنا چاہتے۔ جو تقسیم ہندوستان کی بنیاد پر ان کا جائز حق تھا، اسے سلب کیا جاتا ہے۔ حیدر آباد میں بھی مسلمان کافی تعداد میں تھے اور ڈوگرہ ہندوؤں کی طرح حکمران طبقے سے اپنی وابستگی رکھتے تھے یا پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتے تھے مگر یہ کہہ کر ان کی تمام خواہشات رد کر دی گئیں کہ تم اقلیت میں ہو اس لیے تمہیں اکثریتی ہندو فرقے کے ساتھ بھارت میں رہنا ہوگا۔ بھارت نے فوجی طاقت کے ذریعے مسلم اقلیت کو حیدر آباد میں "سیدھا" کیا۔ جونا گڑھ میں بھی یہی کیا۔ مگر کشمیر میں بھارت کے جمہوری اوزان بدل جاتے ہیں اور وہ جمہوریت کو ریپ کرنے سے بھی باز نہیں آتا۔ جونا گڑھ یا حیدر آباد میں عوامی خواہشات کے برخلاف پاکستان قابض ہوتا تو مقررہ وقت کے الیکشن وہ بھی کراتا اور ان کو اپنے حق میں ریفرنڈم سمجھتا! عجب تماشا ہے خود کانگریس نے برطانوی راج میں الیکشن میں حصہ لیا۔ حالانکہ یونین جیک پوری دھرتی پر لہراتا تھا لیکن برطانیہ اتنا بے حیا نہ تھا کہ ان الیکشن کو استصواب کا ہم معنیٰ قرار دے۔ بھارت کشمیر میں یہ کارنامہ دے کر اس اعتبار سے بڑا "جری اور بے باک" ثابت ہوا ہے۔ حالانکہ اقوام متحدہ کی قرارداد چیخ چیخ کر کہتی ہے کہ ان انتخابات کو عالمی برادری کی نگاہ میں بجز اس کے اور کوئی حیثیت نہیں کہ یہ مقامی نوعیت کے مسائل حل کرنے کے لیے ہیں اور یہ الیکشن استصواب کا نعم البدل نہیں ہو سکتے۔

Notes and Refrences

1 Telegraph No-402/Primin/227 - Dated October 27, 1947

2 Amrita Bazaz Patrika Calcutta - June 2, 1952

3, 4. Article 370 - A G Noorani (P 9)

5, 6 Kashmir - The Unwritten History - Christopher Sneden (p -15)

دنیا کی خوبصورت ترین جیل

بھارت کی طرف سے کشمیر میں فوج کشی سے قبل ڈوگرہ فوج کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی جو پورے جموں کشمیر بشمول آج کے آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کی سرحدوں کی حفاظت کرتی تھی اور جس کے شمال اور مغربی سرحد پر دو بڑی طاقتیں چین اور روس اپنا فوجی حصار قائم کیے ہوئے تھیں۔ انگریزوں نے یہاں چھاؤنیاں نہیں بنائی تھیں گوکہ سیاسی اور فوجی مدد ضرورت پڑنے پر ان کو دلی سے مل سکتی تھی۔ کرسٹوفر سنیڈن، میجر کے برہما سنگھ کی کتاب ''ہسٹری آف جموں اینڈ کشمیر رائفلز 1820ء تا 1956ء'' کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ 1939ء میں ڈوگرہ فوج کی کُل تعداد 9 ہزار ایک سو تھی[1] جس میں جموی مسلمانوں کا تناسب صرف 25 فیصد تھا جب کہ ڈوگرہ ہندو کمیونٹی، جس سے ڈوگرہ حکمران طبقے کا تعلق تھا غالب تعداد میں تھی، یعنی 63 فیصد۔ کشمیری مسلمانوں کو یہ کہہ کر فوجی سروس سے دور رکھا جاتا تھا کہ وہ ایک ''نان مارشل ریس'' (Non Martial Race) ہے۔ یعنی فوجی خدمت انجام دینے کے قابل نہیں۔ (یہ الگ بات ہے کشمیریوں نے مغل فوجیوں کو بھی شکست دی ہے اور شاہمیری دور میں کشمیر کی سرحدیں ہماچل پردیش تک پھیل چکی تھیں۔ اصل میں یہ کشمیر کے لوگوں کا خوف تھا کہ جس کی بنا پر مطلق العنان ڈوگرہ حکمران ان کو فوج میں لینے کے حق میں نہ تھے۔ اس لیے ہر طرح سے اور ہر سطح پر وہ ان کے جذبۂ حریت کو کچلنے کی تدبیریں ڈھونڈ رہے تھے۔)

غیر منقسم ریاست میں زیادہ جگہوں پر فوجی چھاؤنیاں نہ تھیں اور نہ ان کی تحویل

میں اتنی زمین تھی جتنی صرف اس حصہ والے کشمیر میں بھارت کے فوجوں کے قبضے میں ہے۔ٹائمز آف انڈیا(12 ر اپریل 2009ء) کے مطابق بھارت کے فوجوں کی کل تعداد 13 لاکھ ہے۔بھارت کے اسی بڑے انگریزی روزنامے نے جون 2010ء کے سنڈے ایڈیشن کے ایک سپیشل رپورٹ ''محاصرے میں''(Under Siege) میں لکھا ہے کہ جموں کشمیر میں بھارت کی پانچ لاکھ فوج[2] تعینات ہے جو ایک کروڑ کی آبادی والی ریاست میں ''فوج اور عام شہریوں کے مابین تناسب کے لحاظ سے نامعقول ہے خصوصاً وادیٔ کشمیر میں یہ صورتحال بدتر ہے۔''

> "That is skewed security personnel to civilian polulation ratio and it gets worse in Kashmir valley."

اخبار لکھتا ہے کہ پانچ لاکھ فوجیوں کے علاوہ 70 ر ہزار سی آر پی ایف اہلکار بھی ریاست میں ڈیوٹی دے رہے ہیں۔ایک لاکھ پولیس فورس بھی ہے جو امن وقانون کی صورتحال کی نگرانی کے علاوہ فوج اور پیراملٹری فورسز کو ''کونٹر انسرجنسی'' (Counter Insurgency) میں مدد کرتی ہے۔اتنا ہی نہیں ہزاروں کی تعداد میں سرکاری بندوق بردار(State Gunmen)فوج، نیم فوجی دستوں اور پولیس کے سپیشل گروپ کے ساتھ کام کرتے ہیں۔دیہی حفاظتی کمیٹیوں کے نام پر ہزاروں مسلح افراد کو بھی تیار کیا گیا ہے۔اسی طرح کشمیر کو دنیا کے سب سے بڑا قلعہ بند علاقے(Fortified Zone) میں تبدیل کیا گیا ہے۔

اپنی رپورٹ میں ٹائمز آف انڈیا نے یہ بھی کہا ہے کہ ''جموں میں مقیم فوج کا 16 کورڈویژن ایک وقت میں پوری برطانوی فوج سے بڑا تھا، حالانکہ اس طرح کے دو

اور کور بھی ریاست میں موجود ہیں۔"

"....That army's Jammu based 16 corps was, at one time, bigger than the British army. This, despite there being two other corps in the state as well."

محکمہ دفاع سے متعلق ویب سائٹ کے مطابق ایک لاکھ 80 ہزار بی ایس ایف اہلکاروں کی کل تعداد میں ایک تہائی یعنی 60 ہزار ریاست جموں کشمیر میں تعینات ہیں[3]۔ ریاست میں سی آر پی ایف (سینٹرل ریزرو پولیس فورس) کے کل 75 بٹالین آپریٹ کر رہے ہیں۔ ان میں سے 65 بٹالین صرف کشمیر میں ہیں[4]۔ یاد رہے ہر بٹالین ایک ہزار اہلکاروں پر مشتمل ہے۔ ریاست جموں کشمیر میں 2014ء میں پولیس فورس کی تعداد 78,242 بتائی گئی ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا کے اپنے اعداد وشمار کے مطابق یہ تعداد 76980 ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہر ایک لاکھ آبادی کے لیے 646 پولیس اہلکار ہیں۔[5] یہ شرح، جیسا کہ بھارت کے صحافی پراوین سوامی کہتے ہیں، باقی تمام ریاستوں سے بڑی ہے۔ اس تعداد میں سپیشل پولیس آفسرس (SPOs) شامل نہیں جنہیں حکومت نے "کونٹرانسر جنسی" کے خلاف تیار کیا ہے۔ انہیں ریگولر سیلری کے بجائے مشاہرہ (Stipend) دیا جاتا ہے۔ ان ایس پی اوز کو جموں کشمیر سپیشل آپریشن گروپ تعینات کرتا ہے اور 2013ء میں ان کی تعداد 25754 تھی[6]۔ انسٹی ٹیوٹ فار ڈیفنس سٹڈیز اینڈ انالیسس (IDSA) کے مطابق انڈین ریزرو پولیس بٹالین کے 5035 اہلکاروں کو لا اینڈ آرڈر اور اندرونی سلامتی کے لیے خصوصی تربیت دی گئی ہے۔ ان کو "غیر مہلک ہتھیاروں" (Non-lethal Weapon) جیسے سٹن گن، لیزر گن، گیس گن، پمپ ایکشن گن، پیلٹ

گن اور پیپر گن سے لیس بھی کیا گیا ہے۔ اس بٹالین کی پانچ کمپنیاں کشمیر میں مقیم ہیں اور یہ تعداد بھارت کے کسی بھی علاقے میں تعینات اس قسم کے فورسز کی سب سے بڑی تعداد ہے، جیسا کہ IDSA کی رپورٹ سے ظاہر ہے۔ جموں کشمیر کی پولیس حکومت بھارت کی فنڈنگ پر انحصار کرتی ہے۔ سیکورٹی سے متعلق اخراجات (Security Related Expenditure) برائے پولیس کے تحت 1989ء سے 2011ء تک حکومت بھارت کی طرف سے 3583 کروڑ روپے حکومت جموں کشمیر کو دیے گئے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ سیکورٹی آپریشن میں فوج اور دوسری ایجنسیوں کے ساتھ پولیس پوری طرح جڑی ہوئی ہے اور ان کی معاون اور مددگار ہے۔

فورسز کے اس بھاری جماؤ کی وجہ سے کشمیر کو دنیا کا سب سے بڑا ملٹرائیزڈ خطہ (Largest Militarized Region) کہا جاتا ہے جہاں ہر 17 شہریوں کے مقابلے میں ایک مسلح سپاہی کھڑا ہے۔ (2011ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست کی کل آبادی ایک کروڑ 25 لاکھ ہے اور یہاں تقریباً 7 لاکھ فوجی اور نیم فوجی اہلکار تعینات ہیں)۔

جیسا کہ معروف سماجی کارکن اور صحافی گوتم نولکھا نے کہا ہے کہ ریاست جموں کشمیر ایک ایسا خطہ ہے جہاں زمین کی قلت ہے۔ یہاں صرف 7 فیصد جغرافیائی رقبہ قابل کاشت ہے۔ یہ بھارت کی ریاستوں، جہاں یہ شرح 42 فیصد ہے سے بہت ہی کم ہے[7]۔ اس "land-scarce" خطہ میں لاکھوں فورسز کی تعیناتی یہاں کی پہلے سے کم زمین پر کتنا بھاری پڑ رہا ہوگا، آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

بھارت کے ارباب اقتدار فورسز کے اس جماؤ کے بارے میں اکثر کہتے ہیں کہ کشمیر ایک سرحدی ریاست ہے جس کی سرحدیں پاکستان اور چین سے ملتی ہیں۔ دوسری وجہ وہ بتاتے ہیں کہ ملی ٹینسی ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ پاکستان اور چین سے بھی بھارت کی

دوسری ریاستیں ملتی ہیں، کیا ان ریاستوں میں بھی اتنی ہی بھاری تعداد میں فوج تعینات کی گئی ہے؟ ''خطرہ'' تو پاکستان سے ملحق گجرات، راجستھان اور پنجاب کو بھی تو ہے، چین، جس نے 1962ء کی جنگ میں بھارت کو بُری طرح شکست دی اور بہت سارے دفاعی مورچوں پر قبضہ کیا، وہ بھی ہماچل پردیش، اترا کھنڈ، اروناچل پردیش اور سکم کی سرحدوں پر اپنی بڑی فوجی طاقت کے ساتھ اسی طرح کا خطرہ بنا ہوا ہے۔ نقشہ اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہو جائے گا کشمیر سے ملنے والی پاکستانی سرحد اور حد متارکہ (Line of Control) پاکستان سے ملنے والی بھارتی ریاستوں سے، مسافت کے حوالے، تقریباً تین چوتھائی کم ہے۔ اسی طرح لداخ سے ملنے والی چینی سرحد چین سے ملنے والی بھارت کی ریاستوں کے مقابلے میں فاصلے کے لحاظ سے نصف، بلکہ ایک تہائی کے برابر ہے۔ دفاعی ضرورت ہی فوجوں کی تعداد کا تعین کرتی ہے۔ پاکستان اور چین، ظاہر ہے، ہر سرحد پر یکساں خطرے کے باعث ہیں۔ وہ ایک جگہ پر ''جارحانہ عزائم'' رکھتے ہوں، دوسری جگہ پر بھارتی فوج کی کلائیوں میں ریکھا باندھیں، ایسا نہیں ہوسکتا۔ کشمیر میں پانچ لاکھ ریگولر انڈین آرمی (اور اس میں سے اس کی بہت بھاری تعداد وادی میں) پنجے گاڑھے ہوئے ہے، تو ''دفاعی ضرورت'' کا تقاضا ہے کہ تقریباً 15 لاکھ فوج صرف گجرات، راجستھان اور پنجاب میں مورچہ زن ہونی چاہیے۔ ایسا نہیں ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کشمیر فوج کو سرحدوں کی حفاظت کے علاوہ دوسرے مقاصد کے حصول کی ذمہ داری سپرد کی گئی ہے۔

جہاں تک ملی ٹینسی کا تعلق ہے، اس کا زور بہت پہلے ٹوٹ چکا ہے۔ پولیس اور ایجنسیز افسران خود کہتے ہیں ان کی تعداد سو ڈیڑھ سو تک ہوگی اور وہ محض اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے کبھی کبھار پرو ایکٹیو (Pro-active) ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے ان چند سو ملی ٹنٹوں کو ایک لاکھ پولیس فورس کے مسلح دستے اچھی طرح نمٹ سکتے ہیں، لیکن پھر بھی

فوج کو بارکوں میں واپس نہیں لیا جاتا۔کشمیر کے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں سے فوج کا انخلاء(Demilitarisation) عمل میں لایا نہیں جاتا۔

مووادی(Maoist) یا جن کا دوسرا نام نکسلی(Naxalites) ہے، بھارت کے وسطی اور مشرقی ریاستوں میں کئی عشروں سے انڈین اسٹیٹ کے خلاف مسلح جدوجہد کررہے ہیں، اب جنوبی ہند کے آندھرا پردیش کے عادل آباد اور سری کاکولم اور مہاراشٹر کے گڈچیرولی علاقوں تک بھی ان کی کارروائیاں پھیل چکی ہیں۔چھتیس گڑھ میں ان کا کافی زور ہے، یہاں وہ پوری طرح جمے ہوئے ہیں۔مغربی بنگال کے لعل گڑھ اور نکسل باری اور بہار کے جموئی علاقہ میں بھی ان کا اثرورسوخ ہے۔اڑیسہ اور جارکھنڈ میں نکسلی تحریک کے کافی حمایتی پائے جاتے ہیں۔تین ریاستوں، اڑیسہ، چھتیس گڑھ اور جارکھنڈ کے 200 ضلعے [8] مووادیوں سے متاثر ہیں۔1969ء سے مووادی مسلح تحریک چلاتے ہیں۔وہ یقین رکھتے ہیں کہ ''بھارت کے سماج میں جو نابرابری اور ناانصافیاں پائی جاتی ہیں اور جس کی ذمہ دار انڈین اسٹیٹ ہے اس کا حل صرف یہ ہے کہ قوت کے ذریعے انڈین اسٹیٹ کو ہٹایا جائے [9]''۔اس تحریک نے جنگلوں میں رہنے والے دس کروڑ آدی واسیوں کو خاصا متاثر کیا ہے، کیونکہ جس بڑے پیمانے پر بڑی بڑی کارپوریٹ کمپنیاں معدنیات کے حصول کے لیے ان کی زمینیں پولیس اور انتظامیہ کے تعاون سے چھینتی چلی جارہی ہیں آدی واسی اس کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔وہ اپنی جنم بھومی کا ہر صورت میں تحفظ چاہتے ہیں۔وہ اس ڈیولاپمنٹ کو ماننے کے لیے تیار نہیں جو ان کو اپنے پہاڑوں، دریاؤں، جنگلوں اور زمینوں سے محروم کرے۔ارون دتی رائے ان کے بارے میں کہتی ہیں کہ یہ لوگ ''جہاں ہمارے ماضی کے محافظ ہیں، وہیں یہ ہمارے مستقبل کے راہنما بھی ہوسکتے ہیں، کیونکہ وہ ماحول کو بچا کر دنیا کو بچاتے ہیں۔ارون دتی رائے انڈین لیڈروں سے پوچھتی ہے''کیا تم

دریاؤں کے پانیوں کا تحفظ کرسکتے ہو؟ کیا تم جنگلوں کے درختوں کو بچاسکتے ہو؟ کیا تم پہاڑوں میں بوکسائیٹ(Bauxite) کو محفوظ رکھ سکتے ہو؟ اگر نہیں تو ہمیں ان لوگوں کو اخلاقیات کادرس دینے کا کوئی حق نہیں جوتمہاری جنگوں سے مصائب جھیل رہے ہیں"۔ [10]

معروف بھارتی مصنفہ کے ماحولیات کے بارے میں ان زیرک، زریں اور سنجیدہ خیالات کوقلمبند کرتے ہوئے ہمیں اپنی چھوٹی سی وادی، جوصرف 84 میل لمبی اور 25 میل چوڑی ہے، کے جنگلوں، پہاڑوں، دریاؤں، جھیلوں اور گلیشروں کے مستقبل پر منڈلاتے خطرات صاف نظر آرہے ہیں۔ امرناتھ یاترا، لاکھوں فوجوں کا میدانی علاقوں کے علاوہ اونچے مقامات پر جماؤ، جنگلاتی زمین پر بڑھتا دباؤ، یہ سب کشمیر کے ماحولیات اور اکالوجی پر منفی اثرات ڈال رہے ہیں اور آئندہ اس کے بھیانک نتائج نکل سکتے ہیں۔ علاوہ اس کے این ایچ پی سی جس بے تحاشا طریقے سے ہمارے آبی ذخائیر پر پروجیکٹ تعمیر کررہی ہے، آئندہ اس کے بھی کشمیر کے ماحولیات پر برے اثرات پڑیں گے۔ کشن گنگا [11] کی مثال سامنے ہے، کس طرح یہاں پہاڑ کو کاٹ کر اور ٹنل بنا کر دریا کا رُخ موڑ دیا گیا ہے۔ گاؤں کے گاؤں غرق کردئے گئے۔ یاد رکھئے ہماری وادی سیسمک زون(Seismic Zone) میں ہے۔ یعنی زلزلوں کے لیے یہاں ماحول سازگار ہے۔ پروجیکٹ بنانے کے لیے آپ کو لازماً بند باندھنے پڑتے ہیں۔ شدید جھٹکوں کی صورت میں بند(dams) ٹوٹ سکتے ہیں اور پھر پانی کے ریلے نشیبی علاقوں میں کیا قیامت برپا کریں گے آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتا ہے۔ کشمیر کے ماحولیات اور اس کی جغرافیائی اور توپو گریفی(Topography) سے مطابقت رکھتے ہوئے یہاں چھوٹے چھوٹے پروجیکٹ ریاست خود اپنے ہاتھ میں لے۔ ترقی اگر آنے والی نسل کی بربادی کا پیش خیما ثابت ہورہی ہوتو اس ترقی سے سوبار ہم پناہ مانگتے ہیں۔ [12]

بھارت کے حکمران خود اعتراف کرتے ہیں کہ بھارت کے لیے اس وقت سب سے بڑا خطرہ مووادی ہی ہیں۔ بھارتی فورسز آئے روز مووادیوں کی طرف سے جان لیوا حملوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا دو سو ضلعوں (اس وقت اس میں یقینی طور پہ اضافہ ہوا ہوگا) میں وہ انتہائی سرگرم ہیں اور پر تشدد کارروائیوں میں حصہ لے رہے ہیں۔ مگر ان متاثرہ ریاستوں یا ان ریاستوں کے متاثرہ ضلعوں میں حکومتِ ہند نے مووسٹوں (Maoists) سے نپٹنے کے نام پر اتنی فوجی کمک بھیجی ہے؟ چلیئے مانتے ہیں یہاں ''دشمن'' ملک سے سرحدیں نہیں ملتیں، لیکن کیا ان علاقوں میں ''دہشت گردوں'' کی سرکوبی کے لیے فوج نے شہروں، قصبوں، دیہاتوں، محلوں، چوراہوں، گلیوں اور نکڑوں پہ اسی طرح بنکر (Bunker) بنائے ہیں، چوکیاں قائم کی ہیں، چھاونیاں بنائی ہیں، عسکری قلعے تعمیر کیے ہیں جس طرح کشمیر میں ہم دیکھتے ہیں؟ کیا میدانی اور بالائی مقامات کی زمینوں کو فوج اسی طرح اپنی تحویل میں لے رہی ہے جس طرح کشمیر میں؟ نہیں، اس قسم کی فوجی سرگرمیاں ہم وہاں نہیں دیکھتے۔ فوج وہاں بیرکوں سے باہر نہیں آتی۔ حالانکہ مووادیوں کی عسکری کارروائیاں کشمیر میں کبھی کبھار پیش آنے والی ملی ٹنٹ کارروائیوں کے مقابلے میں زیادہ ہلاکت خیز اور ہولناک ہوتی ہیں، پھر بھی پولیس ہی کو وہاں ذمہ داری سونپی جاتی ہے کہ وہ ان سے نمٹ لیں۔ نیم فوجی دستوں کو بھی ضرورت کے وقت پولیس کی مدد کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ کبھی غیر معمولی صورتحال پیش آئے تو چند دنوں کے لیے فوج کی مدد بھی لی جاتی ہے لیکن وہ کبھی رہائشی علاقوں میں نہیں رہتے۔ وہ بیرکوں میں ہی قیام کرتے ہیں۔ کشمیر میں فوج کو سویلین علاقوں میں رکھنے کے مقاصد کچھ اور ہیں اور یہ ''کچھ اور'' خود فوجی جماؤ سے واضح ہوتے ہیں۔

بھارت کے حکمران زبان سے کہیں نہ کہیں، انڈین اسٹیٹ سے منسلک اداروں،

ایجنسیز، اہلکاروں، سب کا رویہ، اپروچ اور سوچ ماتھے پر لگے تلک کی طرح یہ بتاتا ہے کہ وہ تمام کشمیریوں کو "علیحدگی پسند" سمجھتے ہیں، چاہے وہ گاندھی سے زیادہ عدم تشدد کے حامی ہوں، ان کی تحریک سو فیصد پرامن اور جمہوری تقاضوں کے عین مطابق ہو۔ معقول دفاعی ضرورت سے زیادہ فوجی تسلط اسی تحریک کو دبانے کے لیے ہے۔ گورنر جگ موہن 1990ء میں کشمیریوں کو کچلنے کے لیے بھیجے گئے تو انہوں نے بغیر کسی لاگ لپٹ کے تمام کشمیریوں کو "ملی ٹنٹ" اور علیحدگی پسند" قرار دیا۔ انہوں نے دُوردرشن سرینگر کو بند کر کے کہا کہ "یہ لوگ سب ملی ٹنٹ ہیں" اور "گولی صرف کشمیر کا حل ہے" اور "جب تک نہ یہ ملی ٹنٹ ختم ہوتے حالات بہتر نہیں ہوں گے"۔

> "Every Muslim in Kashmir is a militant today. All of them are for secession from India. I am scuttling Srinagar Doordarshan's programmes because every one there is a militant.....The bullet is the only solution for Kashmir. Unless the militants are fully wiped out, normalcy can't return to the Valley."[13]

یہ وہ وقت تھا جب لاکھوں نہتے عوام سرینگر اور کشمیر کے باقی شہروں کی سڑکوں پر آکر آزادی کے حق میں مظاہرے کرتے تھے۔ ان ہی عوامی مظاہروں کو انتہائی سفاکیت کے ساتھ بھارتی فورسز نے گولیوں کی بوچھاڑ کر کے دبادیا اور یوں "نارملسی" بحال کر دی۔

2009ء میں شوپیان کی آسیہ اور نیلوفر کی عصمت دری اور قتل کے دل دوز

واقعات پر کشمیر اُبل پڑا اور آتش غضب فورسز اور دلی دربار اور مقامی کٹھ پتلی حکمرانوں پہ پھوٹ پڑا۔عوام ہزاروں کی تعداد میں سڑکوں پر آ کر پُرامن مظاہرے کرنے لگے۔اس وقت ناردرن کمانڈ ادھم پور کے جنرل آفیسر کمانڈ ینگ اِن چیف لیفٹیننٹ جنرل بی ایس جسوال تھے۔موصوف جنرل نے ان عوامی مظاہروں کو ''ایجی ٹیشنل ٹیرورزم'' (Agitational terrorism) کی گالی دے کر کہا ''یہ ہمارے لیے'' پریشانی کے باعث''(cause of worry[14]) ہیں۔

بھارت کے فوج کے ایک اعلیٰ کمانڈر کی طرف سے اس قسم کے ریمارکس سے صاف مترشح ہو رہا ہے کہ فوج کی ذمہ داری سرحدوں کی حفاظت سے زیادہ کشمیری عوام کو کچلنا ہے۔ظاہر ہے جب کشمیریوں کی ''ایجی ٹیشن'' چاہے وہ ہر قسم کے تشدد سے پاک ہو، پر ''دہشت گردی'' کی لیبل چسپاں کی جائے تو فوج اور دوسرے فورسز اہلکاروں کو بیرکوں میں جانے کی ضرورت ہی کیا۔وہ ''دہشت گردوں'' کو کہاں یونہی چھوڑیں گے۔!!

افغانستان میں طالبان جیسی زبردست عسکری قوت سے نپٹنے کے لیے دنیا کا واحد سُپر پاور اپنے یورپی اور علاقائی حلیفوں کے ساتھ افغانستان پر قابض ہوتا ہے،لیکن ملی ٹینسی کے عروج پر بھی ان کی کل فوجی تعداد دو لاکھ سے کم ہوتی ہے۔عراق میں بھی ڈھائی لاکھ فوجیوں سے زیادہ تعداد امریکہ نہ لے آیا۔لیکن کشمیر میں، جہاں ملی ٹینسی برائے نام رہی، چھ لاکھ فوج ہے، چھ سات سال قبل ارون دھتی رائے نے کشمیر میں فوجوں کے اس بھاری تعداد (Concentration) کے بارے میں اپنے ایک مضمون میں کہا کہ ''یہ آٹھ سو ملی ٹنٹوں کے خلاف نہیں، بلکہ کشمیری عوام کے خلاف جنگ ہے''۔[15]

فوج کے بڑے پیمانے پر موجودگی ایک کنفلکٹ زون (Conflict Zone) میں رہنے والے لوگوں کی زندگیوں کو کس طرح متاثر کرتی ہے، ''دی سٹی زنز کونسل

فارجسٹس" نے اس بارے میں گہری تحقیق کی۔ بارہ مولہ اور کپواڑہ کے پچاس گاؤں کی سروے اس نے مارچ 2011ء سے لے کر مارچ 2012ء تک کی۔ اکتوبر 2012ء میں اس نے اپنی ایک تفصیلی رپورٹ "زیادتیاں اور مصائب" (atrocities and sufferings) کے عنوان کے تحت سرینگر میں جاری کی۔ رپورٹ بھارت کے ممتاز اور مشہور صحافی اور حقوق انسانی کے علمبردار گوتم نولکھا اور "جموں کشمیر کولیشن آف سول سوسائٹی" کے چیرمین پرویز امروز نے ایک تقریب میں جاری کی۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ "ان پچاس گاؤں میں فوج کے 19 بڑے کیمپ اور 126 بنکر ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ علاقے کے لوگ اس قسم کی ملی ٹرائیزیشن (militarization) سے کس قسم کے مصائب سے دوچار ہورہے ہوں گے"۔ رپورٹ کہتی ہے "1989ء سے 2011ء تک ان گاؤں میں 437 لوگوں کو ہلاک کیا گیا، 56 افراد کو حراست کے دوران غائب کیا گیا۔ 437 افراد میں سے 320 افراد کو فوج، سی آر پی ایف، بی ایس ایف، پولیس اور حکومت نواز بندوق برداروں نے قتل کیا۔ ملی ٹنٹوں نے 84 لوگوں کو مارا اور نامعلوم بندوق برداروں کے ہاتھوں 33 لوگ از جان گئے۔ 2048 افراد کو ٹارچر کیا گیا، 49 لوگ ٹارچر کے دوران معذور بنادئے گئے۔ 700 جائیدادیں، جن کی مالیت 103 کروڑ 80 لاکھ ہے، تباہ کردی گئی۔ ان 19 کیمپوں کے لیے جیسا کہ رپورٹ میں کہا گیا، "تقریباً 2047 کنال رقبہ زمین فوج نے اپنے قبضے میں لی ہے"۔

رپورٹ میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ ان بنکروں کا مقصد "لوگوں کی زندگیوں کو کنٹرول کرنا ہے اور انہیں اسٹیٹ آبادی کو منتشر کرنے کے لیے استعمال کرتی ہے"۔

"(Those bunkers) were responsible for controlling lives and are used by the

state to fragment the population".

گوتم نولکھا نے کہا" رپورٹ پوری طرح احاطہ کرتی ہے کہ ان گزشتہ 23 برسوں میں کشمیریوں پر کیا کچھ گزری۔اس کے علاوہ اس سے اس حقیقت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ فوج کشمیر میں ایک قابض قوت ہے"۔

"The report encapsulates what has happened in Kashmir in last 23 years and underlines the very basic fact of occupation by military might in Kashmir."[16]

فوجی قوت کی بنیاد پر بھارت کشمیر کو اپنے ساتھ ملائے ہوئے ہے، اس سچ کا اعتراف، نہ چاہتے ہوئے بھی، کئی اوقات بھارت کو خود کرنا پڑتا ہے۔نومبر 2011ء میں جب عمر عبداللہ کی قیادت والی مخلوط سرکار" ذائقہ بدلنے کے لیے" افسپا کو ہٹانے کے لیے باتیں کرتی تھی تو ریاست جموں کشمیر میں آرمی کے اعلیٰ کمانڈر جنرل حسنین نے یونیفائیڈ ہیڈکوارٹرس کی میٹنگ میں اعلان کیا کہ" اگر کچھ علاقوں سے افسپا کو ہٹانے کا منصوبہ آگے بڑھتا ہے تو 2016ء تک بھارت کو کشمیریوں کو آزادی دینی پڑے گی"۔

"The Army's top commander in JK has said the country could be compelled to grant the state independence by 2016 if government plans to lift the contoversial AFSPA from some areas

go ahead..."[17]

16 نومبر 2011ء کو "جن چیتنا یاترا" کے سلسلے میں اپنے جموں کے دورے کے دوران بی جے پی کے لیڈر ایل کے ایڈوانی نے کہا "جس فوج نے کشمیر کو ملک کے ساتھ جوڑے رکھا ہے، اس کا مورال گرانے کے لیے افسپا ہٹایا جا رہا ہے۔ ریاستی سرکار کے اس اقدام سے فوج اپاہج بن جائے گی۔"

یعنی جب تک نہ بھارت کی فوج کو افسپا کی وسکی نہیں پلائی جاتی اور قانون اور عدالتوں کے سامنے جوابدہی سے اس کو بچایا نہ جاتا، اس کا "مورال" بلند نہیں ہوگا۔ ایڈوانی کا فوج کو یہ خراج کہ فوج کی وجہ سے ہی کشمیر بھارت کے ساتھ جڑا ہوا ہے وہی ہمالیائی سچائی ہے جسے بھارت کے فوجی افسران اور بھارتی میڈیا دہراتے چلے آئے ہیں۔ ہندوستان ٹائمز (فروری 2010،07) نے اپنی ایک رپورٹ میں کشمیری مظاہرین کو "دہشت گرد" کہا ہے اور انہیں بھارت کے لیے "دہشت گردوں سے بڑا چیلنج" قرار دیا ہے۔

"Mobs bigger challenge than terrorists"

ظاہر ہے کہ سڑکوں پر آنے والے لوگ جب "دہشت گرد" ٹھہرے تو "دہشت گردوں" سے نمٹنے کے لیے فوج ہی ریاست کا موثر ہتھیار ہے۔

فوج سیاسی لیڈروں اور بھارتی میڈیا کا یہ اعتراف بھارت کے ان تمام دعوؤں پر خطِ تنسیخ پھیر دیتا ہے جو کشمیر کے حوالے سے وہ اب تک کرتے آئے ہیں اور جس میں کشمیر کو وہ انڈین یونین کا "لازمی حصہ" کہتے ہیں اور الیکشن پراسیس (process) میں کشمیریوں کی شمولیت کو الحاق کے حق میں تائید سے محمول کرتے آئے ہیں۔ ارون دتی رائے ان ہی ارضی حقائق کی روشنی میں کہتی ہیں کہ "دنیا میں اب تک جو ممالک طویل اور سخت قسم کی محکومیت کے دور میں رہے ہیں۔ کشمیر ان میں ایک ہے"۔ نیویارک میں منعقدہ

ایک سیمینار ''کشمیر دی کیس فار فریڈم'' (Kashmir: The case for Freedom) موضوع پر بولتے ہوئے معروف سماجی کارکن اور بکر انعام جیتنے والی مصنفہ نے کہا ''کشمیریوں کو حق خود ارادیت کا حق ہے۔ انہیں اپنے مستقبل کے تعین کرنے کا حق ہے''۔

"Kashmir is one of the most protracted and bloody occupations in the world — and one of the most ignored. While India brutalises Kashmir in so many ways, that occupation brutalises the Indians....I think that the people of Kashmir have the right to self-determination—they have the right to choose who they want to be, and how they want to be."[18]

Notes and Refrences

1. Kashmir - The Unwritten History
   - Christopher Sneden (p -15)
2. لیکن ریاستی اسمبلی میں ڈپٹی چیف منسٹر مظفر حسین بیگ نے بتایا کہ ریاست جموں کشمیر میں سیکورٹی فورسز کی تعداد ساڑھے سات لاکھ ہے۔
   Greater Kashmir, 03 Agust 2006
3. http://www.globalsecurity.org/military/ world/India/bsf.htm
4. The Economic Times, March 13, 2013
5. The Hindu, January 21, 2004
6. Zee News, May 12, 2013

7. State of J&K's Economy - Gautam Navlakha (Economic & Political Weekly)
8. Broken Republic - Arundhati Roy (P- 201)
9. 'The Maoists believe that the innate, structural inequality of Indian society can only be redressed by the violent overthrow of the Indian State." - Broken Republic (P.6)
10. 'Can you leave the water in the rivers, the trees in the forests? Can you leave the bauxite in the mountain? If they say they cannot. then perhaps they should stop preaching morality to the victims of their wars.' - Broken Republic (P.214)
11. کشن گنگا دریا آزاد کشمیر کی طرف بہتا ہے جہاں یہ دریائے نیلم سے مشہور ہے۔ حکومتِ بھارت نے دریا کا رُخ موڑ کر اور 24 کلومیٹر پہاڑی ٹنل کھود کر اسے دریائے مدومتی سے ملایا۔ دریائے مدومتی جھیل ولر میں جا گرتا ہے اور اس طرح پانی اور کوڑا کرکٹ اور سیلٹ (Silt) کی بڑی مقدار ولر میں پہنچ جاتی ہے۔ ولر پہلے ہی سیلٹ سے بھرا پڑا ہے اور اس میں اضافی پانی کو سمونے کی گنجائش نہیں ہے، جیسا کہ ستمبر 2014ء کے سیلاب میں ثابت ہوا ہے، نیز پانی کو آگے لیجانے کی رفتار بھی اس جھیل میں گہرائی کم پڑنے سے متاثر ہوئی ہے۔ اب کشن گنگا کا پانی اس میں آئے تو یقیناً ولر کے گرد و پیش اور سوپور اور زینہ گیر کے علاقے سیلاب کے خطرات کے زد میں آئیں گے۔ حیرت کا مقام ہے پہلے ہی موجودہ پانیوں کے لیے کشمیر میں جگہ نہیں ہے، اب اور پانی اس میں داخل کرائیں تو سیلابی قہر ہی کو ہم دعوت دیتے ہیں۔ پاکستان بھارت پر الزام عائد کرتا ہے کہ وہ (بھارت) "جارحانہ واٹر پولیٹیکس" (Belligerent Water Politics) کے ذریعے نیلم وادی کو صحرا میں تبدیل کرنے جا رہا ہے، جبکہ کشمیر میں سیلاب کے خطرات بڑھتے جا رہے ہیں۔
12. حال ہی میں لداخ کی زنسکار وادی میں جو پسیاں گری ہیں ان سے پگھتل دریا ایک جھیل میں تبدیل ہوا۔ اہم بات یہ ہے کہ پسیاں اس مقام سے گری ہیں، جہاں این ایچ پی سی کا پروجیکٹ واقع ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ بجلی پروجیکٹ تعمیر کرتے وقت علاقہ کی اکالوجی کو مدنظر رکھا نہیں جاتا۔
13. Kashmir in Conflict (P. 134)
14. Greater Kashmir, November 01, 2009
15. Greater Kashmir, May 27, 2009
16. Kashmir Reader, October 05, 2012
17. The Hindu - A report by Praveen Swami, Nov 11, 2011
18. Greater Kashmir, November 23, 2011

فوج کی تحویل میں اراضی

انڈین آرمی میں ڈوگرہ فوج کے ادغام سے قبل ڈوگرہ فوج کی تحویل میں جتنی زمین تھی اس سے کئی گناہ زمین بھارت کی فوج نے اپنے قبضے میں لے لی۔حریت نواز کیمپ ہی نہیں، بعض بھارت نواز لیڈران بھی اس صورتحال کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ 24راگست 2009ء کو ریاستی اسمبلی میں نیشنل کانفرنس اور کانگریس کی مخلوط حکومت نے فوجی قبضے میں قانونی اور غیر قانونی زمین کے بارے میں اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ ''سیکورٹی ایجنسیز'' کے پاس 10لاکھ 54ہزار 721 کنال زمین ہے۔اس میں 8لاکھ 55ہزار 407 کنال اراضی ''غیر قانونی قبضے'' (Illegal Occupation) کے زمرے میں آتی ہے، جبکہ ''لینڈ ایکویزیشن ایکٹ'' (Land Acquisition Act)، لیز (lease) اور لائسنز (Licenses) کے تحت سیکورٹی ایجنسیز، جو فوج، بی ایس ایف، سی آر پی ایف، آئی ٹی بی ایف پر مشتمل ہے، کے قبضے میں ایک لاکھ 99ہزار 314 کنال رقبہ زمین ہے۔اس کا مطلب ہے 75فیصد زمین کو بھارتی فوج اور دوسرے فورسز نے غیر قانونی طریقے سے حاصل کیا ہے۔حکومت نے اسمبلی میں اس بات کی وضاحت کی کہ لینڈ ایکویزیشن قانون کے تحت زمین جائز طور پر آرمی اور فورسز کے پاس ہے جس کو واپس نہیں لیا جاسکتا، جب کہ جو زمین لیز کے تحت حاصل کی گئی ہے وہ لیز کے خاتمے تک ہی ان کے پاس رہے گی۔الا یہ کہ لیز کی توسیع عمل میں لائی جائے۔جہاں جموں ڈویژن میں فورسز کے قبضے میں 3لاکھ 21ہزار 951 کنال ہیں وہاں کشمیر ڈویژن

میں 5 لاکھ 33 ہزار 455 کنال زمین ان کے تسلط میں ہے۔[1]

پی ڈی پی کے سینئر لیڈر مرحوم افتخار حسین انصاری نے دوسرے روز (25 اگست 2009ء) کو اسمبلی میں کہا کہ ”28 لاکھ کنال سے زیادہ زمین پر فوج (سیکورٹی ایجنسیز) نے قبضہ کر رکھا ہے۔“

"More than 28 lakh kanals of land have been occupied by the army (security agencies) in the state."[2]

مولوی افتخار حسین انصاری کی طرف سے بتائی گئی یہ تعداد مزاحمتی تحریک کے قائد اور حریت راہنما سید علی گیلانی کی دی گئی تفصیلات سے بہت حد تک مماثلت رکھتی ہے، لیکن گیلانی صاحب نے افتخار حسین کے برعکس ایریا وائز (Area wise) تفصیلات فراہم کی ہیں جو ان کے اعداد و شمار کو معتبریت (Authentication) بخش دیتی ہے۔ گیلانی صاحب نے کہا ”27 لاکھ 61 ہزار 140 کنال زمین ریاست جموں کشمیر میں فوج کے زیرِ قبضہ ہے۔“

"... at least 27,61,140 kanal of land is occupied by troops in J&K."[3]

گلمرگ ایک سیاحتی مرکز ہے اور اکالوجی کے اعتبار سے بھی حساس علاقہ ہے۔ یہاں بھی فوج نے اپنی من مانی جاری رکھتے ہوئے 2400 کنال زمین کو اپنے تسلط میں لیا ہے۔ اگست 2009ء میں ٹورازم اور کلچر کے وزیر نوا نگ ریگزن جورا نے اسمبلی میں بتایا کہ فوج نے 305.64 ایکڑ (2445 کنال) زمین گلمرگ میں اپنے قبضے میں لیا ہے۔ اس میں سے حکومت نے 11 دسمبر 1991ء کے مہاراجی اج کے دوران

130 ایکڑ (1040 کنال) زمین جو گلمرگ ڈیولاپمنٹ اتھارٹی کے حدود میں آتا تھا، فوج کو منتقل کئے۔ دونوں 175.64 ایکڑ+130 ایکڑ اراضی گلمرگ ڈیولاپمنٹ اتھارٹی کے حدِ اختیار اور نگرانی میں آتا ہے،لیکن اس کی اتھارٹی کو پھلانگتے ہوئے آرمی نے گلمرگ میں بہت سارے ڈھانچے تعمیر کیے ہیں۔ اس قسم کے ڈھانچے بنانے کے لیے بلڈنگ آپریشنز اتھارٹی سے منظوری حاصل کرنا ضروری ہے،لیکن ایسی کوئی منظوری حاصل نہیں کی گئی۔[4]

اسمبلی میں جب اس وقت کی این سی کانگریس حکومت سے پوچھا گیا کہ ان ڈھانچوں کو فوج کی گرفت سے کب چھڑایا جائے گا جو اس نے گلمرگ میں غیر قانونی طور کھڑے کیے ہیں تو اس پر وہ خاموش رہی۔ یہ رویہ جہاں کشمیر میں بھارت کی کٹھ پتلی حکومت کی فوج کے سامنے بے بسی عیاں کرتی ہے، وہیں ''عوامی منڈیٹ'' کے دعووں کو بھی بیچ چوراہے میں پھوڑ دیتی ہے۔ اس سے ''پروجیکٹ ڈیموکریسی'' کی اس حقیقت کا بھی پتہ چلتا ہے جس کے ذریعے نئی دہلی اپنی فوجی گرفت کو چھپانا (Camoflauge) چاہتی ہے،تا کہ بھارتی عوام اور پوری دنیا کشمیر کی اصل صورتحال سے بے خبر رہے۔

فوج کے سامنے ''عوامی حکومت'' کی اس بے بسی کا اظہار اور اعتراف الحاق ہند کی حامی ایک بڑی ریجنل تنظیم این سی کے لیڈر اور وزیر اعلیٰ عمر عبداللہ نے بھی 20 دسمبر 2012ء کو کیا۔ انہوں نے کہا کہ جس طرح گلمرگ میں آرمی ہائی آلٹیچیوڈ وارفیر سکول (High Altitude Warfare School) کے حدود کو وسعت دیتی جا رہی ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے لگتا ہے وہ دن دور نہیں جب گلمرگ میں صرف فوج کا ہی کنٹرول ہو گا۔ انہوں نے گلمرگ کے سیاحتی مقام تک جانے والی سڑک کی خستہ حالی پر بھی آرمی کو موردِ الزام ٹھہرایا اور کہا کہ آرمی گاڑیوں کی پہیوں پر جو چین لگائے جاتے ہیں وہ سڑک کو تباہ

کرتے ہیں۔کھاگ بڈگام میں فوج کے قبضے میں جنگلاتی زمین کے بارے میں ''کشمیر عظمی'' 3 نومبر 2009ء کی اپنی ایک رپورٹ میں لکھتا ہے:

''وسطی ضلع بڈگام کے درنگ کھاگ علاقہ میں 6405 کنال اراضی فوج کے قبضہ میں ہے۔اس اراضی کا بیشتر حصہ یعنی 6370 کنال 7 مرلہ جنگلاتی زمین ہے، جب کہ 27 کنال کاہچرائی اور 7 کنال 14 مرلہ ملکیتی اراضی ہے۔فوج نے ملی ٹنسی سے قبل 86-1985ء میں ہی اس اراضی پر قبضہ جمالیا تھا جس کے بعد 1986ء میں علامتی طور باضابطہ اراضی فوج کو منتقل کی گئی۔ ریاستی حکومت کو معاوضہ بھی ملا۔(لیکن) ضلع انتظامیہ کے پاس کوئی ریکارڈ نہیں۔''

شوپیان میں بھی 5200 کنال جنگلاتی زمین پر بھی فوج نے قبضہ جمایا ہے۔ 23/اکتوبر 2009ء کو جامع مسجد شوپیان کے باہر ایک بڑے عوامی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے حریت راہنما سید علی گیلانی نے کہا کہ ''تقریباً 28 لاکھ کنال اراضی پر فوج قابض ہے اور شوپیان میں 5200 کنال جنگلاتی اراضی بھی فوج نے ہڑپ کی ہے''۔ انہوں نے کہا ''اس جنگلاتی زمین کو ریاستی سرکار نے 1984ء میں فوج کو دیا۔اس قبضے کے بعد کمپاڑمنٹ نمبر 22، 23 اور 25 میں آنے والے 4 سے 5 لاکھ سرسبز وشاداب جنگلاتی درخت کاٹے جائیں گے''۔[5]

''جموں کشمیر لینڈ ایکویزیشن ڈیپارٹمنٹ'' کے ظاہر کردہ اعداد وشمار کے مطابق آرمی نے صرف کپواڑہ میں 8245 کنال اراضی کو اپنے قبضے میں لیا ہے۔اس میں سے 721 کنال زمین اس نے ''ہمیشہ کے لیے'' اپنے قبضے میں لیا ہے۔ یہ خبر انگریزی روزنامہ ''اطلاعات'' میں 9 مئی 2008ء کو شائع ہوئی۔

"... the army occupies 8245 kanals of land in Kupwara alone. Of this occupied land, 721 kanals have been taken 'for ever'."

اردو روزنامہ "اطلاعات" 22 ستمبر 2007ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ "ریاست میں فوجی جماؤ کا کام بڑے پیمانے پر جاری ہے اس لیے ان کی طرف سے زمین پر قبضے کا سلسلہ بھی برابر جاری ہے۔ پانپور میں ایک ہزار کنال زمین نیم فوجی دستوں نے حاصل کر لی ہے۔ سی آر پی ایف یہاں اپنا گراؤنڈ ہیڈکوارٹرس تعمیر کرنے جا رہی ہے۔ یہ زمین زعفران کاشت کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہے۔"

موقر انگریزی روزنامہ گریٹر کشمیر 7 مارچ 2013ء کو کرگل میں آرمی کے قبضے میں ہزاروں کنال اراضی پر وزیر اعلیٰ عمر عبداللہ کی طرف سے ریاستی کونسل میں دیے گئے بیان کے بارے میں کہتا ہے کہ "لداخ میں آرمی 15,800 ایکڑ (یعنی 1,25,600 کنال) اراضی پر قابض ہے، جس میں سرکاری اور پرائیویٹ اراضی، دونوں شامل ہیں"۔ یہ اطلاع وزیر اعلیٰ نے ایک تحریری جواب میں کونسل کو دی۔

"The total land under the occupation of army is nearly 15,800 acres which includes both private and state land."

کشمیر کے ایک صحافی ہلال ساقی کے مطابق لداخ میں دو لاکھ کنال زمین پر فوج نے قبضہ کیا ہے، جبکہ مانسبل میں فوج نے چھ ہزار کنال زمین کو اپنی گرفت میں لیا ہے۔ انھوں نے سرینگر میں منعقدہ ایک سیمینار میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جموں کشمیر میں زمین

کو نیلام کرنے کا سلسلہ 1965ء میں اس وقت شروع ہوا جب کرالہ پورہ میں فوج نے چار ہزار کنال زمین پر قبضہ جمایا۔ (ملاحظہ ہو، کشمیر عظمیٰ 21 نومبر 2006ء)

وقف اراضی بھی جیک بوٹ کے بھاری بوجھ سے نہ بچ سکی۔ 3 مارچ 2014ء قانون ساز کونسل میں حج اور اوقاف کے وزیر نے ایک سوال کے جواب میں کونسل [6] کو بتایا کہ 3500 کنال سے زائد وقف اراضی فوج اور دوسرے اداروں کے غیر قانونی قبضے میں ہے۔ 3500 کنال وقف اراضی میں سے 2539 کنال فوج کے قبضے میں ہے اس کا بریک اپ (Breakup) دیتے ہوئے وزیر نے کہا۔ فورسز نے سرینگر میں 28 کنال، بانڈی پورہ 90، کپواڑہ 107، اسلام آباد 132 کنال وقف زمین پر قبضہ جمایا۔ جموں صوبے کے پونچھ میں 465 کنال، راجوری 544، جموں ضلع 1267 اور کٹھوعہ 62 کنال پر فورسز قابض ہے، جبکہ جموں کشمیر پولیس نے وقف اراضی کے 197 کنال کو اپنی تحویل میں لیا ہے۔

1990ء کے بعد فوج اور دوسرے فورسز دستوں کی طرف سے زمینوں کو ہتھیانے کا ایک نیا سلسلہ چل پڑا ہے۔ اسٹیٹ لینڈ کے ساتھ ساتھ شہریوں کی ملکیتی زمین بھی اب بڑے پیمانے پر فوج اور دوسری ایجنسیز اپنے قبضہ میں لیتی جارہی ہیں اور پھر اس کے "بدلے" ان کو کرایہ (وہ بھی برائے نام) دیا جاتا ہے [7]۔ کشمیری حکومت اور ریاستی ادارے جس طرح (جیسا کہ مذکورہ واقعات سے پتہ چلتا ہے) فوج اور دوسرے فورسز اہلکاروں کے سامنے بے بس ہیں یا ریاست کا برسر اقتدار طبقہ ہوس اقتدار کے لیے اپنے فرائض منصبی کو بھول کر زمین کی اس نیلامی میں فوج کا ساتھ دے رہا ہے۔ ایسے میں فوج کے قبضے سے زمین چھڑائی جائے اس کے بہت کم ہی امکانات نظر آتے ہیں۔

روزنامہ رائزنگ کشمیر (Rising Kashmir) کے چیف ایڈیٹر شجاعت

بخاری 1990ء کے بعد شہریوں کی ملکیتی زمینوں پر فوج کے قبضے کی اس ''نئی ٹرینڈ'' (New Trend) کو کشمیر کے کئی مقامات پر عملی طور نافذ دیکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''صرف پٹن میں 500 ایکڑ (4 ہزار کنال) ملکیتی زمین، زراعتی اور باغبانی دونوں 1990ء سے فوج کے قبضہ میں ہے اور یہ اراضی اُس سینکڑوں ایکڑ اراضی کے علاوہ ہے جو 1947ء سے فوج کی تحویل میں ہے جس پر فوج کی بڑی تنصیبات قائم ہیں۔ اسی طرح سرینگر کے بادامی باغ میں، جہاں فوج کا 15 کور ہیڈ کوارٹر ہے، فوج نے ایک ہزار ایکڑ (8 ہزار کنال) اراضی کو اپنی تحویل میں لیا ہے''[8]۔ ریاستی حکومت نے سرینگر کے قلب میں واقعہ ٹٹو گراؤنڈ کے 139 ایکڑ اراضی کو فوج سے چھڑانے کے لیے زبردست کوششیں کیں تاکہ شہر کو "Decongest" کیا جاسکے، حتیٰ کہ اس کے تبادلے میں ریاستی حکومت نے شریف آباد کے 212 ایکڑ زمین بھی فوج کو دے دی۔ لیکن فوج نے دونوں جگہوں کی اراضی پر اپنا قبضہ جمایا۔ گویا "Have the cake and eat it too."

4 اپریل 2013ء کے گریٹر کشمیر میں ڈویژنل کمشنر شیلندر کمار کا یہ مندرجہ ذیل بیان سویلین حکومت پر فوجی راج کے غلبے کا عکاس ہے۔

> "If army has been provided alternate land, I fail to understand why they are not handing over Tatoo Ground to civilian aithorities."

فوج اور پیرا ملٹری فورسز کے علاوہ بھارت کے آئیر فورس نے بھی اسی طرح زیادہ سے زیادہ زمین کو اپنے قبضے میں لانا شروع کیا۔ یہاں بطور خاص دامودر کری وا کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ سرینگر ائیر پورٹ کشمیر میں بھارت کی فضائی قوت (ائیر فورس) کا سب

سے بڑا اڈہ (airbase) ہے۔ 27/ اکتوبر 1947ء میں بھارت کے فوجی اسی اڈے پہ پہلی بار اترے۔ یہ ایئرپورٹ جو چند مربع کلومیٹر ''کری وا'' (flattened plateaus) پر پھیلا ہوا تھا، مہاراجہ ہری سنگھ کے دورِ آمریت میں بنایا گیا۔ اسی کری وا اراضی کا ایک کری دامودر کری وا کہلاتا ہے جو بھارتی فوج کے قبضے میں ہے۔ اس وقت اس دامودر کری وا کا صرف آئیر بیس 2493 ایکڑ (19,944 کنال) پر محیط ہے۔

انگریزی روزنامے ''کشمیر ریڈر'' کے چیف ایڈیٹر شوکت احمد موٹا "Land is emotive issue) کے عنوان سے لکھے اپنے مضمون میں دامودر کری وا کے ایئر بیس کے بارے میں رقم طراز ہیں'' دامودر کری وا میں تقریباً 500 ایکڑ زمین بڈگام کے کسانوں کی ہیں، جن کو اپنی زمینوں سے محروم ہونا پڑا۔ اصل مالکان زمین کہتے ہیں کہ گزشتہ تین عشروں سے وہ قانونی لڑائی لڑ رہے ہیں تا کہ ان کی زمین ان کو واپس دی جائے یا کم از کم ان کو معقول معاوضہ دیا جائے۔ کری وا کے نزدیک کرالہ پورہ کے لوگ کہتے ہیں کہ ہر سال ان کو صرف ڈھائی سو روپے فی کنال کے حساب سے کرایہ دیا جاتا ہے۔ اس زمین کے علاوہ آرمی کی تحویل میں مزید 200 ایکڑ زمین ہے جو اس ریاستی سرکار نے ڈیفنس لینڈ کے طور پر اس کو منتقل کر دی[9]۔

اسی مضمون میں سرینگر میں مقیم معروف جرنلسٹ ہلال احمد، جنہوں نے اس موضوع پر ایک اسٹیڈی بھی کی ہے اور جن کی اسٹیڈی (study) کو برطانیہ میں قائم ایک این جی او، پنوس (Panos) نے سپانسر (Sponsor) کیا کی اسٹیڈیز کا حوالہ دے کر کہا گیا کہ ''بڈگام کے تقریباً 50 گاؤں کے لوگوں کو، جو دامودر ایئر بیس کے آس پاس رہتے تھے کو اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنی زمینوں کو آئیر فورس کو بیچ دیں، جس کے ہاتھ اب اس ایئر بیس کی 2493 ایکڑ اراضی آگئی ہے۔ آئیر فورس اور آرمی، جس کا بیس کیمپ ساتھ ہی

ہے۔ دونوں کے پاس اب 3203 ایکڑ اراضی ہے۔ کبھی یہی زمین کسانوں کی تھی۔ اس سے لگ بھگ 20 ہزار لوگ براہ راست متاثر ہوئے ہیں۔ اس زمین کا کرایہ ریاست جموں کشمیر اور دہلی کی سرکاروں نے من مانی طریقے سے از خود مقرر کیا ہے۔ یہ کرایہ 1984ء میں 16 روپے فی کنال تھا۔ کرایہ میں جو اضافہ کیا جاتا ہے وہ اس قدر رقم ہے کہ ان زمینوں سے عموماً جو سالانہ پیداوار کسان حاصل کرتے ہیں وہ کسی بھی طور اس کے برابر نہیں اور یہ قلیل کرایہ بھی وقت پر نہیں دیا جاتا۔ اتنی زمین اپنے قبضے میں لینے کے بعد ان کی بھوک نہیں مٹتی۔ سال 2007ء میں آئیر فورس نے ریاستی سرکار سے "درخواست" کی کہ وہ اونتی پورہ (جنوبی کشمیر کے پلوامہ ضلع کا علاقہ ہے) کے آئیر بیس کے لیے مزید 1900 ایکڑ (7200 کنال) زمین اس کو مہیا کرے تاکہ اس آئیر بیس کی توسیع عمل میں لائی جائے۔ پہلے ہی اونتی پورہ کا آئیر بیس (فوجی اڈہ) 1800 ایکڑ (6400 کنال) اراضی پر پھیلا ہوا ہے۔"

"People of nearly 50 other villages in Budgam district had no option but to sell off their land to Air Force, which now has 2493 acres under the air base....The combined land under the air force and army base, which are adjacent to each other, is 3203 acres or 25624 kanals. It once belonged to the farmers. The villagers contend the land

under the use of air and army bases is more than shown in the official records. Nearly 20000 people are directly effected....Rents are arbitarily fixed by governments in JK and New Delhi. In 1964 it was as low as Rs 16 per kanal.... Quest for more land does not stop here. Last year IAF requested the state government to acquire another 900 acres for its proposed expansion of air base already build on nearly 800 acres in Awantipora area of South Kashmir's Pulwama district."[10]

فوج نے جس طرح 1991ء میں مانسبل کے کیٹل ریسرچ سٹیشن (Cattle Research Station) کی باہری حد بندی میں داخل ہو کر چند بنکر بنانے کے لیے ریاستی سرکار سے اجازت مانگی اور رفتہ رفتہ زمین کو اپنے قبضہ میں لے کر اس میں فوجی بارکیں اور چیک پوئنٹس تعمیر کرنا شروع کیا اور تار بندی کی۔ پھر پاؤں جمانے کے بعد سی آر ایس (CRS) میں کام کرنے والے سائنس دانوں، عملے اور ملازمین کو تنگ کرنا شروع کیا حتیٰ کہ پورے سٹیشن پر اپنا حق جمانے کا دعویٰ کیا۔ اس کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ جیسے عرب شتربان اور اس کے اونٹ کی کہانی کا کشمیر میں عملی ظہور ہو رہا ہے۔

تین ہزار کنال رقبہ زمین پر پھیلا سکاسٹ (SKUAST) یعنی شیر کشمیر یونیورسٹی ایگریکلچرل سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کا یہ تحقیقاتی ادارہ اس وقت راشٹریہ رائفلز 3. سیکٹر کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ سکاسٹ وائس چانسلر (وی سی) فوج کے اس ادارے میں داخل ہونے اور اس پر قبضہ کرنے کے بارے میں کہتے ہیں۔

> "On the request of the troops, the authorities had allowed construction of a few bunkers in 1991. They were occupying a few strips and fringes but gradually they began to construct barracks and consolidate their positions. It is ironic that Army is now calling us the encroachers...."[11]

فوجی مداخلت اور قبضے کے بعد اس ادارے میں کام کرنے والے سائنس دانوں اور عملے کو کئی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ گیری زن قسم کے ماحول میں ان کے لیے کام کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ وی سی اس ماحول کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

> "Presence of the troops was "crippling to the ambitious Animal Husbandry project....SKUAST scientists have been harassed, abused, and even assaulted in the past. Our scientists have

endured these insults like stoics...."[12]

سی ایس آر میں کام کرنے والے سائنس دان کہتے ہیں:

"They find hard to work in a garrison-like environment."[13]

چیف سیکریٹری ریاستی انتظامیہ کے سب سے بڑے اہم اور ذمہ دار منصب پر فائز ہوتے ہیں اور کشمیر کے حوالے سے یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ یہاں بیوروکریسی، انتظامیہ اور پولیس کے کلیدی عہدوں پر تعینات افسران نئی دہلی کی مرضی سے تعینات ہوتے ہیں۔ گریٹر کشمیر کے نامہ نگار ہلال احمد اسی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ "چیف سیکریٹری وجے بقایا نے سی آر ایس کی ملکیت کے بارے میں واضح کیا کہ "سی آر ایس اب بھی اسٹیٹ کی پراپرٹی ہے" (CSR is still State's property) اور یہ کہ "آرمی نے اس پر اپنا دعویٰ کیا ہے اور ہم باہمی طور اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

ایک طرف چیف سیکریٹری صاحب سکاسٹ کے اس ریسرچ سنٹر کو ریاست کی املاک مانتے ہیں، جو واقعتاً ریاست کی ہی املاک ہے، دوسری طرف معاملے کو "باہمی طور" حل کرنے کی جب وہ بات کرتے ہیں تو کشمیر کے مفادات کا تحفظ کرنے اور اصولی موقف اختیار کرنے میں سنجیدہ اور مخلص نظر نہیں آتے۔ وہ فوج کی سینہ زوری کو چیلینج کرنے کے بجائے اس کے ساتھ "کچھ لو اور دو" کی بنیاد پر سمجھوتہ کر کے ریاستی مفادات کو زک پہنچانے کی شعوری یا غیر شعوری کوشش کرتے ہیں۔

فوج اس بارے میں کہتی ہے کہ پورے تین ہزار کنال اس کے ہیں۔ دفاع کے ترجمان لیفٹیننٹ کرنل وی کے باترا کا یہ بیان ہلال نقل کرتا ہے جس میں باترا صاحب کہتے ہیں کہ "حکومت بھارت اور ریاستی حکومت کے مابین ایک ایگریمنٹ ہے جس کے

مطابق مہاراجہ ہری سنگھ کے وقت کے ریاستی فورسز (فوج) کے قبضے میں جو زمین تھی وہ خود بخود ڈیفنس منسٹری کی پراپرٹی بنتی ہے۔"

"There is a pact between government of India and state government, according to which land occupied by erstwhile state forces of Maharaja Hari Singh automatically become property of defence ministry."

باترا صاحب مزید کہتے ہیں کہ حکومت جموں کشمیر نے فوج کو مطلع کیے بغیر ماتسیل کی یہ اراضی سکاسٹ اور سریکلچر ڈیپارٹمنٹ کو منتقل کر دی اور وہاں عمارتیں اور دوسری فیسلٹیز (facilities) تعمیر کیں۔ لیکن جیسا کہ سکاسٹ کے وی سی نے ہلال احمد کو بتایا کہ "چیف سیکریٹری نے ہمیں بتایا کہ یہ اراضی سکاسٹ کی ہے اور آرمی ہوم اور ڈیفنس منسٹریوں کو استعمال کر کے اس کو اپنے قبضے میں لینا چاہتی ہے"۔

ٹھوس حقائق کی روشنی میں دیکھا جائے تو فوج کا دعویٰ سہارے کے پاؤں کھو بیٹھتا ہے۔ 1974ء سے لے کر 1987ء تک کے 13 برسوں میں حکومت جموں کشمیر کی طرف سے بھی نوٹیفکیشنز اجرا کی گئیں جن میں محکمہ مال مویشی (Animal Husbandary Department) کے نام یہ زمین منتقل کی گئی۔ سی آر ایس، جسے پہلے "Exotic cattle breeding farm" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، 1977ء میں قائم کیا گیا۔ اس کے لیے آسٹریلیا کے ڈاکٹر کائیل کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ڈاکٹر کائیل کے ٹیکنیکل سپرویژن اور ڈپٹی چیف منسٹر محمد افضل بیگ کی نگرانی میں

ریاستی سرکار نے اس فارم کے لیے اپنے پورے وسائل استعمال میں لائے۔ 1982ء میں یہ فارم سکاسٹ کا حصہ بن گیا اور 2003ء میں اس کا نام سی آر ایس رکھا گیا۔

ظاہر ہے 1974ء سے لے کر 1991ء کے 17 برسوں میں تین ہزار کنال اراضی کے اس بڑے رقبہ جات پر جو سرگرمیاں جاری تھیں اور جس قسم کا انفراسٹرکچر یہاں لگایا جارہا تھا وہ یہاں تعینات فوجوں اور دوسرے سیکورٹی ایجنسیز کی آنکھوں سے اوجھل نہ تھا۔ سوئی کے دھاگوں سے وہاں عمارتیں کھڑی نہیں کی جاتی تھیں۔ کنکریٹ ڈھانچے کس قسم کے میٹیریل کا تقاضا کرتے ہیں، فوجی اس سے باخبر ہیں۔ محکمہ مال مویشی یہاں فارم کھولتا ہے اور آرمی کو معلوم نہیں! کون عقل کا اندھا ڈیفنس ترجمان کی باتوں کو تسلیم کرسکتا ہے۔ چیف سیکریٹری اور سکاسٹ وی سی آرمی کے دعوؤں کو غلط بتاتے ہیں اور پھر 1991ء میں فوج ''درخواست'' لے کر آئی۔ حق یہ ہے یہ اراضی آرمی کی تحویل میں ہوتی تو 1974ء سے ہی وہ اس پر صدائے احتجاج بلند کرتی، بلکہ اسی وقت اس پر دھاوا بول دیتی اور ہاں آخر 1974ء سے قبل اس جگہ کونسی ملٹری فارمیشن تھی جس کو سویلین حکام نے اپنی تحویل میں لیا۔ یہ صرف بندوق کا استدلال ہے جو ہر مخالف سوچ اور نقطہ نظر پر اپنی بالادستی چاہتا ہے، جیسا کہ سکاسٹ کے وی سی کہتے ہیں'' آرمڈ فورسز نے پہلے ہی پہلگام اور سانگم کے ہائی آلٹیچیوڈ ریسرچ سنٹرز پر قبضہ جمایا ہے۔ دوسرے اہم ریسرچ مراکز مثلاً کے ڈی ریسرچ سنٹر بڈگام، ایگریکلچر فیکلٹی واڑورہ اور ریجنل رائس ریسرچ سنٹر کھڈونی اسلام آباد، کے وی کے ملنگ پورہ، فروٹ ریسرچ سنٹر بل پورہ شوپیان، پر فورسز کی بھاری موجودگی سے یونیورسٹی کا کام بری طرح متاثر ہوا۔''

اوسط ذہانت کا شخص بھی اچھی طرح اندازہ لگا سکتا ہے کہ مذکورہ مقامات پر فوج اور دوسرے فورسز دستوں کی موجودگی ادارے اور ادارے کے تحقیقاتی کام کاج کے لیے

نقصان دہ ہے اس سے اس حقیقت کا ادراک کیا جا سکتا ہے کہ جہاں تحقیقاتی سنٹرز جیک بوٹوں سے بچ نہ سکیں وہاں عام رہائشی علاقوں کے لوگوں کی روزمرہ زندگی پر بھاری جماؤ کے کتنے سنگین اثرات نکل رہے ہوں گے۔

کھندرو اسلام آباد میں، جیسا کہ شوکت احمد موٹا اپنے مضمون میں (جس کا ذکر کیا گیا) کہتے ہیں''فوج ہزاروں ایکڑ زراعتی اور باغاتی اراضی پر قابض ہے۔ یہ زمین پہلے وہاں کے کسانوں کی تھی''۔ 2007ء میں کھندرو کے ایمونیشن ڈپو میں آگ لگ گئی۔ گاؤں والوں کو ہجرت کرنی پڑی۔ 20 لوگ اس سانحے میں فوت ہوئے۔

''شاید یقین نہ آئے، سرینگر شہر میں شہریوں کے بعد دوسری بڑی آبادی فوج اور پیراملٹری فورسز کی ہے'' اس چونکا دینے والے انکشاف کے بعد گریٹر کشمیر کہتا ہے کہ ایک سروے سے پتہ چلا کہ سرینگر کے کُل 417 مربع کلومیٹر لوکل ایریا میں سے، ماسٹر پلان 2001-2021 کے مطابق، 81 مربع کلومیٹر (19 فیصد) پر عام شہری رہائش پذیر ہیں جب کہ 26 مربع کلومیٹر (7 فیصد) ایریا فوج اور دوسرے فورسز کے استعمال میں ہے۔

"Believe it! After civilians, Srinagar city's biggest population is the Army and other paramilitary forces. As per the data compiled by a consultancy service on various land use categories in Srinagar local area for the year 2012, out of the city's total local area of 417 square kilometres, while 81 sq kms

(19%) are under residential use, 26 sq kms (7%) are under the use of army and other paramilitary forces".[14]

دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ شہر سرینگر کی سویلین آبادی کے پاس اگر 64 فیصد اراضی ہے تو آرمی اور دیگر فورسز لگ بھگ 36 فیصد شہری اراضی پر قابض ہیں۔ ریاستی اسمبلی میں حکومت کے دیے گئے بیان کے مطابق ''سیکورٹی فورسز'' کے قبضہ میں ساڑھے دس لاکھ کنال سے زیادہ زمین ہے، جبکہ ٹائمز آف انڈیا کے مطابق 5 لاکھ فوج اور ایک لاکھ پیرا ملٹری فورسز کشمیر میں اوپریٹ کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے بھارت کے ہر فورسز اہلکار کے پاس 2 کنال سے کچھ کم زمین ہے۔ سید علی گیلانی اور افتخار انصاری کہتے ہیں 28 لاکھ کنال فورسز کے قبضے میں ہے۔ اس حساب سے ہر فورسز اہلکار پانچ کنال سے تھوڑا کم زمین کا ''مالک'' ہے۔ گویا ہر سپاہی کشمیر میں ''صاحب جاگیر'' ہے۔ بھارت کے وزیر دفاع اے کے انٹونی کی طرف سے بھارتی پارلیمان میں دیے گئے اس بیان پر بھی ذرا غور کیجیے کہ ''ہائرنگ''(Hiring) یا ''ریکویزیشن''(requisition) پر لیے ہوئے لینڈ میں سے 15496 ایکڑ (1.25 لاکھ کنال) زراعتی زمین، جبکہ 396 ایکڑ (3196 کنال) باغاتی زمین فوج کی تحویل[15] ہے۔ یہ اس چھوٹی ریاست میں ہو رہا ہے جہاں لوگوں کی کثیر تعداد زراعت اور باغبانی سے وابستہ ہے اور زمینیں ان کے لیے سکڑتی جا رہی ہیں۔

بھارت کے ڈیفنس منسٹر اے کے انٹونی کہتے ہیں کہ ''جموں کشمیر'' میں آرمی کی تحویل میں ''فری ہولڈ رائٹس کیٹگری''(free hold rights category) یا لمبی مدت کی لیز (long term lease) کے تحت زمین نہیں ہے، بلکہ آرمی کے پاس

زمین ہے وہ یا تو "ہائرنگ" (Hiring) یا ریکوزیشن (requisition) جس سے یہ کرایہ دیا جاتا ہے سے حاصل کی گئی زمین۔[16] حکومت جموں کشمیر نے ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ لینڈ ایکوزیشن ایکٹ کے تحت جو بڑے پیمانے پر زمین لی گئی ہے وہ فوج مستقل طور پر لیتی ہے۔ ریاستی اسمبلی میں ایک تحریری جواب میں یہی کہا گیا۔

"Land acquired by troops under land acquisation act becomes property of the party."

اسمبلی میں بتایا گیا کہ لیز، لائسنس اور لینڈ ایکوزیشن ایکٹ کے تحت 24914 ایکڑ (1,99,314 کنال) اراضی حاصل کی گئی ہے۔ صحافی بلال احمد بٹ کے مطابق کہ آرمی نے مستقل طور 900 ایکڑ اراضی اپنی تحویل میں لی ہے۔[17]

جموں کشمیر میں 13 فائرنگ رینج کے مقامات ہیں جہاں آرٹلری اور فیلڈ فائرنگ کی مشقیں کی جاتی ہیں۔ حالانکہ رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے بھارت کی بڑی ریاستوں جیسے اتر پردیش، مدھیہ پردیش، تامل ناڈو، کرناٹک میں اس قسم کے تین یا چار فائرنگ رینج کے مقامات پائے جاتے ہیں۔ ہزاروں کنال اراضی پر محیط توسہ میدان ستر سال تک فوج کے قبضے میں رہا ہے۔ فوجی مشقوں کے دوران جس میں بندوقیں اور بڑی بڑی توپوں کا بھی استعمال ہوتا ہے عوامی جانوں، مال و جائداد، حیوانات و نباتات کا بہت نقصان ہوتا ہے۔ اکتوبر 2013ء میں اسمبلی میں وزیر اعلیٰ عمر عبداللہ نے تسلیم کیا کہ 63 لوگوں کی جانیں ان فوجی مشقوں کے نتیجے میں اب تک گئیں ہیں تاہم متاثرین کو کسی قسم کی مدد نہیں دی گئی۔ نہ ملازمتیں دی گئیں اور نہ ہی کوئی معاوضہ۔ یہ ہے لینڈ ڈیپارٹمنٹ جس نے ہزاروں کنال زمین کو فینسنگ کے ذریعے بند کیا گیا کو بھی زمین کے استعمال کے عوض

کوئی دمڑی تک نہ دی گئی۔

کشمیر سنٹر فار سوشل اینڈ ڈیولپمنٹ سٹڈیز کی طرف سے سرینگر میں منعقدہ ایک کانفرنس جو توسہ میدان لیز پر بلائی گئی، میں توسہ میدان بچاؤ فرنٹ اور RTI موومنٹ سے وابستہ ڈاکٹر غلام رسول نے اس بات کا سنسنی خیز انکشاف کیا کہ ”ریاستی حکومت نے توسہ میدان علاقہ میں 6400 کنال اراضی فوج کو ملکیتی طور منتقل کر دی جس کے لیے ریاستی حکومت نے 15 کروڑ 42 لاکھ کی رقم وصول کی۔ اس اراضی کے علاوہ 1120 ایکڑ اراضی فوج کو لیز کے طور پر دی گئی ہے[18]“۔ ریاستی حکمرانوں کا فوج کو کشمیر کی اراضی کا مالک بنانا صریحاً آرٹیکل 370 کے خلاف ہے، لیکن وہ کون سی چیز ہے جو انہوں نے ہوسِ اقتدار کے لیے دلی کے ہاتھ بیچ نہ ڈالی ہو۔ بھارت کے سابق فوجی سربراہ جنرل وی کے سنگھ کا یہ انکشاف کہ کشمیر کے بھارت نواز سیاست دان فوج کے پے رول پر ہیں۔ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ نام نہاد ”عوامی نمائندے“ اصل میں بھارت کے فوجی اور سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیے ہی اقتدار کے ایوانوں میں پہنچائے جاتے ہیں۔ دہلی کے ایک نیوز چینل اور اخبار سے بات کرتے ہوئے آرمی چیف جنرل وی کے سنگھ نے 24 ستمبر 2013ء کو اس کی تصدیق اسطرح کی۔

"Army transfers money to all the ministers in J&K. Because there are various things to be done and ministers have to do so many things as part of the stabilizing factor in the state and for organizing various activities....I know

which politicians have been paid during my tenure. It is not unusual."[19]

ترجمہ ''جموں کشمیر میں آرمی تمام منسٹروں کو روپے دیتی ہے۔ ریاست کے استحکام اور کئی طرح کی سرگرمیوں کے لیے منسٹر بہت سارا کام کرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ کون سے ایسے سیاست دان ہیں جن کو میری فوج کی سربراہی کے دوران پیسے دئے گئے ہیں اور یہ کام معمول کے مطابق تھا۔''

کشمیر کا بچہ بچہ جانتا ہے یہ ''ایکٹیویٹیز''(Activities) کیا ہیں اور ان کا مقصد کیا ہے۔ آخر اس ''استحکام'' کے لیے ہی بھارت نواز سیاست دان ''جمہوری'' لباس پہن کر بھارت کا طبلہ بجاتے ہیں اور پھر ایوان میں آکر کشمیریوں کے حقوق کو پامال کرنے کی قوتوں کو اپنی بے لوث خدمت سے سرشار کرتے ہیں۔ فوجی سربراہ کے اس بیان سے ان گماشتوں کے نمائندگی کردار کی اصل حقیقت بھی سامنے آتی ہے۔ پے رول پر ہوں تو لازماً بیرکوں اور گیرزن کا ''استحکام'' ہی ان کے لیے مقصود ہے۔ یہی ان کی اولین ترجیح ہے، باقی کشمیری عوام، ان کے جمہوری اور آئینی حقوق اور مستقبل ان کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ ہر منسٹر یہاں سویلین پوشاک(plain clothes) میں 15 کور کا ''ترجمان'' اور اس کا داروغہ ہے۔ شیخ عبداللہ سے لے کر عمر عبداللہ اور مفتی سعید تک ہر ایک وزیر اعظم یا وزیر اعلیٰ اور منسٹر نے فوج کو مضبوط اور توانا بنایا ہے، اور یہی وجہ ہے جہاں کشمیری عوام بھاری فوجی جماؤ اور ان کے قبضے میں اراضی پر اپنی تشویش کا ظہار کرتے ہیں، وزیر اعلیٰ عمر عبداللہ اس کا دفاع کرتے ہوئے کہتے ہیں ''سرحدوں پر چین اور پاکستان کے ساتھ مشکل صورتحال درپیش رہتی ہے''۔[20]

لیکن اس سب کے باوصف بھارت نوازوں کی زبانوں سے بعض اوقات سچ بھی باہر نکل آتا ہے، اور عموماً اس "دیدہ دلیری" کا مظاہرہ اقتدار سے محروم ہونے کے دنوں ہی ہوتا ہے۔ ان کی زبانوں پر لگے مصلحت کے قفل کچھ وقت کے لیے ٹوٹ جاتے ہیں اور دل کی بات نوک زبان پر آ ہی جاتی ہے۔ مردہ ضمیر کی تہہ سے سچ کروٹ لے کر بیدار ہوتا ہے اور عوامی احساسات کے ساتھ کچھ وقت کے لیے جا ملتا ہے۔ ڈاکٹر فاروق اور ان کا پورا خاندان بھارت کے مفادات کا ہر بار محافظ رہا ہے۔ ان کی بھارت نوازی مسلمہ حقیقت ہے، لیکن 9 اپریل 2006ء کو (اقتدار سے ہجر کے دنوں میں) انہوں نے بھی فوجی قبضے کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ زمین کھونے پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا "نئی دہلی پوری وادی کو آرمی کنٹونمنٹ میں تبدیل کر رہی ہے۔۔۔ آرمی نے کپواڑہ میں زمین کو اپنی تحویل میں لیا ہے، جہاں وہ ایک نیا آرمی کنٹونمنٹ قائم کرنا چاہتی ہے۔ گاندربل میں شیخ عبداللہ نے اسلامی یونیورسٹی کی تعمیر کے لیے اراضی کا بڑا رقبہ مختص کیا تھا، لیکن آرمی نے اس پر بھی قبضہ جمایا ہے اور وہاں نیا گیری زن بنا رہی ہے"۔

"New Delhi was converting the entire valley into an Army Contonement....Army has taken possession of land in Kupwara where it was going to establish a new cantonment....in Ganderbal, late leader Sheikh Mohammad Abdullah had earmarked a huge piece of land for an Islamic University. But, the Army has

taken possession of that too and is setting up a new garrison there."[21]

مرحوم افتخار حسین انصاری نے بھی اپنا پورا سیاسی کیریئر بھارت کے مفادات کی تیاری میں صرف کیا، وہ جس بھی پارٹی کے ساتھ رہے، دہلی نوازی کی قدر مشترک کو فروغ ملا۔ پی ڈی پی کے سینئر لیڈر کی حیثیت سے 25/اگست 2009ء (جب پی ڈی پی اپوزیشن میں تھی) کو جب وہ ریاستی اسمبلی میں تقریر کرنے کے لیے اٹھے تو جتنی دیر وہ بولتے رہے تو سبھوں نے دیکھ لیا وہ مصلحت کی چادر چھوڑ کر گھر سے نکلے تھے اور آج کی بار "دل کی ترجمانی" کا پورا دربار اسمبلی میں سجا بیٹھے۔ کل کے مراعات یافتہ بھارت نواز کی جگہ وہ کشمیری عوام کی امنگوں کے دھارے کے ساتھ خود کو شریک کر رہے تھے۔ اس ایک گھنٹے کی تقریر میں انہوں نے جو کچھ کہا سچ کے سوا کچھ نہ کہا اور وہی کہا جس کے کہنے پر یہاں کے آزادی پسندوں کو زندانوں میں بھر دیا جاتا ہے۔

انہوں نے ریاستی حکومت کی ماسک اتار کر کہا "حکومت جموں کشمیر ڈیولپمنٹ یا کسی اور چیز کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں لے سکتی جب تک اس کے لیے اسے دلی اور آرمی جنرل کا آشیرواد اور تائید حاصل نہ ہو"۔ انہوں نے کشمیر کو فلسطین بننے کی پیش گوئی کرتے ہوئے کہا "کشمیر فلسطین کی راہ پر جا رہا ہے۔ ہمارے ساڑھے دس لاکھ کنال اراضی پر فوج کا قبضہ ہے۔ جہاں بھی وہ چاہتے فوج ڈھانچے اور عمارتیں کھڑی کرتی ہے اور ہماری حکومت ان کے سامنے بالکل بے بس ہے"۔ زبرون پہاڑی کی مثال دیتے ہوئے انصاری نے کہا "حکومت نے وہاں اپنے کسی محکمے کو کوئی بھی ڈھانچہ (Structure) کھڑا کرنے کی اجازت نہ دی لیکن آرمی کو ڈھانچے کھڑا کرنے کی اجازت دی اس لیے کہ آپ کو معلوم ہے آپ آرمی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتے، کیونکہ اس صورت میں آپ کی حکومت کو وہ کسی بھی وقت گرا سکتے ہیں"۔ فوج کو ماحولیات کو بگاڑنے کا مرتکب ٹھہراتے ہوئے انصاری

نے کہا" آرمی کشمیر میں ماحولیات کو بگاڑ رہی ہے۔ فوج تمام جنگلوں کے اندر گھس گئی ہے اور جنگلی حیات کے مسکن کو بھی نقصان پہنچایا ہے۔ یہی وجہ ہے پچھلے کئی سالوں سے انسان اور حیوان کے مابین تصادم کے واقعات بڑھ رہے ہیں"۔ اس صورتحال کو بدلنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے انہوں نے ایوان کو متنبہ کیا کہ "ہمارے نوجوان ہر معاملے پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ وہ ہم سیاست دانوں کو موت کے بعد بھی نہیں چھوڑیں گے"۔ فوجیوں کے انخلاء اور افسپا کے ہٹانے کا مطالبہ کرتے ہوئے پی ڈی پی لیڈر نے کہا "ہر روز فوج کشمیر کی زمین ہتھیا رہی ہے۔ فوج کی اس بھاری موجودگی میں ہماری اقتصادیات (Economy) کس طرح ترقی کرے گی اور انفراسٹرکچر کہاں بنے گا۔ فوج ہمیں چراگاہوں میں بھی جانے نہیں دیتی"۔[22]

ڈاکٹر فاروق اور افتخار انصاری کے یہ ریمارکس جہاں بھارت کے پورے ڈیموکریٹک سیٹ اپ (setup) پر سوالیہ نشان ہیں، وہیں زبردست فوجی جماؤ اور زمین کے آکوپیشن (Occupation) پر مزاحمتی راہنماؤں کے ردِّعمل کی بھی تصدیق کر رہے ہیں۔ سید علی گیلانی "آکوپیشن" کو "تمام خرابیوں اور مسائل کی جڑ"[23] سمجھتے ہیں اور خبردار کرتے ہیں کہ "اگر ہم اس وقت بیدار نہیں ہوں گے اور اپنی ذمہ داریاں محسوس نہ کریں تو آئندہ نسل ہمیں معاف نہیں کرے گی"۔[24] میر واعظ عمر فاروق کہتے ہیں کہ "فوج کے انخلاء کے بجائے زمینوں پر قبضہ اور کنکریٹ ڈھانچے تعمیر کرنے کا مقصد آکوپیشن کو مستحکم اور پختہ بنانا (Concretization of Occupation) ہے"۔[25] گوتم نولکھا خبردار کرتے ہیں کہ لوگوں کی مرضی کے خلاف زمین لے لینا بھارت کے خلاف بیزاری کے جذبات کو ہی بھڑکائے گا۔

4 فروری 2014ء کو جموں کشمیر کے ڈویژن بنچ نے حکم جاری کیا جس میں کہا گیا کہ غیر قانونی طور پر جنہوں نے زمین پر قبضہ کیا ہے وہ یہ قبضہ ہٹائیں اور ایسے تمام لوگوں کو

وہاں سے بے دخل کریں، لیکن ایسے حکمنامے بیرکوں، بنکروں اور گیریزنوں تک جا پائیں، مشاہدہ بتاتا ہے، ناممکن ہے۔

زمین کے بڑے رقبہ جات جنہیں فورسز "غیر قانونی" طور اپنے قبضے میں لیتی ہے اس کے لیے قبضہ کافی ہے اور اکثر جیسا کہ عارف شفیع وانی لکھتے ہیں اس کے لیے فورسز کی طرف سے ایڈوانس نوٹس بھی نہیں دی جاتی۔[26] لیکن جہاں تک "قانونی" طور قبضہ میں لی گئی زمین کا تعلق ہے اس کے لیے باضابطہ طریقہ کار وضع کیا گیا ہے۔ اس کے لیے فورسز کو ریکویزیشن دینی پڑتی ہے اور مقامی ایم ایل اے، مقامی مالکان زمین اور ضلعی انتظامیہ کی رضامندی اس کے لیے لازمی شرط ہے، لیکن عملاً یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی مرضی کے بغیر بھارت نواز سیاست کاروں اور بیروکریسی کو ہی ساتھ لے کر زمین "قانونی طور" حاصل کی جاتی ہے۔ مقامی مالکان زمین اپنی غیر رضامندی کا اظہار احتجاج اور عدالتوں میں دائر مقدموں کے ذریعے کرتے ہیں، لیکن یہ طویل اور تھکا دینے والی جدوجہد، جیسا کہ اب تک کے واقعات نے دکھایا، زمینوں سے محروم ہوئے لوگوں کے لیے سودمند ثابت نہیں ہوئی ہے۔ انہیں زمینیں واپس نہیں ملتیں۔[27]

2007ء میں انڈین آرمی کے ترجمان لیفٹیننٹ اے کے ماتھور نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ فوج نے ملی ٹنسی کے شروع ہونے کے بعد جن زمینوں کو اپنے قبضے میں کیا ہے تو یہ ریاستی حکومت کی مرضی اور اجازت سے ممکن ہوا اور اس کے لیے ریاستی حکومت ذمہ دار ہے۔

"We were provided land in orchards and other places. So it is State government which should be held accountable for matters regarding the

occupation of orchards."[28]

ریاستی اسمبلی کے ممبران اور مقامی حکومت کی وجہ سے ہی یہ ممکن ہوا ہے کہ فوج اور دیگر سیکورٹی ایجنسیاں اپنی تحویل میں اتنی بڑی تعداد میں زمین حاصل کر چکی ہیں۔ ماتھور نے بالکل صحیح بات کہی ہے۔ یہاں یہ حقیقت ایک بار پھر آشکار ہوتی ہے کہ سڑک، بجلی، پانی کے نام پر جو ووٹ مانگے اور لیے جاتے ہیں بھارت نواز اقتدار میں آکر یا اپوزیشن میں رہتے ہوئے اس ووٹ کی حرمت اپنے مفادات کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں۔ باضمیر اور دیانت دار اور جرأت مند لیڈرشپ کبھی بھی اپنے ہی لوگوں کے مستقبل اور مفادات پر شب خون مار نہیں سکتی، لیکن جنہوں نے سیاسی مراعات کے لیے اپنے ضمیر اور ایمان کا سودا کیا ہے وہ ڈرگ ایڈکٹ لوگوں کی طرح ہیں جو عارضی خوشی میں ایک بہت بڑی ہلاکت اور آفت کو دعوت دے رہے ہیں جس میں وہ بھی باقی لوگوں کے ساتھ بھسم ہو کر رہیں گے۔ وہ اپنے ہاتھوں سے جس درخت کی شاخیں کاٹنے کا جنون لیے ہوئے ہیں اس میں ان کا آشیانہ بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ آج وہ جن قوتوں پر نازاں ہیں کل وہی ان کو بچانے سے عاری ہوں گے۔ ہیوبارٹ ریز نے خوب کہا ہے کہ "بہت سارے لوگ اس دھوکے میں رہتے ہیں کہ وہ دھوکے میں نہیں۔"

> "Many people live under the illusion that they have none."
>
> -Hubert Ries

Notes and Refrences

1 Greater Kashmir - August 25, 2009
2 Greater Kashmir - August 26, 2009
'Actually troops occupy 28 lakh canals - PDP'
www.greaterkashmir.com
Rising Kashmir - October 20, 2009

4. Rising Kashmir - August 18, 2009

5. Kashmir Times - October 24, 2009

6. Greater Kaashmir - March 04,2014

7. ملاحظہ ہو گریٹر کشمیر 7 ردسمبر 2007ء، ہلال احمد کی رپورٹ
'Dispossessed people fighting hard for survival'

8. Rising Kashmir - July 24, 2013

9, 10. Land is an emative issue - One world South Asia, December 23, 2008. (southasia.oneworld.net)

11,12,13. Army claims 300 Kanals to Cattle Research Station - Hilal Ahmad, Greater Kashmir, March 13, 2015

14. Greater Kashmir - April 04, 2013

15. Greater Kashmir - April 23, 2010

16. راجیہ سبھا میں انٹونی نے جولائی 2013ء میں کہا:
"There is no land under possession in JK which is on free-hold rights category or long term lease. In JK land is being held either on hiring or requisition for which rent is being paid."

17. Disputed people fighting hard for survival - Hilal Ahmad - Greater Kashmir, December 07, 2007

18. Kashmir Uzma - April 15, 2014

19. Greater Kashmir - September 25, 2013

20. Kashmir Uzma - June 19, 2014

21. Greater Kashmir - April 10, 2006

22. Greater Kashmir - August 26, 2009

23, 24. Greater Kashmir - October 24, 2009

25. Greater Kashmir - April 19, 2006

26. Army has occupied our land - Greater Kashmir, May 14, 2008

27. A long battle for their land - Hilal Ahmad, Greater Kashmir May 14, 2008

28. Dispossessed people fighting hard for survival - Hilal Ahmad, Greater Kashmir, December 7, 2007

ہالوکاسٹ " 219 "

بھارت کے حکمرانوں نے ریاست کی سب سے بڑی "قوم پرست" تنظیم نیشنل کانفرنس اور اس کے قائد شیخ محمد عبداللہ کو اقتدار کے منصب پر فائز کر کے یہ سمجھ لیا تھا کہ دلی کے "ڈی فیکٹو" (De-Facto) تسلط کو کشمیری عوام کی طرف سے "ڈی جیور" (de-jure) قبولیت (Recognition) مل گئی ہے اور اب کشمیر ان کے لیے دردِ سر نہیں بنے گا۔ اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ شیخ عبداللہ جب تک زندہ رہے کشمیریوں کے اعصاب پر چھائے رہے۔ انہیں لوگوں کی بے پناہ مقبولیت حاصل ہوگئی، لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ اسی اخلاص کا انہوں نے سیاسی بلیک میل (Blackmail) کیا۔ انہوں نے کشمیری عوام کی آرزوؤں اور خواہشات کے خلاف دستاویز الحاق کی دلی میں پنڈت نہرو کا مہمان بن کر، تائید کی، لیکن ایک چیز بالکل واضح ہے چاہتوں کے اس تحویل قبلہ کے باوصف وہ کشمیری عوام کے دلوں سے نہ آزادی کا جذبہ ختم کر سکے اور نہ پاکستان کی محبت مٹا سکے۔ مسلم لیگ کے چوٹی کے راہنماؤں اور پاکستان نواز صحافیوں اور کارکنوں کو جلاوطن بھی کیا گیا، حتیٰ کہ ریڈیو پاکستان کی نشریات سننے تک کو گوارا نہ کیا گیا، آزادی تحریر وتقریر پر قدغن لگائی گئیں، ضمیروں پر پہرے بٹھائے اور زبانوں پر تالے چڑھائے، لیکن دلوں کے نہاں خانوں میں یہ جذبہ اندر ہی اندر سلگتا رہا اور پھر شیخ عبداللہ کے انتقال کے چند ہی سال بعد 1989ء کے اواخر میں لاوا بن کر پھوٹ پڑا تو دنیا نے "نان مارشل ریس" کہنے والی قوم کے نوجوانوں کے ہاتھوں میں کلاشنکوف دیکھی۔ بندوق ایک محکوم اور دبی ہوئی قوم کی طرف

سے بھارت جیسی بہت بڑی فوجی قوت کے خلاف اٹھانا اصل میں کشمیری نوجوانوں، جن میں بہت بڑی اکثریت تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تھی، کا بھارت کے ان دعوؤں کہ کشمیریوں نے بھارت کے جمہوری سسٹم پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے اور اب وہ بھارت کے ''قومی دھارے'' میں شامل ہو گئے ہیں کی نفی کا عسکری اظہار تھا۔ اس اظہار کے ساتھ پوری کشمیری قوم جس طرح شریک ہوئی وہ بے مثال ہے اور جس کی پاداش میں اس چھوٹی سی قوم پر بے پناہ مظالم ڈھائے گئے، جگہ جگہ مقتل سجائے گئے، عصمتیں لوٹی گئیں، ماورائے عدالتی ہلاکتوں کا گھناؤنا چکر چلایا گیا، جائدادیں تباہ کی گئیں۔ گم نام قبرستان ''آباد'' کیے گئے۔ بھارت کی فوجی طاقت نے یقیناً کلاشنکوف کو زیر کیا اور انڈین اسٹیٹ کے خلاف اٹھنے والے عوام کے جسموں کو فتح کیا، مگر ان کے قلب و ذہن کو مغلوب نہ کرسکا۔ اس جذبے کو کوئی طاقت مسخر نہیں کرسکتی، ختم کرنے کا سوال ہی نہیں، اس لیے کہ تعلق روح کے ساتھ ہے اور تمام تر حربوں کے باوجود بھارت مزاحمت کے اس اصل سرچشمے کو ختم کرنے پر فتحیاب نہ ہوسکا اور آج ستھر سال کے بعد بھی کشمیر میں استصواب کرانے، جس کا اس نے وعدہ کیا تھا، کی جرأت نہیں کرسکتا۔

بندوق نے جہاں کشمیر کے مسئلے کو نئی حرارت اور قوت گویائی بخش دی، وہیں غلط ہاتھوں میں آنے سے اس کی غلط کاریاں اور زیادتیاں بھی ڈھکی چھپی نہیں۔ بے اعتدالی اور غیر ذمہ داری کی کھائی میں بندوق کو گرادیا گیا، بالادستی کے جنون کے رتھ پر اسے سوار کیا گیا۔ گروہی تصادموں میں ''شوقِ شہادت'' کی حوریں اس کے سامنے پیش کی گئیں۔ چنانچہ رعونت کی مونچھوں کے سایے میں قضا و قدر کے فیصلے صادر کیے گئے۔ تقدیس ذات سے باہر دوسرے کا ایثار تسلیم ہی نہیں کیا گیا۔ خود کو ریاست سمجھ کر بندوق نے وزارتیں بانٹنی شروع کیں، حالانکہ دورِ محکومیت کی سیاہ تاریکیاں ابھی چھٹنے کو تھیں۔ یہ سازگار ماحول

ایجنسیوں کے لیے خود ہماری صفوں سے اپنے صادق اور جعفر[1] تیار کرنے کے لیے کسی نعمت سے کم نہ تھا۔کم ہی ایسے باہمت اور پختہ شعور رکھنے والے نوجوان تھے جو ان سازشوں سے بچ کر نصب العین کے شیدائی رہے اور کم ہی تنظیمیں رہیں جو وفا کے دئے جلانے کے عہد پر قائم رہیں۔اس میں دو رائیں نہیں کہ بندوق کی بے اعتدالی اور غیر ذمہ داری نے آزادی کی امیج کو بری طرح متاثر کیا، پنڈت کمیونٹی بھی اس کی زیادتیوں کی شکار بنی۔بعض بندوق برداروں نے اپنی ''بہادری'' دکھانے کے لیے اور بعض نے ان کو اسٹیبلشمنٹ کا حصہ سمجھ کر پنڈتوں کو ٹارگیٹ کیا۔بہر کیف ہر دو صورت میں یہ ظالمانہ اور غیر اخلاقی اور غیر اسلامی اقدام تھا، جس کا کسی صورت میں دفاع نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس کو جسٹفے (justify) کیا جاسکتا۔اس وقت کے گورنر جگ موہن، جس کی فرقہ پرستانہ ذہنیت اور کشمیر دشمنی سب پر عیاں ہے، نے پنڈتوں کے عدم تحفظ کے ان ہی احساسات اور بعض واقعات کو کشمیریوں کی منظم نسل کشی کرنے کے منصوبے کو روبہ عمل لانے کے لیے استعمال کیا۔ پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اگر دہلی کے اس نمائندے نے پنڈتوں کی حوصلہ افزائی نہ کی ہوتی اور اس بارے میں سہولیات اور دیگر ترغیبات (Insentives) نہ دئے ہوتے تو شاید پنڈت وادی چھوڑ کر نہ چلے جاتے۔بجائے اس کے اس کی انتظامیہ پنڈتوں کو حوصلہ دیتی اور ان کے تحفظ کے لیے اقدامات اٹھالیتی، گورنر نے ان کے مہاجرت کو فیسی للیٹ (Fascilitate) کیا۔

میر واعظ کی سربراہی والی حریت کانفرنس کے لیڈر مولانا عباس انصاری آر ایس ایس کی سوچ رکھنے والے گورنر کے ان ہی گھناؤنے عزائم کے بارے میں کہتے ہیں ''گورنر جگ موہن نے پنڈتوں کی نقل مکانی کا منصوبہ بنایا تاکہ مسلمانوں کی نسل صفائی کو عملی جامہ پہنائے۔ہر کوئی جانتا ہے کہ سخت کرفیو کے دوران پنڈتوں کو بس اور جہاز کے ٹکٹ فراہم

کیے گئے اور ان ہی ٹکٹوں کو کرفیو پاس کا متبادل سمجھ لیا گیا تاکہ (ان کو گھر چھوڑنے) میں کوئی مشکل نہ آئے[2]''۔ خیال رہے میر واعظ گروپ کو خود بھارتی حکومت اور ایجنسیاں ''اعتدال پسند''(Moderate) کہتی ہیں اور اس گروپ کی کئی بار دہلی سے دوطرفہ بات چیت بھی ہوئی۔

کلدیپ نائیر ایک سیکولر صحافی ہیں جو کشمیریوں کی تحریکِ آزادی کے حامی نہیں۔ وہ بھی جگ موہن کو ہی پنڈتوں کی وادی سے ہجرت کے ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ''مسٹر جگ موہن، جو اس وقت بی جے پی کے ممبر پارلیمنٹ ہیں، نے پنڈتوں کو وادی چھوڑنے کی حوصلہ افزائی کی جب وہ دوسری مرتبہ ریاست کے گورنر بنائے گئے۔ جگ موہن نے پنڈتوں کو ائیر ٹکٹ دیے، ان کو ٹرانسپورٹ کی سہولیات میسر رکھیں اور انہیں مالی مدد کی تاکہ وہ جموں بہرصورت پہنچ پائیں۔ اسطرح شاید پنڈتوں کو منظر سے ہٹا کر وہ ملی ٹنٹوں سے نمٹنا چاہتا تھا۔ کیا وہ کشمیر کی صورتحال کو فرقہ وارانہ رنگ دینا چاہتا تھا؟ کیا وہ حریت کے آزادی کے مطالبہ کے خلاف پنڈتوں کو استعمال کرنا چاہتا تھا؟ وجوہات کچھ بھی ہوں، اس طرح کے سخت اقدامت سے بہرحال اس نے لوگوں میں اور بھی زیادہ اشتعال پیدا کیا۔

"Mr Jagmohan, now a BJP MP, encouraged the Pandits to leave the Valley when he became governor of the state for the second time. Jammu and Kashmir Chief Minister Farooq Abdullah has confirmed this. Mr Jagmohan gave the Pandits air tickets,

provided them with transport and arranged financial and other help to ensure their journey to Jammu. It was as if he wanted them to be out of the way to be able to deal with militants. Did he want to communalise the situation, plan to use the Pandits one day against the Hurriyat's demand for independence? Whatever the reason, his rough methods provided a spark to an already combustible situation."[3]

بھارت کے ایک اور صحافی بریج بھر دواج حیرت سے پوچھتے ہیں کہ "یہ کیسی عجیب انتظامیہ ہے جو پنڈتوں کی حفاظت کرنے کے بجائے انہیں ٹرانسپورٹ سہولیات میسر رکھ کر مہاجرت کے لیے ہمت افزائی کرتی ہے"۔

"It was strange case of administration, instead of stepping forward to provide protection to minorties it encouraged them to migrate by providing transport and other help."[4]

پروفیسر بھیم سنگھ، جو پنتھرس پارٹی کے موسس ہیں اور جن کی پارٹی پی ڈی پی،

کانگریس مخلوط سرکار کا حصہ تھی، نے کہا ہے کہ پنڈتوں کے وطن چھوڑنے کے ذمہ دار جگ موہن اور مفتی سعید ہیں، بغیر کسی لاگ لپٹ کے جموں سے تعلق رکھنے والے اس ڈوگرہ سیاست دان نے کہا کہ ''دو لاکھ پنڈت مہاجرین کی مہاجرت ریاستی حکومت کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتی تھی۔ کشمیری مسلمان اور پنڈت نسلی طور ایک جیسے ہیں۔ کشمیر میں کوئی نسلی (ethnic) کرائسس (Crises) نہیں ہے، جیسا کہ میڈیا میں اس کو پیش کیا جاتا ہے۔ کشمیری مسلمان ہمیشہ سے سیکولر رہے ہیں اور وہ پنڈتوں کے وطن چھوڑنے کے ذمہ دار نہیں''۔ بھیم سنگھ نے یہ باتیں جموں میں نامہ نگاروں سے کہیں:

> "Migration of more than two hundred thousand Pandits was not possible without the help of State apparatus. I can prove that Jogmohan and then Home Minister Mufti Sayeed were behind the mass migration of Pandits.... There was no ethnic crises in the valley as it is being portrayed in the media.... Muslims and Pandits are ethnically same. Kashmir Muslims have always been secular, they were not responsible for exodus of Pandits...."[5]

جب رپورٹروں نے بھیم سنگھ سے پوچھا کہ بعض ملی ٹنٹوں نے کئی پنڈتوں کو ہلاک

کیا اور خوف کا ماحول بنایا تو پروفیسر صاحب نے انتہائی معقول بات کہی "ایک مجرم پوری کمیونٹی کا نمائندہ نہیں بن سکتا اس لیے کہ کسی بھی سیٹ اپ میں جرائم کا ارتکاب کرنے والے افراد بہرحال ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔

ہر سال 19 رجنوری 1990ء کو کچھ پنڈت گروہ بالخصوص "پنن کشمیر" نامی پنڈتوں کی ایک تنظیم، جو مہاجرت کے بعد سنگھ پریوار کی گود میں پلی بڑھی اور جسے وہ پسر پروردہ کا رتبہ دے کر کشمیریوں کے خلاف منافرت پھیلانے کے لیے استعمال کر رہے ہیں، "ہولوکاسٹ" (Holocaust) کے طور پر مناتی ہے۔ یہ وہ دن ہے جب پنڈت اپنے گھروں کو چھوڑ کر سرکاری تعاون اور اشتراک کے ساتھ جموں کی طرف عازم سفر ہوئے۔ اس دن خصوصی طور پر دلی کے جنتر منتر پر وہ جمع ہوتے ہیں اور کشمیریوں پر "نسلی صفائی" اور "قتل عام" جیسے الزامات لگا کر کشمیریوں کو نازی جرمنی کے صف میں کھڑے کرتے ہیں۔ جی بھر کر کشمیریوں کو گالیاں دیتے ہیں اور ان کے وطن چھوڑنے کے نتیجے میں مشکلات کا کچرا مسلمانوں کے صحنوں اور بالکونیوں پر ڈالتے ہیں۔

اب ذرا اس "ہولوکاسٹ" کی اصلیت پر بھی نظر دوڑائیں۔ یکم مئی 2008ء این ڈی ٹی وی کے سرینگر بیرو چیف نذیر مسعودی نے سرکاری ریکارڈ کی شہادت کے ساتھ اس جھوٹے پروپگینڈے کی قلعی کھول دی جو نام نہاد "ہولوکاسٹ" کے حوالے سے کیا جا رہا تھا۔ پہلی بار ایسا ہوا کہ پنڈتوں کی ہلاکتوں کے بارے میں ایک جامع اور مصدقہ رپورٹ منظر عام پر لائی گئی۔ اس سے قبل خود کشمیریوں کو بھی معلوم نہ تھا کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ اگرچہ تمام کے تمام پنڈت وادی چھوڑ کر نہ چلے اور تقریباً آٹھ ہزار پنڈت اپنے وطن کی مٹی کے ساتھ چمٹے رہے اور "سرد و گرم" حالات میں اپنے مسلم ہمسائیوں کی ہمسائیگی میں یہاں ہی رہے اور آج تک کئی سو پنڈت گھرانے واپس وطن لوٹ آئے ہیں، تاہم راہ فرار اختیار کرنے والے

پنڈتوں میں سے بعض نے مسلمانوں کو بدنام کرنے، انہیں فرقہ پرست ثابت کرنے اور پنڈتوں کی ''نسلی صفائی'' میں مجرم ٹھہرانے میں جو بیہودہ پروپیگنڈا کیا اور جس قسم کی مبالغہ آرائی کی، اس کو دیکھتے ہوئے بانہال سے باہر کے ہر شخص کو خواہی نا خواہی، کشمیری مسلمان کی اسی تراشیدہ امیج کو قبول کرنا پڑا۔ جموں، دہلی، نیویارک کے شہروں میں ویب سائیٹوں کے ذریعے پنڈتوں اور ترشول دھاریوں نے جو اعداد و شمار پیش کیے اس سے دنیا کو یہ تاثر دیا جا رہا تھا کہ سو دو سو نہیں ہزار نہیں، دسیوں ہزار نہیں، بلکہ پوری پنڈت کمیونٹی کا وادی سے صفایا کرنے کے لیے سلسلہ وار قتل عام ہو رہا تھا۔

اب مکمل شواہد اور پولیس ریکارڈ کے ساتھ اس بہتان تراشی اور کذب بیانی کی توپوں کے دہانے سچائی کے محض ایک میزائیل کے ضرب سے خاموش ہو گئے۔ رپورٹ میں واضح کیا گیا کہ گزشتہ 19 برسوں میں صرف 219 پنڈت افراد کی ہلاکتیں پیش آئیں۔ یہ ہے وہ ''جینوسائڈ'' (Genocide) ''نسلی صفائی'' اور ''ہالو کاسٹ'' اور اہم بات یہ ہے یہ رپورٹ بھارت کی نیشنلسٹ نیوز چینل NDTV کے سرینگر بیرو چیف نذیر مسعودی نے یکم مئی 2008ء کو پیش کی اور پولیس کی تحقیقات پر مبنی ریکارڈ اس کو اتھنٹک (Authentic) بناتا ہے۔[6] پوری وادی کے دس ضلعوں میں مارے گئے پنڈت افراد کی ضلع وار تفصیل اس طرح ہے۔

نام ضلع	مہلوکین کی تعداد	تعداد ایف آئی آر جو درج ہوئیں
سرینگر	82	72
بڈگام	16	10
گاندربل	28	5
بارہ مولہ	11	11

کپواڑہ	4	4
ہندوارہ	4	3
اسلام آباد	16	13
پلوامہ	28	4
کولگام	17	15
اونتی پورہ	13	3
کل تعداد	219	140

219 پنڈت افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے،کوئی ایسا واقعہ نہیں جس کو ہلکا کر کے پیش کیا جاسکتا ہے۔ایک معصوم اور بے گناہ شخص کا قتل اسلام کی نظر میں پوری انسانیت کا قتل ہے اور جو بھی لوگ قتلِ ناحق کے بہیمانہ واقعات میں ملوث ہوں حکومت کا فرض ہے ان کو ڈھونڈ کر کیفر کردار تک پہنچائیں۔ایسے مجرم اور انسانیت دشمن عناصر جہاں بھی پناہ لیے ہوئے ہیں اور جس قسم کے دفاعی حصار میں ہوں، قانون کے لمبے ہاتھ ان کو وہاں سے کھینچ کر انہیں انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کریں۔ یہاں کشمیر کا ایک بھی شخص پنڈتوں کے خلاف اس طرح کی گئی زیادتی کا حامی نہیں رہا ہے اور نہ قاتلوں کو سزا دینے کے خلاف ہے۔

لیکن دنیا جانتی ہے کہ''نسلی صفائی''اور''قتل عام'' کے شکار لوگوں کو آیئر ٹکٹس نہیں دی جاتی ہیں،نہ ان کے لیے بسوں کا انتظام کیا جاتا ہے،نہ ہی ان کی روانگی کے لیے کرفیو کا نفاذ کیا جاتا ہے،لیکن پنڈتوں کی مائیگریشن نرالی ہے۔بے مثال اور بے بدل ہے۔یہ انڈین اسٹیٹ کے ایماء اور سیکورٹی فورسز کی محافظت میں انجام دی جاتی ہے تاکہ پیچھے رہ جانے

والے لوگوں (مسلم میجارٹی) کو سرکاری عتاب کا شکار بنانے کے لیے فورسز کے ہاتھ کھلے رہیں۔ آپ نہایت آرام اور سکون کے ساتھ ٹرکوں میں مال واسباب اور جائداد یں بھرتے جا رہے تھے۔ مسلم اکثریت (جس کو تم نے بدنام کیا) تمہارے خون کی پیاسی ہوتی تو تمہارے گھروں کو نذر آتش کرتی، تلواریں لے کر تم پر ٹوٹ پڑتیں، جیسا کہ گجرات میں ہندو کمیونٹی نے مسلم اقلیت کے ساتھ کیا اور بھارت کے دوسرے علاقوں میں کرتی ہے اور جیسا کہ جموں میں ہندو کمیونٹی نے ڈھائی لاکھ مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر کیا، لیکن اس قسم کی منصوبہ بند مہاجرت دیکھنے کو نہ ملتی۔ میرے الفاظ شاید گلے میں خراش کے باعث بن رہے ہیں، جسٹس آر پی سیٹھی، جو بھارت میں سپریم کورٹ کے جج رہے ہیں سے اس بے خوف وخطر مہاجرت پر پوچھتے ہیں وہ اس پر کیا کہتے ہیں۔ فاضل جج 1947ء میں اپنے کنبے کے ساتھ پونچھ سے بھاگ کر جموں پہنچے۔ اپنی مہاجرت اور پنڈتوں کی مہاجرت کا موازنہ کر کے طنزیہ انداز میں وہ پنڈتوں سے پوچھتے ہیں کہ "تمہاری کشمیر سے مائیگریشن بالکل مختلف ہے۔ تم اپنے ساتھ سب کچھ کشمیر سے لے کر آئے ہو حتیٰ کہ "کروڑھ" اور کانگڑی بھی نہ بھول گئے۔ ہم صرف پہنے ہوئے کپڑوں کے بغیر اور کچھ لے کر نہ آئے۔"[7]

جونہی ریاست کے "شہریوں" (Citizens) کو ریاست کی "رعایا" (Subjects) سے الگ کر کے "محفوظ مقامات" پر لے جایا گیا، جگ موہن نے "نرسری آڈرلی" (Nursery Orderly) کا وہ چوغہ اتار لیا جو اس نے گورنر راج کے اپنے پہلے مدت تقرری میں پہن لیا تھا۔ ٹیلی ویژن پر خطاب میں اس نے اپنا برہنہ چہرہ دکھایا اور اپنے عزائم کا یوں اظہار کیا۔ "اگر کسی نے امن وقانون کا مسئلہ کھڑا کیا، تو امن وسلامتی کا کارڈ میرے ہاتھ سے چلا جائے گا۔"

"If anybody creats a law and order

problem, the card of peace shall slip away from my hands."

جو وارننگ اس نے دی وہ خالی خولی نہ تھی۔ اس نے من وعن (In letter and Spirit) اس پر عمل کیا۔ اس نے ''امن وسلامتی کے کارڈ'' کو پھینک دیا اور جنرل ڈائیر کے اوتار میں گاؤکدل سرینگر میں جلیانوالہ باغ کی سفاکیت رقم کی۔ پنڈت کمیونٹی کو وادی سے نکالنے کے صرف ایک روز بعد یعنی 20رجنوری 1990ء کو سرینگر کے چھوٹہ بازار میں سی آر پی ایف نے بڑے پیمانے پر تلاشی کارروائی (Search Operation) کے دوران عام لوگوں پر زیادتیاں کیں اور عورتوں سے بدسلوکی کی اور ان کے ناموس سے کھیلنے کی کوشش کی۔ دوسرے روز (21رجنوری) سول لائینز ائیریا سے لوگوں نے اس واقعہ کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے جلوس نکالا۔ مظاہرین پُرامن تھے، لیکن گاؤکدل کے مقام پر بغیر کسی اشتعال کے سی آر پی ایف اہلکاروں نے جلوس پر اندھا دھند فائیرنگ کی، جس کے نتیجے میں 52افراد شہید ہوئے اور 200 کے قریب لوگ زخمی ہوئے۔ دہلی سے حکام سرینگر آئے اور واقعے کی ''تحقیقات'' کی اور ملوث مجرمین کی ''نشاندہی'' کی لیکن آج تک اس اور دوسرے ایسے واقعات میں ملوث فوجی اور دیگر نیم فوجی اہلکاروں کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں لائی نہیں گئی۔ بہمیت کا نہ رُکنے والا سلسلہ کشمیریوں کا مقدر بنا۔ اسی جگ موہن کے گورنر راج میں 21رمئی 1990ء کو میر واعظ مولوی فاروق کے جنازہ جلوس پر فورسز نے انتہائی بے رحمانہ انداز میں فائرنگ کی جس میں 27لوگ جان بحق ہوئے، ان میں ایک بچہ اور تین خواتین شامل ہیں، درجنوں افراد زخمی بھی ہوگئے۔ اس انتہائی بزدلانہ اور شرمناک واقعے پر اگرچہ بھارت کے نیتاؤں نے ''ہمارا سر شرم سے جھک گیا'' کے فقرے کہہ کر افسوس کا اظہار کیا اور جگ موہن کو واپس بلایا۔

تاہم بھارت کی کشمیریوں کو دبانے اور کچلنے کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ جگ موہن کے متبادل جو بھی آئے اس پالیسی کو نہ صرف برقرار رکھا، بلکہ اس میں مزید ''نکھار'' (Improvisation) لایا۔ گروہی تصادم، کیچ اینڈ کل (catch and Kill)، اخوانی کلچر، وی ڈی سی جتھ بندی وغیرہ مابعد جگ موہن دور کی دریافت ہیں۔ پھر ''منتخب'' حکومتوں نے یونیفائڈ کمانڈ کونسل کی سربراہی کر کے اس پالیسی کو سویلین پوشاک پہنادی، تاکہ دنیا کو تاثر ملے یہاں سب کچھ ٹھیک ہے۔ کپواڑہ، ہندواڑہ، سوپور، بجبہاڑہ جیسے قتل عام کے واقعات، سینکڑوں دوسرے بہیمانہ واقعات، کنن پوشہ پورہ، چک سعدی پورہ اور شوپیان میں اجتماعی عصمت دری کے واقعات، یہ سب منتخب یا غیر منتخب حکومتوں کی دین ہے، جن کو کشمیری کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ کشمیریوں پر یہ مظالم اس لیے ڈھائے گئے کیوں کہ بھارت کے رگ و ریشے میں یہ امر حق پیوست ہوگیا ہے کہ کشمیری بھارت کے ساتھ کسی صورت میں رہنا نہیں چاہتے۔ سابق وزیر اعظم ہند راجیو گاندھی جب 1990ء میں کشمیر کے دورے پر آئے تو انہوں نے یہاں کے لوگوں کے قلبی احساسات اور بھارت مخالف جذبات کو دیکھتے ہوئے اعتراف کیا ''وی ہیولاسٹ کشمیر'' (ہم نے کشمیر کھو ڈالا) اور اس ''کھوئے ہوئے کشمیر'' کو کس طرح بھارت نے اپنے ''قومی دھارے'' میں واپس لایا ہے، دلی اور ہم سب جانتے ہیں۔

سکھ کمیونٹی بھی یہاں صدیوں سے کشمیری مسلمانوں کے ساتھ رہ رہی ہے۔ چھٹی سنگھ پورہ جیسی ٹریجڈی نے ان کو بھی ہلا کے رکھ دیا اور ان کے صبر و تحمل اور فہم و فراست کا امتحان لیا، لیکن انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ بھائی چارہ اور نیک ہمسائیگی کے اس رشتے کو گزند پہنچنے نہ دیا اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی تمام سازشوں کو ناکام بنادیا۔ مسلمان اکثریت اتنی ہی خوفناک، جارح اور فرقہ پرست ہوتی تو سکھ اقلیتی فرقے کی بھی ''نسلی صفائی'' اور

"جینوسائیڈ" ہو چکی ہوتی اور وہ بھی وادی چھوڑ چکے ہوتے۔لیکن انہوں نے کشمیر مین اسٹریم کے ساتھ اپنا جسمانی، جذباتی اور قلبی رشتہ برقرار ہی نہیں رکھا، بلکہ اس کو مزید تقویت دی۔ان تمام عشروں میں یہاں کی مسلم اکثریت حصار جبر میں تڑپتی، بلکتی رہی۔لیکن پنڈت برادری نے دست جفا کیش کو ہی چوم لیا۔ان کی رگِ انسانیت ایک لمحے کے لیے بھی ہمارے حق میں پھڑک نہیں اٹھی، جبکہ ہم ہر بار سینہ کوبی کرتے رہے جب بھی وندھامہ طرز کی ستم سامانیاں ان پر ڈھائی گئیں۔ اسٹیٹ یا نان اسٹیٹ ایکٹروں میں سے کس نے ایسے انسانیت سوز واقعات کا ارتکاب کیا، ہمیں معلوم نہیں، لیکن ہم نے اس پر احتجاج کیا، اس کی مذمت کی اور شدید رنج وغم کا اظہار کیا۔گجرات کی ہندو اکثریت کی طرح ہم نے وطن واپس لوٹ آنے والے پنڈت بھائیوں کو بھنویں چڑھا کر، گالیاں دے کر اور تمسخر اڑا کر استقبال نہ کیا نہ ان کو خوف زدہ کر کے بھگا دیا، بلکہ جب بھی وہ آئے ان کو اپنی باہوں کا ہار پہنایا اور سلامتی کی دعائیں دے کر اپنا مہمان بنایا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ باہر ہم سے دور رہ کر انہوں نے ہماری بدنامی (Demonisation) میں اور ہمیں فرقہ پرست کے روپ میں دکھانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

اس تصویر کا ایک اور پہلو ہے۔ پنڈتوں کی طرح ہزاروں مسلمانوں کو بھی بھارتی فورسز اور اخوانیوں کے عتاب سے نکلنے کے لیے اپنے گھروں، باغوں، زمینوں، بزنس، جائداد سب کچھ چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہونا پڑا۔ پنڈتوں کی طرح مسلمانوں کی یہ مہاجرت بھی ریاست کے حدود میں تھی یعنی "انٹرنل ڈس پلیسمینٹ" (Internal Displacement)۔فرق صرف اتنی آپ دو ڈھائی سو کلومیٹر کی مسافت طے کر کے اپنے "دارالقرار" میں مقیم ہوئے، جب کہ اپنی عصمت اور جان بچاتے کشمیری مسلمان اسی ریاست میں ایک جگہ سے دوسری جگہ بھٹکتا پھرتا رہا۔آپ اگر ڈھائی سو کلومیٹر کی دوری کے

مہاجر بنے وہ بھی تو تیس، چالیس، سو، ڈیڑھ سو کلو میٹر کے مہاجر بنے اور اس حالت میں جب کہ کشمیر کی کوئی جگہ ان کے لیے دار الامان ثابت نہ ہو سکی۔ ''ہولوکاسٹ 219'' کے بعد پھر بھی آپ ہماری کردارکشی کے لیے حفظ و امان میں ہیں۔ یہاں ہمارے ''دار الامان'' میں اب بھی ہماری لاشیں گرتی ہیں، مقتل کی رونقیں تازہ ہیں اور زندانوں کے دروازے کھلے ہیں۔ یہاں افسپا اور پی ایس اے عدالتوں کی کلائیاں موڑنے کے لیے آج بھی اتنے ہی بازور اور بااختیار ہیں جتنے کہ دو عشرے قبل اس وقت تھے جب عسکریت اپنے جوبن پہ تھی۔

اور ہاں آپ کی یہ انٹرنل ڈسپلیسمینٹ آپ کے لیے میگریشن اور ایکزوڈس (Exodus) ہے اور اس حیثیت میں بھارت سرکار، ریاستی سرکار اور بھارت کی جنتا آپ کے لیے دلوں کے دروازے کھول دیتی ہے اور تمام قسم کی امداد، مراعات اور وظائف اور سہولتیں آپ پہ نچھاور کرتی ہیں، لیکن ہمیں اپنے حجروں اور کھیتوں سے جبراً نکالنے والی یہ انٹرنل ڈسپلیسمینٹ ان ساری تعریفوں سے خالی، سارے مراعات، وظائف اور سہولتوں سے محروم۔ پورے بھارت میں ہماری محکومیت پہ اور ہماری بے بسی اور ہم پہ ڈھائے جانے والے مظالم پہ ایک آنکھ بھی پرنم نہیں، ہمدردی کا ایک بول بھی لب پہ گراں! اور پھر انڈین اسٹیٹ خود کو سیکولر اور ڈیموکریٹک کہے، یہ مذاق نہیں تو اور کیا!

جس روز آپ ''کرشھ'' اور ''کانگر'' سمیت پورے سرکاری جلو میں یہاں سے رخصت ہوئے، ایک بھی پنڈت بھائی کی جان نہیں گئی۔ پھر بھی اس ''ایکزوڈس'' کو آپ ''ہولوکاسٹ ڈے'' کے طور پہ ہر سال یاد کرتے رہتے ہیں۔ کوئی مضائقہ نہیں اپنے پیاروں کو یاد کرنے میں! لیکن یہ بھی تو فرمائیے جن کو ہولوکاسٹ 219 کی طرح سینکڑوں ہولوکاسٹ ایام سے گزرنا پڑا، اس پہ آپ اور سنگھ پریوار اور دہلی کے نیتا خاموش کیوں؟ اگر آپ کے

219افراد کی ہلاکت جینوسائیڈ کے تقدیس(Sanctity) کی حامل ہے،تو ہماری طرف کے ایک لاکھ لوگوں کا قتل اس تقدیس سے محروم کیوں؟ جموں کی''ایکزوڈس'' آپ کو''نسلی صفائی'' کے اس مقام پر لے آتی ہے جہاں ہمدردی اور مروّت آپ کے کھاتے میں جمع ہوتی ہے اور نفرت اور بدنامی ہمارے نام چالان کی جاتی ہے۔لیکن یہ بھی تو فرمائیں ہمارے گھروں سے ہمارا جبری انخلاء اس مروّت اور ہمدردی کا حق دار کیوں نہیں؟ اور ہمارے قاتل اور ردائے عصمت تار تار کرنے والے مجرمین انعاموں، بہادری کے میڈلوں اور پرموشنوں سے کیوں نوازے جاتے؟

ہم سب انسان ہیں اور اس قدر مشترک کو تسلیم کر کے ہم انسانی لہو پر فرقہ پرستی کا رنگ نہ چڑھائیں، جو ہر ایک میں سرخ ہے اور انتہائی قیمتی اور مقدس ہے۔انصاف کے ترازو میں حق اور ناحق اور قاتل اور مقتول، جابر اور مجبور، قابض اور محکوم کو دیکھیں اور جانچیں، نہ کہ ہندو بنام مسلم یا مسلم بنام ہندو کے غیر انسانی تقسیم پر جھتہ بندیوں سے حق وصدات کا گلا گھونٹ دیں۔خون جلیل اندرابی (ایڈوکیٹ) کا کیا گیا ہو یا ٹیکالال ٹپلو کا، ہم اسے ہندو خون اور مسلم خون کے نام پر نہیں بلکہ ایک انسان کے قتل ناحق کے طور پر لیں۔قاتل چاہے افسپائی شیلڈ میں ہو یا سبز پوشاک میں ملبوس، وہ قاتل ہے اور ملکی مفادات یا کسی کاز کے لیے اس کا کسی صورت میں دفاع نہیں کیا جاسکتا اور یہ بھی یاد رہے کہ نان اسٹیٹ ایکٹرس کے برعکس اسٹیٹ ایکٹرس ملکی قانون اور آئین کے پابند ہوتے ہیں اور اپنے ہر عمل کے لیے عدالتوں کے سامنے جوابدہ ہیں۔جب کوئی حکومت انہیں عدالتوں کے سامنے جوابدہ بنانے سے آزاد کرے تو اس کا مطلب ہے پوری ریاست، اس کی سیاسی لیڈرشپ اور حکمران طبقہ اسے شتر بے مہار کی طرح کھلا دندناتے پھرنے کے لیے چھوڑتے ہیں۔ان ہی کے ہاتھوں پھر ہولوکاسٹ 219 کے نئے ایڈیشن اجراء کیے جاتے ہیں اور ملکی عدالتیں اس

متوازی رجیم کی عمل داری پر بھی سوموٹو(Suo Moto) ایکشن لیں، اس کی ایک مثال بھی ابھی تک سامنے نہ آئی۔

Notes and Refrences

1. اس بارے میں ایڈرین لیوی اور کیتھی سکارٹ کلارک کی کتاب "The Meadow" ضرور پڑھیے
2. Greater Kashmir - May 19, 2006
3. Times of India - April 18,1997
4. Kashmir Times - November 25, 1996
5. Greater Kashmir - December 15, 2005
6. بھارت کے منسٹر آف سٹیٹ برائے امور داخلہ جتندر راسنگھ نے بھی 219 پنڈتوں کے ہی مارے جانے کی تصدیق کی ہے۔ پارلیمنٹ میں بیان دیتے ہوئے انہوں نے کہا:

   "As per information received from J&K government, 219 Kashmiri Pandits were killed in the state since 1989 and 58697 families are reported to have left their homes due to onset of militancy in Kashmir valley."

   - Greater Kashmir - August 11, 2011
7. Letter to Katyar- G N Hagroo, Greater Kashmir, March 15, 2002.

قطبین کا مِلن

حالیہ اسمبلی انتخابات میں کشمیر کی دونوں ریجنل پارٹیوں، این سی اور پی ڈی پی نے جہاں حسبِ روایت لوگوں کو سڑک، پانی، ٹرانسفارمر جیسے میونسپلٹی کاموں کے لیے ووٹ مانگے، وہیں بی جے پی اور سنگھ پریوار کے بڑھتے قدموں اور خطرناک عزائم کو روکنے کے لیے بھی ووٹوں کی اہمیت کو اُجاگر کر کے ''عوامی مینڈیٹ'' مانگا۔ آر ایس ایس بریگیڈ نے نہ صرف جموں کے مسلم اکثریتی علاقوں میں اپنے کنڈیٹ کھڑے کیے بلکہ وادی میں بھی پہلی بار ہی نشستوں کے لیے انتخاب لڑنے کا اعلان کیا۔ حریت نواز سیاسی لیڈرشپ کی طرف سے چناوی بائیکاٹ کے باوجود کشمیریوں نے ان انتخابات میں اس وجہ سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کہ وہ ووٹ ڈال کر فرقہ پرست پارٹی کو کشمیر میں اپنے پیر پھیلانے سے روکنا چاہتے تھے۔ بی جے پی نے اپنے چناوی ''ویژن ڈاکومینٹ'' میں اپنے اہداف کو واضح کیا اور کھول کر بتایا کہ اس کی جیت ریاست کے مسلم میجارٹی کریکٹر کے لیے کیا کچھ کرنے جارہی ہے۔ چنانچہ دونوں مقامی تنظیموں نے خود کو ریاست کے اس کریکٹر اور کشمیریوں کی شناخت کے محافظ کے طور پر پروجیکٹ کیا۔ اٹانومی، سیلف رول، افسپا کا خاتمہ، سیاسی قیدیوں کی رہائی، پروجیکٹوں کی واپسی وغیرہ پر ان کے الیکشن مینی فیسٹو کیا کیا لاف زنیاں کرتے ہیں، اس کی تکرار بڑی زور وشور سے اس چناؤ میں بھی ہوئی، تاہم دونوں نے بی جے پی کو آر ایس ایس کا سیاسی بازو کہہ کر کشمیریوں کو اس کے ''جارحانہ عزائم'' اور ''کشمیر اور مسلم دشمن منصوبوں'' کو چناوی عمل میں حصہ لے کر ناکام بنانے کی اپیل کی۔ این سی چونکہ دلی میں واجپائی کی

سر براہی والی حکومت میں شامل رہی اور عمر عبداللہ خود اس حکومت میں وزیر رہے ہیں اور گجرات کے مسلم کش فسادات میں ڈاکٹر فاروق نے مذمت کے دو بول بھی نہ کہے تھے۔ اس تناظر میں بھاجپا کی جب بھی این سی مخالفت کرتی تھی پی ڈی پی اس پر چوٹ کرتی تھی اور خود کو اس حیثیت میں زیادہ داغدار نہ سمجھتی تھی۔ اس لیے 'اعتبار'' کی اس توانائی کو اپنی پارٹی کے بازوؤں میں سموئے ہوئے وہ کو ہدف ملامت بنانے کے لیے دونوں ایڑیوں پر چلی جارہی تھی، گویا مسلم شناخت کے تحفظ کے جملہ حقوق اس نے اپنے نام ہبہ کیے تھے۔

پی ڈی پی کی صدر محبوبہ مفتی نے ڈوڈہ میں ایک چناوَ جلسے سے خطاب کرتے ہوئے بی جے پی پر الزام عاید کیا کہ وہ ''انتخابی فوائد کے لیے ریاست کو تقسیم کرنا چاہتی ہے۔ نسلی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر اور ایسا کر کے وہ آگ سے کھیل رہی ہے [1]''۔ کشمیر وادی میں مفتی سعید، محبوبہ مفتی اور پی ڈی پی کے لیڈروں کے چناوی جلسوں میں کی گئی تقریروں میں ان الزامات کی حدت اور شدت اور بھی زیادہ تھی۔ وہ کہہ رہے تھے امیت شاہ (بی جے پی کا قومی صدر) جس چانکیائی رتھ پر سوار ہوا ہے اس کو اگر بانہال کے پار روکنا ہے تو پی ڈی پی کو ساتھ دیں۔ اسلام آباد میں چناوی ریلیوں سے خطاب کے دوران مفتی سعید نے فرقہ پرست قوتوں (یعنی سنگھ پریوار) کو للکارتے ہوئے کہا کہ ''پی ڈی پی ریاست کی مخصوص شناخت کے تحفظ کے لیے ایک آہنی دیوار بن جائے گی اور کسی کو بھی کشمیر کا خصوصی مقام ڈائیلیوٹ کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی [2]''۔ ناگپور کی طرف اپنی بند مٹھی کو لہراتے ہوئے مفتی سعید نے کہا ''پی ڈی پی اپنی پوری طاقت کے ساتھ تقسیم کرنے والی قوتوں کے خلاف لڑے گی جو ریاست کی سپیشل پوزیشن کو چھیننا چاہتے ہیں [3]''۔ اپنی پارٹی کے حق میں ووٹ ڈالنے کے مطالبہ کے مقاصد پر بات کرتے ہوئے مفتی نے کہا ''میں آج آپ سے ووٹ اس لیے نہیں مانگ رہا ہوں کہ مجھے نئی حکومت بنانی ہے، بلکہ اس

مقدس جنگ (Crusade) کے جیتنے کے لیے ووٹ مانگ رہا ہوں جس سے ریاست جموں کشمیر کو اپنا جائز مقام بحال ہو سکے[4]"۔ کشمیر کی متنازعہ حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے مفتی نے حکومتِ بھارت سے کہا کہ "بھارت اس وقت تک سُپر پاور نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ پاکستان کے ساتھ کشمیر کا مسئلہ حل نہیں کرے گا"۔[5]

اسمبلی الیکشن نتائج، جس میں کسی پارٹی کو واضح اکثریت نہ ملی، کے سامنے آنے کے بعد بھی مفتی سعید نے منڈیٹ کی عصمت برقرار رکھنے کی باتیں دہرائیں۔ 24رجنوری 2015ء کو انہوں نے کہا "پی ڈی پی اقتدار کے لیے منڈیٹ نہیں بیچے گی"[6]۔ پی ڈی پی کے ترجمان نعیم اختر نے کہا "ہم لوگوں کی خواہشات پر کسی قیمت پر سمجھوتہ نہیں کریں گے[7]"۔ پارٹی لیڈرشپ نے کہا کہ وہ "الائنس ایجنڈا"(Alliance Agenda) ترتیب دے رہی اور ایجنڈا کے شرائط کے تحت ہی بی جے پی کے ساتھ مخلوط سرکار بنائے گی۔ 15رفروری کو مفتی نے اسی ایجنڈے کا حوالہ دے کر کہا کہ "اگر بی جے پی اس ایجنڈے کو مکمل طور قبول نہیں کرتی تو یقین کریں ہم یہاں ہی معاملہ ختم کریں گے۔ اس صورت میں کوئی پرواہ نہیں کہ بی جے پی این سی کے ساتھ جائے۔ ہم الائنس ایجنڈے سے ایک انچ بھی نہیں ہٹیں گے[8]"۔ الائنس ایجنڈے میں بنیادی اہمیت کے نکات کا ذکر کرتے ہوئے پی ڈی پی نے کہا کہ اس نے بی جے پی پر واضح کیا کہ "آرمڈ فورسز اسپیشل پاورس ایکٹ (افسپا) کو ایک سال کے اندر پورے جموں کشمیر سے ختم کرنا ہوگا اور بعض علاقوں سے فوری طور گورنمنٹ بنتے ہی ہٹانا[9] ہوگا"۔ 18رفروری کو این ڈی ٹی وی سے بات کرتے ہوئے مفتی نے پارٹی کے "اساسی عقائد" پر سختی سے کاربند رہنے کی قسمیں کھاتے ہوئے کہا "اگر ہم حکومت بنانے (بی جے پی کے ساتھ) میں ناکام رہتے ہیں تو یہ بہتر ہے بجائے اس کے کہ ہم اپنے بنیادی عقائد پر کوئی سمجھوتہ کریں"۔

لیکن یہ سب باتیں، یہ دعوے، یہ یقین دہانیاں سراب ثابت ہوئیں۔ اصل میں پردے کے پیچھے کوئی اور کھچڑی پک رہی تھی۔ مفتی محض خود کو پورے چھ سال کے لیے وزیر اعلیٰ بنانے کے لیے اس قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ یہ آرزو پوری ہوئی تو ''اساسی عقائد'' کی پوری میک اپ (Make Up) اُس کے چہرے سے غائب ہوگئی۔ پی ڈی پی اور بی جے پی اور مفتی اور مودی اب یک جان دو قالب ہو گئے۔ اب وہ سارے الزامات (جو فی الحقیقت سچائیاں تھیں) جو وہ بھاجپا جیسی ہندو فرقہ پرست جماعت پر عائد کر رہے تھے، واش آف (Wash Off) ہو گئے ہیں۔ مفتی کو اقتدار کی ضمانت دلی نے دی، بھاجپا کشمیریوں کے لیے کوئی خطرہ نہیں۔ یہ کمیونل پارٹی نہیں، نسلی تنظیم نہیں، ریاست کو تقسیم کرنے والی نہیں، مفتی کی ذاتِ واحد ہی وہ ''شریعت ساز'' ہے جو اس بارے میں حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کی ذاتی پسند و ناپسند ہی اصل کسوٹی ہے۔ مفتی نے کل فرقہ پرستوں کو روکنے کے لیے منڈیٹ مانگا، آج بانہال کی ٹنل ان کے لیے کھول دی۔ کل منڈیٹ کی عصمت پیاری تھی آج ہوس اقتدار غالب آیا تو اسی منڈیٹ کی عصمت دری کی۔ کل شرِ نفس کے اور مطالبات تھے، آج کچھ اور۔ کل مکروفریب کا زرہ پہن کر خود کو ''غازی'' کے طور پر پیش کرنے کا کھیل کھیلنا پسند تھا، آج یہ ماسک اتار کر زعفرانی بریگیڈ کا حصہ بن کر مقبول شیروانی کی کرتب بازی دکھانے کا جنون تھا اور سب جانتے ہیں عبداللہ فیملی ہو یا مفتی خانوادہ، یہ خواجگانِ مکروفریب، اس قسم کی سیاسی قلابازیاں کرنے میں مشہور ہیں اور ان کی الیکٹورل بیٹل (چناوی لڑائی) اس کھیل میں ایک دوسرے پر سبقت لینے کی فریب کُن اداؤں سے ہی عبارت ہے۔

19 رفروری کو مفتی نے ''کرو سیڈ'' کو اپنے ذاتی مفادات کی نذر کرتے ہوئے کہا کہ ہم بی جے پی والوں سے تحریری معاہدہ چاہتے ہیں کہ وہ آرٹیکل 370 کے ساتھ نہ چھیڑیں[10]''۔ یعنی پی ڈی پی آرٹیکل 370 کو اپنی اصلی حالت میں بحال کرنے (restoration) کے چناوی وعدے کو ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے بعد دفعہ

370 کی موجودہ پوزیشن (جہاں وہ بالکل کھوکھلا بنادیا گیا ہے) پر مطمئن رہ کر بی جے پی سے ڈیل کرنے پر تیار ہوگئی۔ بی جے پی سے یہ کہنا تم آرٹیکل 370 سے نہ چھیڑو اور اس پر "ضمانت" لینا کشمیریوں کو بیوقوف بنانے کے مترادف ہے۔ بی جے پی موجودہ حالت میں چاہے بھی ایسا نہیں کرسکتی اور کشمیر اسمبلی میں 25 ممبران سے وہ دفعہ 370 ختم کرنے کی قرارداد بھی منظور نہیں کرا سکتی۔ بھارت کا آئین پارلیمنٹ کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ آئین کی دفعہ 368 کے تحت آئین میں ترامیم کرسکتی ہے، مگر پارلیمنٹ کے یہ اختیارات اسی وقت جموں کشمیر پر لاگو ہوسکتے ہیں، جب صدرِ ہند آرٹیکل 370 کے تحت ایسا کوئی آرڈرایشو کرے اور صدر کا یہ آڈر تب ہی نافذ العمل ہوسکتا ہے جب ریاست کی آئین ساز اسمبلی اس کی توثیق(Ratification) کرتی ہے اور جیسا کہ ممتاز ماہر قانون وآئین اے جی نورانی صاف صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ چونکہ جموں کشمیر آئین ساز اسمبلی کو 26 رجنوری 1957ء کو جان بوجھ کر ایک متفقہ قرارداد کے ذریعے تحلیل کیا گیا اس لیے واحد توثیقی ادارے کی عدم موجودگی میں آرٹیکل 370 کو ختم (abrogate) نہیں کیا جاسکتا۔ بی جے پی کی یہ دھمکی اس تناظر میں کھوکھلی دھمکی ہے۔

"The ghost must be put to rest now for good. Art. 368 of India's Constitution confers on Parliament the power to amend the Constitution. It is subject to this proviso "Provided that further no such amendment shall have effect in relation to the State of Jammu and Kashmir unless applied by Order of the

president under clause (1) of Article 370". But such an Order was subject to ratification by the State's Constituent Assembly which deliberately dissolved itself on 26 January 1957 under a resolution moved by Mir Qasim on 17 November 1956. Thereupon the President, (of the Constituent Assembly), G. M. Sadiq, made a formal declaration of the dissolution. The sole ratificatory body having vanished, Art. 370 cannot be abrogated. The BJP's threat of its abrogation is an empty threat."[11]

ریاستی آئین ساز اسمبلی کو تحلیل کرنے کے پیچھے شاید یہی مقصد تھا کہ اب تک جتنا کچھ اور جو کچھ اس کی توثیق سے کشمیر کی اندرونی خودمختاری پر ضرب لگانے کے لیے دلی کی طرف سے کیا گیا اس پر روک لگ جائے اور کشمیر اپنی انفرادیت بچائے رکھے، مگر ایسا نہ ہوسکا۔ طاقتور فریق کمزور فریق کے ساتھ کیے گئے معاہدے کی ہر توثیق کو اپنی تعبیر کی پوشاک پہناتا ہے۔ مقامی کٹھ پتلیوں کے پورے سپورٹ کے ساتھ نئی دہلی نے اب سیدھے ان ہی کٹھ پتلی حکمرانوں اور کٹھ پتلی اسمبلیوں کو آئین ساز اسمبلی کی عدم موجودگی میں اپنے نوآبادیاتی مقاصد کے لیے استعمال میں لانا شروع کیا جو فی الحقیقت، جیسا کہ نورانی

صاحب بھی کہتے ہیں، ایک غیر آئینی اقدام ہے۔ نورانی، گوپالا سوامی آینگر کے اس بیان کا حوالہ دیتے ہیں جو پارلیمنٹ میں 17 / اکتوبر 1949ء میں انہوں نے دیا تھا۔ آئنگر نے کہا تھا "جب تک ریاست کی آئین ساز اسمبلی وجود میں آتی ہے، تب تک عبوری انتظامات سے کام چلایا جاسکتا ہے"۔ اور جب 31 / اکتوبر 1951ء کو جموں وکشمیر آئین ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا گیا تو ریاستی حکومت کے پاس وہ اتھارٹی باقی نہ رہی جس کے تحت مرکز کے اختیارات (Central Powers) کا دائرہ ریاست تک ریاستی سرکار کی منظوری (Concurence) سے بڑھایا جاسکتا ہے۔ اب یہ اتھارٹی ریاستی آئین ساز اسمبلی کی طرف منتقل ہوگئی ہے۔ اب کوئی دوسری اتھارٹی، چاہے حکومت ہو یا اسمبلی، اس کا نعم البدل نہیں ہوسکتا۔ اس مجاز ادارے کی توثیق کے بغیر دلی کا کوئی اقدام آئینی لحاظ سے جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کا وجود جب بھی ختم ہوا (جیسا کہ 1957ء میں ممبران آئین ساز اسمبلی نے جان بوجھ کر ختم کردیا) تو بھارت کی طرف سے ریاست کی خودمختاری کو ڈائیلوٹ کرنے کی کوششوں پر تالا چڑھے گا، لیکن بہت جلد ثابت ہوا کہ اس تالے کی دونوں چابیاں بھارت سرکار نے اپنے ہی پاس رکھیں۔

Apart from the fact that J&K's Constituent Assembly had vanished, the State Government's power to accord its concurrence to such extension existed only for a short period. N. Gopalaswamy Ayyangar told the Constituent Assembly of India on 17 October 1949, "till a Constituent

Assembly (of J&K) comes into being, only an interim arrangement is possible." Once the Constituent Assembly of Jammu & Kashmir was "convened" on 31 October 1951, the State Government lost all authority to accord any "concurrence" to extension of Central power to J&K."[12]

لیکن بھلا برہمنی استبداد کب اپنے قول وقرار پر کاربند رہتا۔ آئینی ضمانتوں کی یقین دہانیاں محض اپنی فوجی گرفت کو مستحکم بنانے اور مقامی سیاسی گماشتوں کی ایک پلٹن کو تیار کرنے کے لیے کرائی گئیں تھیں۔ کشمیر کی اٹانومی شیخ عبداللہ کو اپنے ڈھب پر لانے کا فریب تھا اور انہیں مہاراجہ ہری سنگھ کے کیے گئے الحاق کی حمایت پر کچھ وقت کے لیے خوش رکھنے کا حیلہ تھا۔ یہ مقصد پورا ہوا تو نہرو کی جمہورنواز اور سیکولر جلد کے نیچے سے بہت بڑا سامراج نکل پڑا جو نہ صرف کشمیری عوام کی تمناؤں اور آرزوؤں کو روندتا رہا، بلکہ آئین ہند کے دائرے میں دی گئی اٹانومی، جس کے تحفظ کے لیے اس نے آئینی ضمانتیں دیں تھیں، کو بھی چھینتا جا رہا ہے۔ پنڈت نہرو کے اقتدار کے دوران ہی 1954ء سے 1964ء تک اندرونی خود مختاری کو مردہ لاش بنا کر چھوڑ دیا گیا اور یہ اعتراف کسی اور نے نہیں خود بھارت کے وزیر داخلہ گلزاری لال نندہ نے بھارتی پارلیمنٹ میں 4 دسمبر 1964ء کو کیا۔ انہوں نے کشمیری عوام کے ساتھ کی گئی اس وعدہ خلافی کو نہرو حکومت کے ایک کارنامے کے طور پر پیش کرتے ہوئے کہا کہ اب آرٹیکل 370 ان کے استعماری اپروچ کے سبب صرف "ایک خول" (Shell) رہ گیا ہے اور چاہے تم اسے رکھو یا نہ رکھو، بہرحال اس کے جسم سے

روح نکالی گئی ہے۔اب اس میں (انفرادیت کی) کوئی جوہری چیز نہیں رہ گئی ہے"۔

"only the shell is there, Article 370, whether you keep it or not, has been completely emptied of its contents. Nothing has been left in it."[13]

گلزاری لال نندہ نے اسی "میت خلوص" پر بس نہ کیا بلکہ ان حربوں کو بروئے کار لانے والی اس عیار ذہنیت کا بھی محل وقوع بتا دیا جس نے اس "مقدس" کہی جانے والی دفعہ کو ایک ایسی "ٹنل" میں تبدیل کیا جس کے ذریعے جارحانہ عزائم اور ناپاک ارادوں کا یک طرفہ "ٹریفک" کشمیر کے خودمختارانہ کردار اور آئینی ضمانتوں کو روندنے کے لیے اس سے بہ آسانی گزر سکے۔

"It is a tunnel. It is through this tunnel that a good deal of traffic has already passed and more will."[14]

حکومت ہندوستان نے عملاً یہی کیا اور جیسا کہ ممتاز ماہر آئین اور صحافی اور مصنف اے جی نورانی کہتے ہیں کہ "صدر ہند نے آرٹیکل 370 کی اس ٹنل کے راستے 1954ء سے 1994ء تک 97 آرڈر اجرا کیے جن کے ریاست کی اندرونی خودمختاری کے لیے تباہ کن اثرات نکل پڑے۔ یونین لسٹ میں شامل 97 انٹریز (Entries) میں سے 94، کنکرنٹ لسٹ کے 47 انٹریز میں سے 26 انٹریز کو ریاست جموں کشمیر تک بڑھا دیا گیا۔ اسی طرح آئین ہندوستان کے کل 395 دفعات (Articles) میں سے 260 دفعات کا اطلاق ریاست پر کیا گیا اور یہ سب سو فیصد غیر آئینی اقدامات ہیں۔ (All with utter unconstitutionality)"[15]

دلی دربار بغیر کسی رکاوٹ کے جس سرعت اور آرام کے ساتھ اپنی رعونت کے رتھ کو اس ٹنل سے گزارتا ہے اس کے لیے اسے محض گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک ایگزیکٹیو آرڈر کے گرین سگنل کی ضرورت پڑتی ہے جو پریذیڈنٹ آف انڈیا کے نام سے بہ آسانی (آرٹیکل 370 کے تحت) نکالا جاتا ہے۔ اس کے لیے دربار کو پارلیمنٹ میں ترمیم کرنے جیسے پیچیدہ اور مشکل پروسیس سے گزرنا نہیں پڑتا ہے۔ پنجاب کی مثال دیتے ہوئے نورانی کہتے ہیں کہ ''صدارتی راج 11 رمئی 1987ء کو پنجاب میں لاگو کیا گیا۔ اس میں توسیع کرنے کے لیے پارلیمنٹ کو چار دفعہ آئین ہند میں (59 ویں، 64 ویں، 67 ویں اور 78 ویں) ترامیم کرنی پڑیں۔ جموں کشمیر میں ان ہی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے صرف حکومت ہند کے ایک ایگزیکٹیو آڈر سے یہ کام کروایا گیا جو صدرِ ہند کے نام سے 1990ء سے 1996ء تک، دفعہ 370 کے تحت، نکالا گیا اور خیال رہے آرٹیکل 370 کو بھارت کی آئین ساز اسمبلی نے یک طرفہ طور منظور نہیں کیا۔ یہ واحد آئینی دفعہ ہے جو ریاست جموں کشمیر کے ساتھ طویل مذاکراتی عمل کے نتیجے میں معرضِ وجود میں لایا گیا۔ بھارت کی آئین ساز اسمبلی نے اسے 17 راکتوبر 1949ء کو منظور کیا۔ فریقین کے دو چوٹی کے لیڈروں، وزیر اعظم ہند جواہر لعل نہرو اور وزیر اعظم جموں کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی سربراہی والی ٹیم 2 رمئی 1949ء سے ان مذاکرات میں لگی رہی۔ (پھر طرفہ تماشا دیکھیے) صرف ایک دہائی ((1954-1964 میں اس دفعہ کو کھوکھلا (Shell) بنا دیا گیا۔ (آئین کی اس کھلی توہین اور خلاف ورزی پر) بھارت کے سپریم کورٹ نے کسی بھی طور مدد کرنے سے انکار کیا۔ اب اس (کھلی ناانصافی اور آئینی دھاندلی) کا ازالہ کرنے کے لیے کشمیر کے لوگ کہاں رجوع کریں؟...[16]

پی ڈی پی نے ایک الیکشن مینی فیسٹو اور چناوی تقریروں اور پریس بیانات میں اور چیزوں کو ثانوی حیثیت دے کر دو اہم ''مقاصد'' کے لیے عوام سے ووٹ مانگا۔ ایک جیسا

کہ پہلے ذکر کیا گیا، بی جے پی کے مشن "پلس 44" کو ناکام بنانا اور دوسرے ریاست کی اندرونی خودمختاری کو بحال (restore) کرانا یعنی آرٹیکل 370 کو اپنی "عظمتِ رفتہ" کے مقام پر پھر سے بحال کرانا ہے۔

"The special status enshrined in Article 370 is required to empower the people of J&K and help deal with the issues of identity, borders and governance; Use Article 370 itself to restore the original special status of the state."

صدرِ ہند جیسا کہ نورانی کہتے ہیں "دفعہ 370 کے تحت آرڈر اپنے نام سے نکال سکتے ہیں جس سے وہ تمام سابقہ آڈر کالعدم ہوں گے جن سے اس دفعہ کی روح نکال لی گئی ہے اور اسے کھوکھلا بنا دیا گیا ہے"۔ ظاہر ہے اگر صدرِ ہند پارلیمنٹ کے صلاح مشورے اور اس کو اعتماد میں لیے بغیر کشمیر کی "مخصوص پوزیشن" چھیننے کے لیے فرمان جاری کر سکتے ہیں تو اسے واپس یہ مقام دینے کے لیے بھی وہ بااختیار ہی ہیں، جس کے لیے پارلیمانی اجلاس بلانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر سوال یہ ہے اس پوزیشن کو پھر سے ریسٹور (Restore) کرنے کے لیے کیا ہندنواز گروپوں کے پاس وہ اخلاقی طاقت اور نیک نیتی اور اخلاص ہے جو دلی دربار کو ان کے "ویدن انڈین کانسٹی ٹیوشن" (Within Indian Constitution) چناوی وعدے اور الیکشن منی فیسٹو کے سامنے جھکنے کے لیے مجبور کرے؟ ہرگز نہیں۔ اس لحاظ سے سب بھارت نواز تنظیمیں کب کی دیوالیہ ہو چکی ہیں۔ یہ سب اس پرابلم (Problem) کا حصہ ہیں جو بھارت کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ کیسے حل (Solution) کا حصہ بن سکتے ہیں؟ یہ اس اسٹیبلشمنٹ

کا حصہ ہیں جس نے کشمیریوں کو محکوم بنا دیا ہے۔ دربار ان کو الیکشن میں اتار کر اپنے مفادات کی آبیاری چاہتا ہے اور اس اطاعت اور تابعداری کے صلے میں ان کو اقتدار اور دیگر سیاسی مراعات اور مہربانیوں سے نوازتا ہے۔ وہ یہ الیکشن کشمیریوں کے مفادات کے لیے نہیں اپنے ذاتی مفادات کے لیے لڑتے ہیں۔ ان کا چناوی عمل میں حصہ لینا کشمیریوں کے چھینے ہوئے حقوق کو بحال کرنے، 1947ء کے مقام پر کشمیر کو لیجانے (جیسا کہ مفتی سعید اور اس کا سیلف رول مکرر کہتا رہا ہے) یا اندرونی خودمختاری کو بحال کرنے (جیسا کہ این سی کا الیکشن منشور 1975ء کے ایکارڈ سے ڈول پیٹتا آیا ہے)، سے قولاً و عملاً مطابقت رکھتا تو اس کے لیے وہ اسمبلی کے اندر اور باہر جدوجہد کرتے۔ وہ اس ''عوامی مینڈیٹ'' کے ذریعے بھارت سے قیمت وصول کرتے اگر وہ مخلص ہوتے، لیکن اب تک کا ان کا سیاسی کیریئر شاہد ہے اسی چیز سے ان کو الرجی ہے۔ یہ لوگ آرٹیکل 370، اٹانومی اور سیلف رول پر اپنی خودغرضی، ہوس اور فریب کا تیشہ چڑھاتے رہے ہیں اور گواہ چست بن کر مدعی سست کا کیس اسمبلی کے ایوان میں اور دوسرے فورموں پر لڑتے رہتے ہیں اور دلی کے ساتھ مکمل انٹیگریشن (Integration) کے تمام منصوبوں کو مستحکم بناتے رہے ہیں اور پھر دوسرے ہی سانس میں اپنے مقتول کو زندہ کرنے کے لیے ''بچہ جمہوریہ'' کا کھیل کھیلنے جا رہے ہیں۔ ان کی یہ شعبدہ بازی غاصب ہاتھوں سے پامال شدہ حقوق کی بازیابی کرائے۔ ایں خیال است و محال است و جنون۔

لیکن نتائج سامنے آئے تو مفتی سعید نے الائنس ایجنڈے اور انتخابی وعدوں کو مکمل طور فراموش کر کے بی جے پی کے ساتھ حکومت بنانے کا فیصلہ کیا۔ حالانکہ ان کے پاس این سی اور دوسرے مقامی گروپوں اور آزاد امیدواروں کو اپنے ساتھ ملانے یا کانگریس این سی ''گرینڈ الائنس'' کا آپشن بھی کھلا تھا۔ انہوں نے بھاجپا کے ساتھ اقتدار میں شامل ہونے کی جو توجیہات کیں وہ سب مہمل اور لغو اور حقائق سے بعید ہیں۔ کہا گیا کہ واضح اکثریت نہ

ہونے کے سبب "ہم مجبور ہیں" اور "خالی جذبات" سے "تلخ حقائق" کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ میرے مکرم دوست اور گریٹر کشمیر کے ممتاز کالمسٹ اعجاز الحق نے اس پر چوٹ کرتے ہوئے خوبصورت پیرایہ میں کہا "اگر ڈیل کرنے کے وقت جذبات کا کوئی رول نہیں تو عوامی مینڈیٹ حاصل کرتے وقت بھی جذبات کا کوئی رول نہیں ہونا چاہیے"[17]۔ پی ڈی پی صدر محبوبہ مفتی کا یہ کہنا کہ "تمام خطوں کی خواہشات کے احترام" کی وجہ سے ہی وہ بھاجپا کے ساتھ بغل گیر ہوئی، بھونڈی دلیل کے سوا کچھ نہیں۔ مفتی کہتے ہیں جموں والوں نے بھاجپا کو اور کشمیر نے پی ڈی پی کو منڈیٹ دیا ہے، اسی لیے دونوں "شمالی قطب اور جنوبی قطب" مل گئے!؟ پوچھا جا سکتا ہے اگر مفتی اپنے پہلے "اصولی موقف" پر قائم رہتے اور بھاجپا اور این سی کی گورنمنٹ بن جاتی تو اس صورت میں کیا حکومت غیر اخلاقی، غیر قانونی اور غیر آئینی ہوتی؟ بھاجپا اور پی ڈی پی نے لداخ میں کھاتہ تک نہ کھولا تو کیا کانگریس کے اس علاقے کے چار سیٹوں والے مینڈیٹ کی یہ توہین نہیں؟ شیخ عبداللہ کی سربراہی (1977ء) اور پھر فاروق عبداللہ کی قیادت (1996ء) میں این سی کو دو تہائی اکثریت ملی، ہندو میجارٹی والے جموں علاقوں سے پارٹی کو ووٹ نہیں ملے تو کیا ان حکومتوں کا معرض وجود میں آنا ان لوگوں کے مینڈیٹ پر شب وخون مارنے کے مترادف ہے؟ پارلیمانی جمہوریت میں صرف ہندسے بولتے ہیں اور جہاں سے بھی تم کو ہندسے (Figures) حکومت بنانے کے لیے ملیں حکومت بنتی ہے۔ 2002ء میں این سی وادی کشمیر میں 28 سیٹیں لے کر سرِ فہرست تھی، تم لوگوں نے پھر بھی کانگریس کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے اقتدار سنبھالا۔ آج جموں میں بھاجپا کی 25 سیٹیں اتنی محترم اور اہم کیوں؟ پھر یہ کیوں بھول ڈالیں تمہاری پارٹی سمیت 87 سیٹوں میں سے 62 سیٹیں جن پارٹیوں نے جیت لیں وہ سنگھ پریوار کی مخالف پارٹیاں تھیں اور یہ بھی مت فراموش کریں کہ جموں صوبے کی 37 نشستوں میں سے 12 نشستیں غیر بھاجپا پارٹیوں نے حاصل کیں۔

یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکا تو دوسرا عذر لنگ تراشا گیا۔ اگر بھاجپا کا ہاتھ نہ تھام لیا تو دہلی میں بی جے پی کے برسرِ اقتدار ہونے کی وجہ سے حکومت چلانے میں دشواریاں آئیں گی۔ فنڈس روک کر دلی کشمیر گورنمنٹ کا گلا گھونٹ دے گی۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے "گڈ گورننس" (Good Governance) کے لیے ووٹروں کو ہر ریاست میں اسی پارٹی کے حق میں ووٹ ڈالنے چاہییں جو دلی میں پاور میں ہے؟ پنجاب، بنگال، بہار، اتر پردیش، تامل ناڈو، آندھرا پردیش جیسی ریاستوں میں اس حساب سے ریجنل پارٹیوں کو فنڈوں کی عدم دستیابی کی وجہ سے کب کے اپنا انفرادی وجود مٹانا چاہیے تھا۔ فنڈس میں حصہ ہر ریاست کا حق ہے اور دربار اس کو روک نہیں سکتا اور یہ کوئی خیرات نہیں جو ہمیں دی جا رہی ہے۔ ہمارا ٹیکس دلی کے خزانے میں براہِ راست چلا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے قدرتی وسائل سے حاصل کی گئی آمدنی اور پاور پروجیکٹس کا اربوں روپے منافع دربار ہماری ریاست سے حاصل کرتا ہے۔ کے سی ایس ڈی کی چیرپرسن پروفیسر حمیدہ نعیم کے مطابق "دہلی سرکار کے ذمہ ریاست جموں کشمیر کا ایک لاکھ 29 ہزار ملین روپے واجب الادا ہے۔ این ایچ پی سی (نیشنل ہائیڈرو پاور کارپوریشن) ریاست کے آبی ذخیرہ سے بلند بجلی پروجیکٹ تعمیر کرتا ہے۔ 1975ء میں 2 ہزار ملین روپے کی سرمایہ کاری سے بنائے گئے پروجیکٹ کا منافع 2010ء تک 3 لاکھ 87 ہزار 180 ملین تک پہنچ گیا۔ اس میں ریاست جموں کشمیر کا جائز حصہ ایک لاکھ 29 ہزار ملین ہے۔ نارتھ گریڈ کے کل چھ ہزار میگاواٹ پاورس میں ایک تہائی پاور ہمارے پروجیکٹوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔"[18]

28 دسمبر، پی ڈی پی کے ترجمان اور محکمہ تعلیم کے وزیر نعیم اختر اپنے ضمیر کا فتویٰ سن کر سہمے جاتے ہیں اور جھٹ ان کے منہ سے نکل پڑتا ہے "ہم دونوں پارٹیوں (بی جے پی اور پی ڈی پی) کی پوزیشن عدم موافقت کی ہے"۔ لیکن چونکہ مفتی فیملی کو خوش کرنا ان کا چوتھا کلمہ بن چکا ہے اس لیے دل کی آہ پر فوراً مصلحت کا قفل چڑھا کر کہہ اٹھتے ہیں "ایک

ہی راستہ بچا ہے جس کے ذریعے ہم بی جے پی کے خطرناک ایجنڈے کو نافذ ہونے سے روک سکتے ہیں اور وہ ہے ان کے ساتھ شریکِ اقتدار ہو کر ان کے اقدامات پر قدغن لگا دیا جائے"۔

> "Our position are irreconciable... But the only way to prevent them from implementing their dangerous agenda is to join them and restrain their actions."

بھارت نوازوں کے ہوسِ اقتدار کا یہی کمال تو ہے کہ وہ دو مخالف سمت قطبین کو ملا کر اپنا پولیٹکل کیریئر بناتے ہیں اور کشمیری عوام کی سادہ لوحی پر قہقہے لگائے ہوئے اپنی ''کامیابی'' کے جشن مناتے ہیں۔ زہر کو قند اور قند کو زہر بنا کر پیش کرنے اور بیچنے میں انہوں نے بھارتی چینلز کا جھوٹا کھایا ہے۔ ان کی پرائیویٹ محفلوں کی سرگوشیوں میں بھارت کے لیے گالیوں کے سوا کچھ نہیں اور الیکشن میں حریت اور پاکستان سے بات کر کے مسئلہ حل کرنے اور'' کالے قوانین کو ختم کرنے'' اور'' پولیٹکل سپیس سب کے لیے فراہم کرنے'' جیسے باتوں کے سوا کچھ سوجھتا نہیں۔ اقتدار سے محروم ہوں تو ہر برائی بھارت کے ماتھے پر اور اقتدار ملا تو دلی جس طرف ناک کو موڑے وہی کوچۂ عاشقی ٹھہرا اور اِدھر سے جب بھی آنکھ کا اشارہ ہوا خود مختاری تو کیا'' عزت و آبرو'' کی نیلامی کے لیے دوڑ پڑے۔ سوال یہ ہے کہ اگر بی جے پی اتنی ہی'' خطرناک'' ہے اور اتنی ہی'' جارحانہ'' عزائم رکھتی ہے تو اس بلا سے ساجھے داری کرنا کس طرح سودمند ثابت ہو سکتا ہے؟ اس اشتراک اور تعاون سے بی جے پی کے عزائم اور بھی بڑھیں گے اور اقتدار میں شامل ہو کر وہ اپنی پوزیشن کو اور بھی مضبوط بنائیں گے۔ ان کے اپروچ میں جارحیت آتی جائے گی اور ایڈمنسٹریشن پر اپنا اثر و نفوذ ڈال کر اپنے

ایجنڈے کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں گے۔حکومت میں ان کے آنے کے ایک ہی روز بعد سبھوں کو معلوم ہوا کہ حکومت اور انتظامیہ پر اسی ''خطرناک'' پارٹی کا غلبہ ہے جس کو ''محدود کرنے''(restrain) کے بڑے بڑے دعوے کیے جارہے تھے۔

الائنس ایجنڈا جس ''کامن مینمم پروگرام'' (Common Minimum Programme) کے تحت پی ڈی پی اور بی جے پی کو حکومت چلانے کا ایجنڈا فراہم کرتا ہے اس میں واضح طور پر پی ڈی پی اپنے پارٹی نظریہ اور چناوی وعدوں سے انحراف کرتے ہوئے بی جے پی کے سامنے سرنڈر (Surrender) کرتی ہے۔اس میں آرٹیکل 370 کا کوئی ذکر نہیں۔درج ذیل عبارت کو پڑھیے تو معلوم ہوگا اصل میں یہ ایجنڈا بھی بی جے پی کے ریاست کے ''مکمل انٹیگریشن'' کے عزائم کو آشکارا کرتا ہے، جس پر پی ڈی پی خاموشی کی حمایت دے کر مسکرا رہی ہے۔

"While recognizing the different positions and appreciating the perceptions BJP and PDP have on the constitutional status of J&K considering the political and legislative realities, the present position will be maintained on all the constitutional provisions pertaining to J&K including the special status in the Constitution of India."

''جموں کشمیر کی آئینی حیثیت کے حوالے سے بی جے پی اور پی ڈی پی کے جداگانہ موقف اور نقطہ ہائے نظر کو دھیان میں رکھتے ہوئے اور

تمام سیاسی وقانونی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ طے پایا ہے کہ
جموں کشمیر کے تعلق سے سبھی آئینی شقوں اور جموں کشمیر کی آئین ہند میں
خصوصی پوزیشن کو برقرار رکھا جائے گا۔''

یعنی صدرِ ہند کے نام سے کشمیر کی خودمختاری ختم کرنے کے لیے جتنے 47احکامات (orders) صادر کیے جا چکے ہیں، ان کو پی ڈی پی ایک ''حقیقت'' (سیاسی اور قانونی دونوں صورتوں میں) سمجھ کر تسلیم کرتی ہے اور اس ''موجودہ پوزیشن'' کو برقرار رکھنے کی وعدہ بند ہے۔ ''جموں وکشمیر کے تعلق سے سبھی آئینی شقوں۔۔۔کو برقرار رکھا جائے گا'' اصل میں بھاجپا کے ''مکمل ادغام'' (Complete integration) کی توثیق اور تصدیق ہی تو ہے۔ پی ڈی پی اب تک خودمختاری کو بحال کرانے کے جو وعدے بیچتی رہی ہے یہ عبارت اس کی مکمل تکذیب کرتی ہے۔ اقتدار کا نشہ اسے ہر وعدے سے مکر کر ''نئی زندگی'' شروع کرنے کی توانائی دیتا ہے۔ بھلا اس قسم کی حرارت کے سامنے عوامی خواہشات اور سیلف رول برف کے گالوں کی طرح پگھل نہ جائیں تو اور کیا ہوگا۔ اعجاز الحق پی ڈی پی کی اس ڈیل کو فقروں اور عبارت کو نیا معنیٰ پہنانے کے فریب سے تعبیر کرتے ہیں۔

"It seems a neo-Orwellain version of Newspeak at its subtlest."

بھاجپا کو پہلی بار مفتی سعید کی پی ڈی پی اور سجاد غنی لون کی پیپلز کانفرنس اپنی بانہیں کھول کر کشمیر میں برسرِ اقتدار لائی ہیں (یہ جانتے ہوئے بھی کہ بی جے پی آر ایس ایس کا چہرہ ہے اور کشمیر مخالف پالیسی پر گامزن ہے)۔ اس انہونی کو ہونی میں دیکھتے ہوئے بھاجپا اچھل پڑی اور بی جے پی کے جنرل سیکریٹری (جو کہ آر ایس ایس پر چارک رہے ہیں) رام مادھو نے یکم مارچ 2015ء کو جب الائنس ایجنڈا پر بی جے پی اور پی ڈی پی نے صاد کیا، بڑے اطمینان اور خود اعتمادی سے کہا کہ ہری سنگھ کے بعد ایسا دوسری دفعہ ہوا ہے

جب ریاست کا بالفعل الحاق بھارت سے ہوا ہے"۔

"Second and de-facto accession of the State to India."

بھاجپا کے ساتھ اقتدار کی شراکت داری کو استدلال کی مصنوعی ٹانگوں پر کھڑا کرنے کے لیے مفتی تواتر کے ساتھ واجپائی کی "جمہوریت، انسانیت اور کشمیریت" کی تعریفیں کرتے رہے ہیں۔ وہ اس "میراث" کو اپنی پارٹی اور اپنے لیے سُرمہ بصارت سمجھ کر اس سے کشمیری عوام کو مستفید کرنا چاہتے ہیں، جیسا کہ این ڈی ٹی وی کے ساتھ 18 فروری 2015ء کے انٹرویو میں انہوں نے کہا۔ ہیرانگر کے انتخابی جلسہ میں 26 مارچ 2014ء کو نریندر مودی نے بھی واجپائی کی اسی میراث کے وفادار سپوت بننے کا اظہار اور اعلان کیا۔ انہوں نے کہا "ہم مسئلہ کشمیر کو انسانیت، جمہوریت اور کشمیریت کے دائرے میں حل کریں گے جو واجپائی کا دکھلایا ہوا (راستہ) ہے۔" لہٰذا اب مفتی سعید کے لیے نریندر مودی جی کی قیادت والی پارٹی کے ساتھ ہاتھ ملانے میں قباحت ہی نہیں۔ واجپائی کی امیج بی جے پی میں ایک اعتدال پسند کی سی ہے اور ان کی ذاتی خوبیوں، کورپشن سے پاک زندگی اور سلجھے ہوئے دماغ اور متانت و بردباری کے لیے انہیں سب لوگ احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں لیکن ان کے خون کے خلیوں میں گول والکر اور ساورکر کے ہی نظریاتی جینز پائے جاتے ہیں۔ وہ اپنی ذاتی صفات کے باوصف فرقہ پرست ہیں اور اپنا پورا سیاسی کیریئر آر ایس ایس اور بی جے پی کی خدمت اور اسے مضبوط بنانے میں ہی صرف کیا۔ وہ کشمیر کے حوالے سے شیاما پرساد مکھرجی کے ذہن سے سوچتے رہے ہیں۔ وہ جس "جمہوریت، انسانیت اور کشمیریت" کی بات کرتے، اس میں جمہوریت اس کے سوا کچھ نہیں کہ کشمیری عوام سات لاکھ بھارتی فوجوں کی نگرانی میں کیے جانے والے انتخابات کو استصواب کا نعم البدل سمجھ کر قبول کریں۔ "انسانیت کے دائرے" کی انہوں نے خود وضاحت کرتے ہوئے ایک بار کہا

کہ بھارت کا آئین انسانی قدروں سے متصادم نہیں۔ کشمیریت کا دائرہ ان کی نظر میں صرف یہ ہے کہ کشمیری عوام اپنی جدوجہدِ آزادی اور قربانیوں کو فراموش کریں اور بھارت کے آئین کے اندر رہتے ہوئے ''نئی زندگی'' شروع کریں۔ ان کے نزدیک کشمیریت ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھانے کے بجائے ظلم سہنے اور اپنے جائز حقوق سے دست بردار ہونے کا نام ہے۔

26 رجنوری 2000ء کو ریاستی اسمبلی اسٹیٹ اٹانومی کمیٹی کی رپورٹ کو قرارداد کی شکل میں دوتہائی اکثریت سے منظور کرتی ہے۔ ریاست کی خودمختاری کو بحال کرنے کے حوالے سے یہ ایک اہم دستاویز تھی، لیکن بی جے پی، جنتا دل، پنتھرس پارٹی کے اسمبلی ممبران نے اس کی مخالفت کی اور اسمبلی سے واک آوٹ کیا۔ 4 رجولائی 2000ء کو دلی میں قائم واجپائی حکومت نے اسے انتہائی حقارت کے ساتھ مسترد کردیا۔ ہمارے لیے یہ قرارداد ''ناقابل قبول'' (unacceptable) کہہ کر واجپائی حکومت بدک گئی اور کہا ''یہ اس فطری عمل کے رخ کو واپس موڑ دے گی جس کا مقصد ریاست جموں کشمیر کے لوگوں کی خواہشات کو ریاست ہندوستان کی سالمیت سے ہم آہنگ کرنا مقصود ہے۔''

> "....reverse the natural process of harmonizing the aspirations of the people of J&K with the intergrity of the State."

یعنی ریاست کو جو اندرونی خودمختاری دی گئی ہے اور اس کا اپنا آئین ہے، وہ بھارت کی سالمیت سے ہم آہنگ نہیں اور اس کو ختم کرنے کے لیے اب تک جو اقدامات کیے گئے ہیں وہ ایک فطری عمل ہے، جس کو کسی بھی طور واپس نہیں لیا جاسکتا۔ اندازہ کیجیے ریاست کی ''منتخب'' حکومت کو دلی کی سرکار ''کشمیری عوام کا بھارت کے جمہوری اقدار پر

اعتماد کا مظہر'' سمجھتی ہیں اور اسے پروپگنڈے کے طور پر حریت اور پاکستان کے خلاف استعمال کرتی ہیں، لیکن یہاں اپنے پاؤں تلے اسی ''بھاری عوامی میڈیٹ'' کو روند ڈالتی ہیں۔ فاروق عبداللہ کی سربراہی والی این سی سرکار اپنے ووٹرس اور اسمبلی کی اس توہین وتذلیل پر خاموش رہی اور حسب معمول ثابت کر دیا کہ اقتدار پر رہنے کے لیے دلی کے ہاتھوں بھارت نوازوں کو ذلت اور شرمندگی اٹھانی پڑے، ان کے لیے اقتدار چھوڑنے کے بجائے یہ آپشن آسان ہے۔ دوسری طرف قرارداد کو حقارت آمیز طریقے سے اور متکبرانہ انداز میں واجپائی حکومت کی طرف سے مسترد کرنا جہاں ان کے جمہوری دعوؤں کی نفی ہے وہیں اس امر کا بھی عکاس ہے کہ دلی والے اسی وقت ''عوامی نمائندہ کردار'' کا ڈھول پیٹتی رہتی ہے جب ''نندہ ڈاکرین''(Nanda doctrine) کے تحت '' یک طرفہ ٹریفک'' کے لیے کشمیر اسمبلی کھُلی رہے، تاکہ کشمیر کے آئینی حقوق اور جمہوری اقدار پر شب خون مارا جائے۔ ستم ظریفی دیکھئے ریاستی حکومت اپنے چناوی وعدے (اٹانومی کی بحالی) کے لیے آئینی اور جمہوری طریقہ اختیار کرتی ہے، ان زیادتوں، ناانصافیوں اور آئینی دھاندلیوں کو دُور کرنے کے لیے جو اس سلسلے میں دلی کے جبر اور مقامی کٹھ پتلی حکمرانوں کی ملی بھگت سے کی گئیں اور یہ بھارت سے ''علیحدہ'' ہونے کی قرارداد نہیں تھی پھر بھی دربار اس کو قابل غور نہیں سمجھتا۔ برعکس اس کے دلی سے صدرِ ہند جو آرڈر آرٹیکل 370 کے تحت اجرا کرتا ہے اس کو یہاں ریاستی حکومت پر دباؤ ڈال کر منظور کرایا جاتا ہے۔ حالانکہ اس حکومت نے عوام سے اس کے لیے ووٹ نہ طلب کیے، نہ حاصل کیے اور اس کے پاس اس آرڈر کو منظور کرنے کا کوئی آئینی اور اخلاقی اختیار بھی نہیں ہے، مگر کس کو معلوم نہیں یہ کشمیر ہے جہاں بھارت اسٹیٹ اور اس کے تمام اداروں کو آئین اور قانون کی اُلٹی تعبیر کرنے اور اسے برہنہ ''پوشاک'' پہنانے میں لطف ومزہ آتا ہے اور مقامی گماشتے "Long live king, long live the king" کے قصیدے ''بادشاہ سلامت'' کے حضور پڑھتے رہتے ہیں

اور کسی ایک گماشتے میں چھوٹے بچے کی جرأت بھی نہیں کہ کہہ اٹھے:

".... But the king is naked...."

Notes and Refrences

1. Greater Kashmir - November 7, 2014
2,3,4,5. Greater Kashmir - December 2, 2014
6. Greater Kashmir - January 25, 2015
7. Greater Kashmir - January 5, 2015
8. Greater Kashmir - February 16, 2015
9. Greater Kashmir - February 15, 2015
10. Hindustan Times - February 20, 2015
11, 12 For How Long will it Last- AG Noorani, Greater Kashmir - March 14,2015
13, 14 Article 370 - AG Noorani (P. 2)
15, 16 AG Noorani - Greater Kashmir - March 14, 2015
17. (UN) ambiguous agenda - Greater Kashmir - March 3, 2015
18. Stupid, this happens only in Kashmir - Greater Kashmir - January 10, 2015

ایلائنس ایجنڈا

کشمیر میں کسی فردِ واحد کو بھی یہ یقین نہ تھا کہ پی ڈی پی عوام کے منڈیٹ کی توہین کرتے ہوئے آر ایس ایس کا پنگوڑا بن کر اس کے فرقہ پرستانہ عزائم کی کوششوں میں اس قدر سازگار ماحول پیدا کرے گی، شاید موہن بھاگوت اور نریندر مودی کو بھی ''باپ بیٹی پارٹی''[1] (Papa Daughter Party) سے اس ''بیباکی'' کی توقع نہ تھی کہ وہ تمام چناوی وعدوں کو بھول کر بھاجپا ایجنڈے کے استقبال کے لیے اس قدر مہمان نواز ثابت ہوں گے۔ اسی وجہ سے آر ایس ایس حلقوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ آر ایس ایس کے آرگنائزر نے 8رمارچ 2015ء کو بھاجپا پی ڈی پی مخلوط سرکار بننے پر لکھا ''اس مفاہمت کا سب سے اہم نتیجہ اور نمایاں پہلو یہ ہے کہ ریاست جموں کشمیر قومی دھارے میں شامل ہو رہی ہے۔ اب تک ریاست کی علاقائی تنظیمیں دہلی میں جگہ حاصل کرتی تھیں، لیکن (دلی میں) برسرِ اقتدار پارٹی جمہوری طریقے سے ریاست میں قدم جمائے، یہ ایک اہم واقعہ ہے۔ علیحدگی پسند رجحانات کو ایک طرف چھوڑ کر اب صرف ڈیولپمنٹ اور حکومت کی شفافیت پر ہی توجہ مرکوز ہوگی۔ جموں کشمیر جس طرح مین اسٹریم سیاسی ایجنڈا کے ساتھ شامل ہو رہا ہے وہ آزاد بھارت کے پہلے ''شہید'' شیاما پراساد مکھرجی کے لیے خراج عقیدت ہے جو ریاست کا ہندیونین کے ساتھ انضمام کے لیے کوششیں کرتے رہے۔ پی ڈی پی کے ساتھ بھاجپا کے اقتدار میں شامل ہونے کو اس روشنی میں دیکھنا چاہیے۔''

"The most important outcome of this

reconciliation between BJP and PDP is that the state of Jammu-Kashmir is joining the national mainstream. Till now, regional parties of the state had been gaining space in Delhi but the ruling party democratically occupying space in the state is significant.... keeping away from pressures of separatist tendencies, focusing completely on development and providing transparency in governance will be key in this regard. J&K joining the mainstream political agenda is a real tribute to the first martyr of independent India, Shyama Prasad Mookerjee, who always insisted on complete integration of J&K with the Indian Union. This government formation should be seen in this regard."

آر ایس ایس کو کشمیر میں پیر جمانے کا یہ موقعہ جیسا کہ پہلے بتایا گیا مفتی سعید اور سجاد غنی لون نے دیا۔ سجاد لون اس وقت مخلوط حکومت میں بھاجپا کا پراکسی منسٹر ہے اور بھاجپا کے کوٹے میں سے اسے انمیل ہسبنڈری کی وزارت دی گئی ہے۔ حالانکہ کشمیر میں ہندو فرقہ پرست پارٹی کو ایک بھی سیٹ نہیں ملی، مفتی اور سجاد نے زعفرانی بریگیڈ کے پیادہ بن کر اسے اپنی جارحیت اور مسلم دشمنی کے خاکوں کو رنگ بھرنے کا نادر موقعہ فراہم کیا۔

بی جے پی سے پہلے کانگریس جیسی بھارت کی نیشنل پارٹی سے بھی یہاں کی مقامی سیاسی پارٹیوں بشمول نیشنل کانفرنس اور پی ڈی پی کا حکومتی سطح پر اتحاد ہوا اور ''ریاست قومی دھارے میں شامل'' ہوئی اور ''برسرِ اقتدار پارٹی'' ''جمہوری طریقے سے'' ریاست میں پیر جمانے میں کامیاب ہوئی۔ کانگریس بی جے پی کے برعکس وادی کی کئی نشستیں بھی جیتتا رہا، مگر اس کے باوجود آزادی پسند رجحانات (جسے بھارت کی لیڈرشپ اور اس کا میڈیا ''علیحدگی پسند'' رجحانات کہتا ہے) میں کوئی کمی نہیں آئی ہے، بلکہ تمام تر ظلم و جبر اور فریبی ہتھکنڈوں کے باوصف مزاحمتی تحریک ایک نسل سے دوسری نسل اور دوسری سے تیسری نسل کی طرف مکمل کمیٹمنٹ اور کنویکشن اور شعوری بیداری کے ساتھ منتقل ہوتی رہی۔ کشمیر کا پرزور بیانیہ (Dominant discourse) آج بھی اپنی منفرد پہچان رکھتا ہے اور کشمیر کے قومی دھارے کی سمت بھارت کے قومی دھارے کی سمت سے 180 ڈگری دوری پر واقع ہے۔ سرینگر یا دلی میں سرکاریں بدل جانے سے اس جذبے کی تقدیس اور کمیت میں کوئی فرق نہیں پڑنے والا ہے۔ اس حقیقت میں بھی کوئی دو رائے نہیں کہ کانگریس کشمیریوں کو ان کے پیدائشی اور جمہوری حقوق سے محروم کرنے، استصواب رائے کے وعدے سے منحرف ہونے اور اندرونی خودمختاری چھیننے کی ذمہ دار ہے، تاہم بی جے پی ہندوتوا کے جس خطرناک ایجنڈے کو نام نہاد جمہوریت کے پہیوں پر سوار کرنے کا جارحانہ انداز اپنائے

ہوئے ہے اس سے بالکل واضح ہے وہ اس مسلم اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے اور ہماری دینی اور تہذیبی شناخت کو زک پہنچانے کے مذموم ارادے رکھتی ہے اور اس کے لیے پی ڈی پی کا پورا اشتراک وتعاون اسے حاصل ہو رہا ہے۔ ہاں ''اسی روشنی میں'' ہم اقتدار کی شراکت داری میں بھاجپا کی ''نیک نیتی'' اور شیاما پرساد مکھرجی کے تئیں اس کے ''خراج عقیدت'' کو دیکھتے اور جانچتے ہیں۔

مفتی سعید اور محبوبہ مفتی نے دس دس انگلیوں کی شہادت سے بی جے پی کو یہ ضمانت دی ہے کہ وہ ''علیحدگی پسندی پر مبنی رجحانات'' (Seperatist Tendencies) کو بھاجپا کے راستے میں حائل نہیں ہونے دیں گے اور ریاست کے مکمل انضمام میں جہاں تک ممکن ہوا اس کو اپنا دستِ تعاون پیش کرتے رہیں گے۔ یہی ''مفاہمت کا اہم نتیجہ'' ہے جس پر زعفرانی خیمے میں اس قدر خوشی کے جام نوش کیے جا رہے ہیں۔

24/ جنوری 2015ء کو پارٹی ڈیلی گیٹس سے خطاب کرتے ہوئے مفتی سعید نے کہا: ''بی جے پی کے ساتھ مخلوط حکومت بنانے کے سلسلے میں جو بات چیت ہو رہی ہے اس میں آرٹیکل 370، افسپا کے خاتمے، پاکستان اور علیحدگی پسندوں کے ساتھ مذاکرات، سیاسی قیدیوں کی رہائی، پاور پروجیکٹس کی واپسی اور سیلاب سے متاثرہ لوگوں کی مکمل بحالی، (جیسے اہم ایشوز) پر ہماری پارٹی کا اسٹینڈ واضح ہے اور اس پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوگا۔ ریاست اور عوام کے مفادات ہی وہ کسوٹی ہوگی جس کی بنیاد پر ریاست جموں کشمیر میں نمائندہ حکومت تشکیل پائے گی۔ مجھے حکومت بنانے میں کوئی جلدی نہیں۔ میں اقتدار کے خاطر عوام کا منڈیٹ نہیں بیچوں گا۔ مجھے اقتدار کی ہوس نہیں اور نہ ہی مجھے وزیر اعلیٰ کے عہدے کی لالچ ہے۔ پی ڈی پی کا اپنا ایجنڈا ہے اور پارٹی اپنے نظریہ کا سودا نہیں کرے گی.... ''[2]

لیکن جیسا کہ دنیا نے دیکھ لیا یہ سب دعوے سراب ثابت ہوئے۔ پی ڈی پی نے اپنے پارٹی ایجنڈے اور نظریے پر خطِ تنسیخ چلا کر فاشسٹ ہندو تنظیم کے لیے کشمیر کا دروازہ کھول دیا تا کہ وہ اپنے بھگوا ایجنڈے اور ہندوتو انظریہ کو عملا سکے۔ شراکتِ اقتدار کا جو الائنس ایجنڈا (Agenda of Alliance) پی ڈی نے بی جے پی کے ساتھ تشکیل دیا اس میں پی ڈی پی اپنے تمام وعدوں سے انحراف کر گئی۔ نظریہ اور ایجنڈے کی پسپائی اس میں کھل کر سامنے آئی۔ اسے بی جے پی نے اِن تمام ''امتیازات'' سے نہتا کر دیا۔ آرٹیکل 370 کو منجمد رکھا گیا، افسپا کو ہٹانے کے لیے پہلے ہی کی طرح دلی کی رضامندی حرفِ آخر ٹھہری۔ سیاسی قیدیوں کی رہائی کا الائنس ایجنڈے میں ذکر تک نہیں کیا گیا۔ عوامی کھپت کے لیے ایجنڈے میں اگرچہ ''تمام سیاسی گروپوں کے ساتھ بلاامتیاز فکر ونظر بامعنی اور پائیدار مذاکرات شروع کرنے کے لیے راہ ہموار کرنے'' کی باتیں کی گئیں، تاہم جیسا کہ بعد میں ثابت ہوا اس میں خلوص اور نیک نیتی کا کوئی شائبہ بھی نہ تھا۔ حریت کانفرنس کے لیے کوئی سپیس نہیں دی گئی۔ سیاسی قیدی رہا نہیں کیے گئے اور جو رہا کیے گئے (مسرت عالم) ان کو پھر جیل بھیج دیا گیا اور پی ایس اے ان پر لگا دیا گیا۔ گیلانی صاحب کو جمعہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔ باقی لیڈروں کی سیاسی سرگرمیوں پر بھی قدغن لگا دی گئی ہیں۔ مفتی سعید اور محبوبہ مفتی عمر عبداللہ کی سربراہی والی سابقہ سرکار پر جن زیادتیوں پہ مذمت کرتے تھے ان کے ارتکاب کے لیے مفتی خانوادے کو اب بڑا مزہ آتا ہے۔ ڈول ہستی اور اوڑی پن بجلی پروجیکٹوں کی واپسی کے لیے کہا گیا کہ مخلوط حکومت اس کے لیے بھارت سرکار سے بات چیت کرے گی اور ''طریقہ کار'' طے کرے گی، لیکن یہ بھی زبانی جمع خرچ ثابت ہوا۔ دلی نے گزشتہ ماہ صاف انکار کیا ''ایسا نہیں ہوگا۔''

الائنس ایجنڈا بی جے پی کی بولی بولتا ہے۔ اس میں ڈیلی میٹیشن کمیشن

(Delimitation Commission) کو تشکیل دینے کا ذکر کیا گیا۔ مغربی پاکستان کے رفیوجیوں کی امداد و اعانت کی باتیں کی گئیں۔ 1947ء، 1965ء اور 1971ء کے پاکستان کے زیر انتظام کشمیر سے آنے والے مہاجرین کی "یک وقتی آبادکاری" (one-time settlement) کا منصوبہ مرتب کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ ایجنڈا میں یہ تو کہا گیا کہ "لینڈ ایکویزیشن کے تحت حفاظتی دستوں کی تحویل میں قانونی طور پر دی گئی اراضی کو چھوڑ کر ان کے زیر تصرف تمام اراضی جائز مالکان کو واپس کی جائے گی لیکن ایک بہت بڑا استثناء لگا دیا گیا۔" بجز ان حالات میں جہاں زمین کو تحویل میں رکھنا مخصوص حفاظتی ضروریات (Specific requirement) کے لیے انتہائی لازمی (absolutely imperative[3]) ہو"۔ سوال یہ ہے "مخصوص حفاظتی ضروریات" کی تعریف کیا ہے اور اس کا تعین کون کرے گا۔ ظاہر ہے بھارت کی وزارت دفاع اور فوج کو ہی (جیسا کہ اب تک ہوتا رہا ہے) یہ استحقاق ہے کہ کسی زمین کو اپنی تحویل میں لینے اور اس پر قبضہ برقرار رکھنے کے لیے وہ کہے کہ "مخصوص حفاظتی ضروریات کے لیے ایسا کرنا لازمی ہے"۔ یہ وہ تلوار ہے جو ریاست کے عوام کی گردنوں پر لٹکتی رہے گی اور مفتی اور پی ڈی پی اس تلوار کو گردنوں سے ہٹانے کے بجائے اس کو "پکا ہندوستانی" کی میان فراہم کرتے نظر آ رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ مفتی نے اقتدار کے لیے بھاجپا سے سیاسی گٹھ جوڑ کیا اور پارٹی نظریات اور عوامی منڈیٹ کو بیچ ڈالا لیکن ان کی بیٹی اور پارٹی صدر محبوبہ مفتی شاداں ہے کہ مفتی نے آرٹیکل 370 پر "اسٹیٹس کو" (Status Quo) برقرار رکھا اور اس پر کوئی ڈائیلیوشن (Dilution) نہیں کی۔ تاہم دوسرے ہی سانس میں وہ ہندوستانیوں کو باور کرانا چاہتی ہے کہ "مفتی شعوری طور ہندوستانی" ہے اور ان کا ایک ویژن (Vision) ہے اور جو کیمسٹری مودی جی اور مفتی صاحب کے مابین بن چکی ہے اسے ان دو اصحاب سے آگے

بڑھ کر بھارت اور ریاستی عوام کے درمیان قائم ہونا ہے۔"

"He is an Indian by conviction and has a vision... We know there has to be chemistry between people of J&K and rest of the country.... The chemistry has to go beyond the two guys Mufti Sahab and Modi Ji."[4]

حلف برداری کی تقریب کے فوراً بعد وزیر اعلیٰ مفتی سعید نے جموں میں پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا پی ڈی پی نے بی جے پی کے ساتھ جو ایلائنس (اتحاد) کیا وہ "ضرورت کا نہیں، عقیدے کا اتحاد ہے"... اور "ہم پی ڈی پی۔ بی جے پی ایلائنس کو تاریخ کا ایک غیر معمولی مرحلہ بنانا چاہتے ہیں۔ ہم کشمیر کے عوام کو ہندوستان کے ساتھ جوڑنا چاہتے ہیں۔"

"PDP forged alliance with BJP out of conviction and not convenience....We want to make PDP-BJP alliance a turning point in history.... We want to connect Kashmir people with rest of India...."[5]

مودی جی سے کمسٹری اور بی جے پی سے عقیدت کیا گل کھلاتی ہے، اگلے صفحات میں اس کا جائزہ لیتے ہیں، لیکن یہاں یہ بات عیاں ہوئی ہے کہ بھارت کے گماشتوں کو بھی

زمینی حقائق معلوم ہیں, یعنی کشمیر کے عوام نے بھارت کے ساتھ الحاق تسلیم نہیں کیا ہے. اسی لیے مفتی سعید ایک ''پکے ہندوستانی'' کے طور پر اس انہونی کو ہونی میں تبدیل کرنے کے سپنے دیکھتے ہیں اور ان سپنوں سے دہلی دربار کو مخمور کرنا چاہتے ہیں۔

مفتی کو اچھی طرح معلوم ہے کہ جھوٹ کی آتش بازی سے دربار کو بہت لگاؤ ہے اور اس بازارِ عشق میں قائد اعظم محمد علی جناح اور دوقومی نظریہ کی مخالفت ہو تو مان لیجیے مقامی گماشتوں کی وفاداری پر دربار کا ٹھپا۔ وزارت اعلیٰ کی کرسی پر براجمان ہو کر مفتی نے اسی مذکورہ پریس کانفرنس میں کہا ''کشمیر واحد مسلم اکثریتی ریاست تھی جس نے جناح کی تھیوری رد کی اور بھارت کے ساتھ الحاق کیا۔''

> "Kashmir was the only majority state which rejected Jinnah's theory and acceded to India."[6]

اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس قسم کی بہکی بہکی باتیں کہنا اس شخص کو زیب نہیں دیتا جو وزارت اعلیٰ کے ذمہ دارانہ منصب پر فائز ہو رہا ہو۔ یہ اس ووٹ کی بھی توہین ہے جسے الیکشن میں سبز رومال اور سبز پوشاک کے تئیں عقیدت اور وفاداری دکھا کر حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کا وہ اندازِ تکلم ہے جس کا مقصد صرف اور صرف دربار کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ ایک مطلق العنان فرمانروا کشمیری عوام کی غالب مسلم اکثریت کی خواہشات کے علیٰ الرغم الحاق کرے تو اس کو کس طرح جائز تسلیم نہیں کیا جا سکتا، پھر خود بھارت نے الحاق کو استصواب سے مشروط رکھا اور سیکورٹی کونسل نے بھی کشمیریوں کے حق خود ارادیت کے مسلمہ جمہوری اور پیدائشی حق کو تسلیم کر کے اس بارے میں کئی قرار دادیں پاس کیں جنہیں خود بھارت نے بھی تسلیم کیا۔ مفتی جی سے پوچھا جا سکتا ہے

اگر بھارت سے الحاق کشمیری عوام کی خواہشات کا مظہر ہے تو آخر بھارت استصواب کے وعدے سے منحرف کیوں ہوا۔ کشمیریوں نے بقول مفتی "جناح کی تھیوری رد کی" تو بھارت کو اس جمہوری اپروچ اپنانے میں حرج ہی کیا۔ دربار تو بغلیں بجاتا ہے کہ اسمبلی الیکشن میں ستر اسی فیصد کشمیریوں نے بھارت کی جمہوریت اور الحاق کے حق میں فیصلہ دیا ہے تو آخر اسے پھر کیا چیز مانع ہے مطالبہ حق خود ارادیت (استصواب) کو ماننے میں؟ کٹھ پتلی چیف منسٹر اور اس کے آقاؤں کو اچھی طرح معلوم ہے کشمیریوں نے جناح نہیں گاندھی اور نہرو کو مسترد کیا ہے اور استصواب کی صورت میں وہ ایسا ہی کریں گے۔ ان شاء اللہ

استصواب سے منکر ہونے کے بعد بھارت نے ریاستی آئین ساز اسمبلی سے الحاق کی توثیق کروائی، حالانکہ الیکشن کے وقت یہ ایشو اٹھایا ہی نہیں گیا تھا اور جس اسمبلی سے جس وقت یہ توثیق کروایا گیا اس کی کوئی نمائندہ حیثیت نہ تھی۔ دھاندلیوں کے ذریعے کرائے گئے انتخابات کی کوئی قانونی اور اخلاقی حیثیت نہیں ہے۔ اب کسی اور نے نہیں خود ہندو نیشنلسٹ پارٹی بی جے پی نے ان انتخابات کو فراڈ قرار دیا ہے۔ مودی گورنمنٹ میں ارون جیٹلی کو انتہائی قدر و منزلت سے دیکھا جاتا ہے اور وہ فائینانس منسٹری کے اہم عہدے پر فائز ہیں۔ راجیہ سبھا میں اپوزیشن لیڈر اور کانگریس ایم پی غلام نبی آزاد کے بھاجپا پر کئے گئے چند ریمارکس کا جواب دیتے ہوئے جیٹلی نے وہ باتیں کہیں جو بھارت کے ساتھ کئے گئے الحاق کی اس بنیاد کو ہلا کے رکھ دیتی ہے جسے جھوٹ اور فریب کی زمین پر قائم کیا گیا ہے۔ جیٹلی نے بھارت کے ایوانِ بالا میں اپنے پورے ہوش وحواس کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ 1953ء، 1957ء، 1962ء اور 1967ء کے انتخابات جعلی اور فراڈ تھے۔ انہوں نے کہا ان چناؤں میں کانگریس درجنوں دوسرے امیدواروں کے کاغذاتِ نامزدگی کو رد کرتی تھی، تاکہ صرف اس کا امیدوار ہی بلا مقابلہ جیت جائے۔ ریکارڈ کو درست

کرتے ہوئے جیٹلی نے کہا1953ء کے بعد (جب شیخ عبداللہ کی حکومت برخاست کی گئی) فی الحقیقت نیشنل کانفرنس نام کی کوئی پارٹی نہیں تھی، کیونکہ نیشنل کانفرنس اب بجائے خود کانگریس تھی اور اصل نیشنل کانفرنس محاذ رائے شماری(Pelbicite Front) میں تبدیل ہوئی تھی۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ 1953ء میں جس ریاستی اسمبلی کے الیکشن کی بات جیٹلی کرتے ہیں، اصل میں کوئی الیکشن 1953ء میں نہیں ہوا، وہ 1951ء میں آئین ساز اسمبلی کے لیے کرائے گئے انتخابات کو 1953ء کے ریاستی اسمبلی کے انتخابات کہہ کر معاملے کو کنفیوز کرنا چاہتے ہیں۔ بہرکیف جو کچھ بھی انہوں نے کہا وہ ان انتخابات کے بارے میں کہا جو شیخ عبداللہ (1951ء)، بخشی غلام محمد (1962,1957) اور غلام محمد صادق ((1967 کی سربراہی والی حکومتوں کے دوران منعقد کیے گئے۔ اس سے جیٹلی اور ان کے توسط سے بی جے پی، غیر ارادی طور پر ہی سہی، ان لوگوں کے موقف کو تسلیم کرتی ہے جو کہتے ہیں کہ جو آئین ساز سمبلی 1951ء میں تشکیل دی گئی اس کے ذریعے عارضی اور مشروط الحاق کی کوئی معتبریت نہیں ہے اور یہ کہ الحاق اب بھی عارضی اور مشروط ہے اور تابع استصواب ہے اور جب تک کشمیری عوام کو آزادانہ اور منصفانہ رائے شماری کے ذریعے یہ حق نہیں دیا جاتا، کشمیر ایک متنازعہ خطہ ہی متصور ہوگا، چاہے بھارت سو بار اسے اپنا انٹیگرل پارٹ کیوں نہ کہے۔

اگر کشمیریوں نے جناح کو مسترد کر کے بھارت سے الحاق کیا ہے تو افسپا کس لیے؟ سات لاکھ فوج اور دیگر پیرا ملٹری فورسز کا یہ بہت بھاری جماؤ کس لیے، حریت پسندوں پر قدغن کیوں، یہاں اختلاف رائے کی سزا جیل اور گھر نظر بندی کیوں؟ پھر بھارت نواز تنظیمیں الیکشن کے موقوں پر اور اقتدار سے محرومی کے ایام میں "کشمیر مسئلہ کو حل کرو" کی باتیں کیوں

کرتے؟23؍دسمبر 2014ء کو جنوبی کشمیر میں چناوی ریلیوں سے خطاب کرتے ہوئے مفتی سعید نے کہا ''انڈیا اسی وقت سُپر پاور بن سکتا ہے، جب وہ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لیے پاکستان کے ساتھ بامعنیٰ مذاکرات کرے [7]''۔ جب کشمیر بھارت کا ''اٹیگرل پارٹ'' ہے جیسا کہ مفتی فیملی سمیت بھارت نواز مکرز کہتے آئے ہیں تو پاکستان کے ساتھ مذاکرات کیوں؟ 15؍دسمبر 2008ء کو اسلام آباد اسٹیڈیم میں چناوی ریلی سے خطاب کرتے ہوئے مفتی سعید نے کہا ''اگر مجھے اقتدار ملا تو میں کشمیر کا مسئلہ حل کروں [8] گا''۔ اور جب اقتدار ملا تو ''شعوری طور ہندوستانی'' کی رگ پھڑک اٹھی اور دہلی کی بولی بولنے لگے اور اپنا ''مشن'' شعوری طور کشمیریوں کو بھارت کے قومی دھارے میں جذب کرنا ٹھہرا۔

مفتی سعید نے کشمیری عوام کے جذبات کا استحصال کرنے کے لیے منافقت کے تمام جامے زیب تن کیے۔ اس بارے میں وہ جذباتی بلیک میلنگ کے کہنہ مشق سیاسی کھلاڑی شیخ عبداللہ کی ہمسری ہی نہ کر گئے، بلکہ انہیں اس شعبدہ بازی میں دو قدم پیچھے چھوڑ دیا۔ سب جانتے ہیں کہ مفتی سعید کو ان کی دربار کے سامنے بے چوں وچرا اطاعت اور وفاداری کی بنیاد پر ہی ہوم منسٹری کا اہم اور حساس ترین محکمہ دیا گیا اور یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے بحیثیت وزیر داخلہ افسپا کا ظالمانہ قانون کشمیر پر نافذ کروایا اور آر ایس ایس ذہنیت رکھنے والے جگ موہن کو گورنر بنا کر بھیجا تا کہ کشمیری عوام کا قتل عام کروا کے تحریکِ آزادی کو کچل دیا جائے۔ اب حیرت کا عالم یہ ہے یہی شخص اس سیاہ قانون کے خاتمے کے لیے خود کو ایک غازی کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ کشمیر کے ہر شخص کو اس بات کا علم ہے کہ پی ڈی پی کا جنم دلی میں ہوا ہے اور یہ انٹلی جنس اداروں کی پیداوار ہے۔ دلی کے حکمرانوں کو جب پوری طرح اطمینان ہوا کہ این سی اور عبداللہ فیملی بھارت کے ''قومی مفادات'' کے رتھ کو کھینچتے کھینچتے اپنے کندھوں پر ہڈیوں کی عبارت چھوڑ چکے ہیں اور اب اس کی جگہ تازہ دم سیاسی

وفاداری کی ضرورت ہے تو مفتی جیسے ''شعوری طور ہندوستانی'' کو آگے لے آئے۔ حکومتِ ہندوستان نے پی ڈی پی اور اس کے ہندنواز لیڈروں کو ایک پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت ''نرم رو علیحدگی پسندی''(Soft Seperatism) کا کھیل کھیلنے کی اجازت دی۔ اس کے تحت پی ڈی پی نے ''کشمیر کے مسئلہ کو حل کرنے'' اور حقوقِ انسانی کی خلاف ورزیوں پر واویلا کرنا شروع کیا، حد یہ ہے کہ محبوبہ مفتی نے مکروفریب کے فن کو ایسا عروج بخش دیا کہ جن عسکریت پسندوں کو دلی ''دہشت گرد'' اور ''قوم دشمن'' کہہ کر مطعون کرتی تھی، محبوبہ جی ان کو ''اپنے بھائی'' پکار کر ان کی شہادت پر ان کو خراج تحسین ادا کرتی تھی اور ان کے لواحقین سے اظہارِ تعزیت کرتی تھی۔ ان کی آنکھوں سے ''معصوموں کے قتل''، ''ٹارچر''، ''زیادتیوں''، ''ریپ''، ''ماورائے عدالتی قتل'' جیسی سنگین انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر آئے روز آبِ رودِ گنگا بہتی تھی۔ جیسا کہ بعد میں ثابت ہوا یہ ''سافٹ سیپریٹیزم'' تحریکِ آزادی کو نقصان پہنچانے اور حریت کی عوام میں ساکھ کو خراب کرنے اور ان کی سپیس کو ایروڈ کرنے کا مقصد لیے ہوئے تھا۔ مفتی نے فاروق کی جگہ لی تو ٹاسک فورس کو ہٹانے کا اعلان کیا۔ اپنے کریڈیٹ کھاتے میں کشمیریوں پر کیے گئے ''احسانات'' کا یہ بڑا کارنامہ ہے جس کا مفتی بار بار اعادہ کرتے ہیں۔ ایڈوانی اس وقت بھارت کے ہوم منسٹر تھے، انہوں نے مفتی سے اس بارے میں اپنی ناراضگی کا اظہار کیا، تو مفتی نے بڑے اطمینان اور مسکراہٹ کے ساتھ کہا کہ وہ صرف سپیشل ٹاسک فورس (STF) کے دفاتر بند کر رہے ہیں، جبکہ پوری ریاست میں جموں کشمیر کے پولیس اسٹیشنوں کو بااختیار بنانے جا رہے ہیں اور اس حقیقت سے کوئی آنکھیں چرا نہیں سکتا کہ تب سے تمام پولیس اسٹیشنوں کو عسکریت مخالف کارروائیوں میں حصہ لینے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ ایک لحاظ سے مفتی نے پولیس تھانوں کو ٹاسک فورس اسٹیشنوں کا ہم پلہ بنایا اور یہ مفتی سعید کا ہی ''کارنامہ'' ہے کہ ان کے کانگریس کے ساتھ

دورِ اقتدار میں حزب المجاہدین کی پوری عسکری قیادت حراست کے دوران قتل کی گئی اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ بحیثیت ریاستی وزیر اعلیٰ مفتی اس وقت یونیفائڈ کوارٹرس کے سربراہ تھے اوران کی اجازت کے بغیر کسی بھی بڑے عسکری کمانڈرکو زیرِحراست قتل نہیں کیا جاسکتا اور اگر ایسا ہو بھی جاتا تو ریاست کا وزیر اعلیٰ اس غیر قانونی اور غیر اخلاقی حرکت پر پروٹیسٹ بھی کرتے، لیکن انہوں نے ہونٹوں کو سی کر یہ پیغام دیا کہ یہ سب ان کی مرضی اور خواہشات کے مطابق ہو رہا ہے۔ پی ڈی پی اور محبوبہ بھی چُپ کے روزے رکھ کر دلی دربار کی جی حضوری میں منہمک تھے۔

مفتی سعید''انڈین بائی کنویکشن'' کی بات کرتے رہتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں کہ ان کے اس عقیدے پر''کسی کو شک وشبہ نہیں ہونا چاہیے''۔ان کی اس''ایمانی حرارت'' کو ہم قدر کی نگاہ سے دیکھتے اگر وہ الیکشن کے دنوں اپنی پارٹی ریلیوں میں ہندنوازی کی سیلشیس سکیل پر اسی حرارت کو ریکارڈ کرواتے۔ وہ ووٹ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے اور بھارتی فورسز کی زیادتیوں سے کشمیریوں کو نجات دلانے کے نام پر حاصل کرتے ہیں۔ حالانکہ خود کو ہندوستان کے اس''قومی شعور'' سے الگ نہیں سمجھتے جو کشمیریوں کو بندوق کی نوک پر بھارت یونین سے جوڑے رکھے ہوئے ہے اور افسپا کی متوازی رجیم پر شرمسار نہیں ہو پا رہا ہے۔ وہ ڈیموکریسی کو''خیالات کی جنگ''(Battle of Ideas) کہتے ہیں، لیکن حلق سے نیچے اتار کر شعور کی نسوں میں یہ عقیدہ اتر جائے، اس کے لیے وہ تیار نہیں اور پوری ریاستی طاقت کے ساتھ اپنے اس تشہیری عقیدے کے خلاف جنگ کرتے آرہے ہیں۔ الیکشن میں وہ ''خیالات کی جنگ'' کو صرف بھارت نوازوں تک ہی محدود کرنا چاہتے، اسی لیے ان کے آقا جب حریت نوازوں پر جمہور کُش بندشیں عاید کرتے تو وہ اپنے اس عقیدے کی توہین بلکہ ریپ پر ایک لفظ بھی نہیں بولتے۔ وہ اور ان کی طرح دوسرے ہندنواز اپنے حریفوں کو اس طرح

پابہ جولاں کرنے پر نہ صرف خوش ہیں، بلکہ حقیقت میں اس کے لیے منتیں بھی دربار کے سامنے مانگتے ہیں تاکہ ان کو چیلنج کے لیے کوئی مؤثر اور طاقتور قوت سیاسی محاذ پر نہ رہے۔ بی جے پی کے ساتھ حکومت میں شامل ہونے کے بعد پی ڈی پی اس سرعت کے ساتھ اپنے جمہوری دعووں اور کشمیر سینٹرک پالیٹکس کو جھاڑو دیتی آئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اب ناگپور کو شیوسینائی اور بجرنگی دستوں کے رول کال کی ضرورت نہیں پڑے گی مفتی فیملی اور پی ڈی پی سویم سیوک کا نکیر پہنے بغیر وہ سب کچھ کرتے جارہے ہیں جس سے موہن بھاگوت خوش ہو۔

مفتی سعید کے بارے میں جے کے ایل ایف کے چیرمین محمد یٰسین ملک کا یہ تبصرہ برمحل اور شاندار ہے۔ یٰسین صاحب کہتے ہیں ایک طرف مفتی انسانی حقوق کے تحفظ کی باتیں کرتے ہیں، دوسری طرف ان کی سرکاری رہائش گاہ، جو بدنامِ زمانہ تعذیب رسانی کے مرکز پاپاٹو کے نام سے بھی جانی جاتی ہے، کشمیریوں کی زیرِ حراست ہلاکتوں، بے پناہ ٹارچر اور ناقابل بیان مظالم کی شہادت گاہ بنی ہوئی ہے۔ ایک لمحے کے لیے مفتی فیملی کی نیند میں خلل واقعہ نہیں ہوا ہے۔ درودیوار سے نکلنے والی دلدوز چیخوں اور کربناک آہوں سے ان کا سکون چھن نہ گیا۔ ملک کہتے ہیں کہ وہ خود بھی اسی مکان میں اسیر تھے اور مسلسل 36 گھنٹوں تک مفتی کی اسی سرکاری رہائش گاہ میں ان کا ٹارچر کیا گیا۔ ملک کہتے ہیں کہ بھارت کے ایک صحافی شام بھاٹیا نے اس وقت کے گورنر گریش چندر اسکینہ سے پوچھا کہ گورنر صاحب، آپ کو کس طرح گورنر ہاؤس میں نیند آتی ہے جب پاپاٹو میں کشمیری نوجوانوں کا اس بے دردی کے ساتھ قتل کیا جاتا ہے؟ تب سے شام باٹھیا کو کشمیر آنے نہیں دیا گیا ہے، لیکن اس غیور اور باضمیر انسان کو حقوقِ انسانی کی خلاف ورزیوں پر اپنی آواز بلند کرنے کی پاداش میں اس قسم کی تکلیفیں اٹھانے پر کوئی پچھتاوا نہیں۔ ایک اور بھارتی صحافی تپن بوس

واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرنٹ کے قائد کہتے ہیں کہ تپن بوس نے میرے گھر کی لینڈ لائن سے چیف سیکریٹری اشوک جیٹلی، جو اسی پاپا ٹو میں رہتے تھے، کو فون کیا اور خیر و عافیت پوچھی۔ جیٹلی نے اپنے دوست تپن بوس کو شام کے کھانے کی دعوت دی، لیکن بوس نے یہ کہہ کر دعوت ٹھکرا دی" میں کیسے اس مکان میں کھانا کھا سکتا ہوں جہاں کشمیریوں کو بے رحمی کے ساتھ مار ڈالا گیا ہو"۔ اس " ذبح خانے کو"، جیسا کہ یٰسین صاحب کہتے ہیں، "قصر دازہ وان میں مفتی نے تبدیل کیا جہاں تحریک مخالف بھارت نواز لوگ ضیافتیں تناول کرتے رہتے ہیں۔"[9]

Notes and Refrences

1. پی ڈی پی سے تعلق رکھنے والے سینئر لیڈر اور ممبر پارلیمنٹ مظفر بیگ تسلیم کرتے ہیں کہ پارٹی میں فیصلہ کرنے کے جملہ اختیارات مفتی سعید اور محبوبہ مفتی کے ہاتھوں میں ہی ہیں۔
"Mufti Saheb and Mebooba Ji are the only two decision makers in the party". - Greater Kashmir - February 4, 2015
2. Greater Kashmir - Kashmir Uzma - January 25, 2015
3. Agenda of the Alliance, Greater Kashmir - March 03, 2015
4. Interview with Karan Thapar on Headlines Today - March 5, 2015
5, 6. Greater Kashmir - March 2, 2015
7. Greater Kashmir - December 2, 2015
8. Greater Kashmir - December 16, 2008
9. Greater Kashmir - February 27, 2015

علیحدہ کالونیاں اور آبادی تبدیل

کرنے کے دوسرے منصوبے

یکم ستمبر 2014ء کو اسلام آباد میں ایک چناوی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے مفتی سعید نے آر ایس ایس اور اس کے سیاسی بازو بی جے پی کے فرقہ پرستانہ ایجنڈے اور ریاست کی مخصوص پوزیشن کو ختم کرنے کے منصوبے پر کڑی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ پی ڈی پی اس قسم کے ایجنڈے اور منصوبوں کو ناکام بنانے کے لیے ''ایک مضبوط قلعے کا کام کرے گی اور کسی کو بھی ریاست کی مخصوص شناخت اور سپیشل پوزیشن کو ڈائیلیوٹ کرنے کی اجازت نہیں دے گی اور پوری قوت کے ساتھ ان کا مقابلہ کرے گی''[1]۔ مفتی سعید نے خود کو ہوسِ اقتدار کے مریض کی سطح سے اوپر اٹھا کر کشمیر کی کھوئی ہوئی عظمت کو بحال کرانے والے ''غازی'' کے طور پر پیش کرتے ہوئے کہا ''میں آج آپ کا ووٹ اس لیے نہیں مانگتا کہ اقتدار میں آؤں، بلکہ جموں کشمیر کو اپنا جائز اور عظمت والا مقام بحال کرانے کی ''جنگ''(Crusade) جیتنا چاہتا ہوں''۔[2]

ابلیس جیسا عدوِ مبین حضرت آدم اور حوا کو خُلدِ بریں سے نکال باہر کروانے اور عظمت و تکریم کی چوٹیوں سے گرا کر انہیں بے آبرو کرنے کے لیے ان کے سامنے اپنے اصلی روپ میں نہیں آیا۔ بلکہ ''خیر خواہی'' کے دیدہ زیب جاموں کو زیبِ تن کیے ہوئے وہ ''دوست'' اور ''رفیق'' کے ''اخلاص'' اور ''درد'' کا مجسمہ بن کر ان کے پاس آیا۔ ''تاابد زندہ رہنے'' اور ''جنت میں راج کرنے'' کے لیے وہ ایک ''حیات آفرین'' منصوبہ لے کر آیا۔ بس

مجھ پر اعتماد کرو اور اس "شجرِ ممنوع" کی حرمت پامال کرو۔ تمہیں "سپیشل پوزیشن" اور "عظیم مقام" نصیب ہوگا۔ مجھے کوئی ذاتی غرض اور "اقتدار کی ہوس" نہیں۔ بس تمہاری "اقبال مندی" اور "حیاتِ جاوداں" کے لیے تمہیں اس دانے کو چکھنے کا نسخہ بتاتا ہوں۔

ابلیس مکروفریب کے زہریلے پھن دکھا کر آتا تو ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوتا۔ وہ فریب پر خیر خواہی کا ملمع کر کے آیا، اپنے خطرناک عزائم پر وفاشعاری کی لیپا پوتی کر کے آیا اور جب پوری طرح ان کو اپنے ڈھب پر لایا اور ان سے تقدیس وتکریم وتعظیم کا ستر کھلوا کے رکھا تب ان کو پتہ چلا کہ ان سے کس بہت بڑی غلطی کا صدور ہوا لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ "سپیشل پوزیشن" تو کیا، "حیاتِ جاوداں" تو کیا ان کو اپنے ستر کو چھپانے کے لیے چند پتے بھی میسر نہ ہوئے۔ وہ ثُریا سے زمین پر آ گرے۔

کشمیر کے سادہ لوح عوام مکروفریب اور منافقت کے لباس میں ملبوس اپنے ہی "خیرخواہوں" اور "دوستوں" سے پٹتے رہے، مار کھاتے رہے۔ شیخ عبداللہ قرآن کو شاہد بنا کر آئے۔ "عزت وآبرو" کے بلند مرتبے پر فائز کرنے کے "غازیانہ" کردار کے ساتھ آئے اور محاذ رائے شماری کا جھنڈا اٹھا کے آئے۔ شیخ کے تخت کے وارث اُس کے نقشِ قدم پر چل کر منافقت اور دغابازی کی اسی کاشت کاری کو آگے بڑھاتے گئے اور اٹانومی کی بحالی کے وعدہ مبین کے ساتھ آئے۔ پی ڈی پی خصوصاً مفتی فیملی ہندنوازی کی کینچلی پاپا ٹو میں چھوڑ کر آئے اور جب باہر نکلے تو لوگوں کو یقین نہیں آیا، سبز پوشاک اور قلم دوات پر اب جبینیں جھک رہی ہیں۔ اب شیخ عبداللہ کی مذکورہ سیاسی شعبدہ بازی اور جذباتی استحصال کی وراثت کا حق شفعہ مفتی خانوادے کی طرف سے ہو رہا ہے۔ فریب کے اس مطب سے "نسخہ ہائے کیمیا" لینے والے حریفوں میں اب بس یہ مقابلہ چل رہا ہے کہ قوم کی آبرو بیچ کھانے اور اس کا "ستر کھولنے" میں وہ کس طرح ایک دوسرے سے سبقت لیں اور اِدھر اُدھر ابلیس کی

مجلس شوریٰ میں ابھی تک اس پر اجماع (Consensus) نہیں ہو رہا ہے کہ کشمیری قوم کو فریب دینے اور ان کا وشواس گھات کرنے کے اس ''عظیم کارنامے'' پر شاباشی اور انعام کا زیادہ مستحق کون!

بی جے پی کے ساتھ ساجھے داری کو مفتی سعید نے ''ٹرننگ پوئینٹ'' کہا۔ آخر شمالی اور جنوبی قطب کا ملاپ ابھی تک کس نے کیا۔ پھر جلد ہی کشمیری عوام کو معلوم ہوا کہ یہ معانقہ سب کچھ جنوبی قطب کی طرف بہا کر لیجاتا ہے اور اس کا مرکز ثقل (Centre of gravity) ناگپور میں ہے۔ مودی جی اور مفتی صاحب کے مابین خیالات اور نظریات اور اپروچ و اہداف کی یہ ''کیمسٹری'' جوں جوں توانا اور مستحکم ہوتی چلی گئی، کشمیری اس بھیانک کل کے خوف سے لرز اٹھے جس کے تانے بانے ان ''دو کیمیا گروں'' کے ہاتھوں ترتیب پا رہے تھے۔

مفتی کو حکومت سنبھالے ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے تھے کہ بھاجپا اپنے کشمیر مخالف اور مسلم دشمن ایجنڈے کی راہ پر پوری دلجمعی اور تیزی کے ساتھ گامزن ہوتی چلی گئی، پی ڈی پی بجائے اس کے کہ اس ہندو نیشنلسٹ اور فرقہ پرست تنظیم کی جارحیت پر روک لگا دیتی اس نے حکومت اور انتظامیہ کا پورا سپورٹ اس کے لیے ارپن کیا۔ پی ڈی پی اور وزیر اعلیٰ مفتی سعید کی باڈی لنگویج صاف بتا رہی تھی کشمیری عوام کے مفادات کا تحفظ ان کے لیے ثانوی درجہ رکھتا ہے۔ ناگپور کی خوشنودی بعوض ضمانت اقتدار ان کی پہلی ترجیح ہے۔ آر ایس ایس کشمیر کی ڈیموگرافی کو بدل ڈالنے اور ریاست کی مسلم شناخت کو ختم کرنے کے جن زہرناک منصوبوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے، پی ڈی پی کے ساتھ ساجھا داری اسے ان خوابوں کی عملی تعبیر پیش کر رہی ہے۔ پے در پے حکومتی سطح پر مفتی نے ناگپور کی ڈکٹیشن لے کر جو مسلم بیزار اقدامات اٹھائے اس سے کشمیری عوام پی ڈی پی سے نہ صرف

مایوس، بلکہ متنفر ہوئے۔ انہیں بھاجپا اور پی ڈی پی میں زیادہ فرق نظر نہیں آرہا ہے۔ ادھر پی ڈی پی اور اس کے قائدین اس فرق کو مٹانے میں حد درجہ اتاولے نظر آرہے ہیں۔ کشمیری عوام کے کفن دفن کرنے کا سحر مفتی فیملی پر اس قدر طاری ہو رہا ہے کہ اس ہیجانی کیفیت میں وہ بھول رہے ہیں کہ آر ایس ایس کی اس تیار کردہ چتا میں ہندنواز بھی احسان جعفری اور ان کے گھر والوں اور رشتہ داروں کی طرح جل بھُن ہو کر رہیں گے۔

اقتدار میں آ کر بی جے پی نے ثابت کر دیا کہ وہ ہندوتوا نظریہ کو کشمیر میں غالب کرنا چاہتی ہے اور کشمیر میں مسلمانوں کی عددی برتری کو ختم کرنے کے منصوبے کو عمل میں لانے کے لیے سنجیدہ ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسمبلی میں اس کی اکثریت نہیں اور کشمیر وادی میں اس کو ایک بھی سیٹ بھی نہ ملی اور پی ڈی پی کے ساتھ شراکتِ اقتدار میں ہے، اس فرقہ پرست تنظیم نے حکومت سازی کے اولین روز سے ہی ہندو تہذیب وتمدن کو مسلم اکثریتی ریاست پر مسلط کرنے کی کوشش کی۔ 17 رمارچ کو بھاجپا کے تمام 25 اراکین اسمبلی ایوانِ زیریں میں حلف اٹھانے سے قبل ڈوگرہ چوک جموں میں جمع ہوئے۔ یہاں انہوں نے پریم ناتھ ڈوگرہ اور مہاراجہ ہری سنگھ کے مجسموں پر گل باری کی اور ان کو اور شیاما پرساد مکھرجی کو ''خراج تحسین'' ادا کیا۔ انہوں نے سر پر زعفرانی صافہ باندھا تھا۔ پھر وہ اسمبلی سیکریٹریٹ کی طرف ''وندے ماترم''، ''بھارت ماتا کی جئے''، ''جئے ماتا دیوی'' کے نعرے بلند کرتے ہوئے بڑھے۔ اسمبلی کے اندر حلف لیتے وقت ممبر اسمبلی نوشہرہ رویندر رانا نے بھارتی سیکولرازم کے چہرے پر فرقہ پرستی کی کالک ملتے ہوئے عہدے اور راز داری کا حلف اٹھانے کا آغاز اس طرح کیا ''میں رویندر رینا ماتا ویشنو دیوی کے نام سے حلف لیتا ہوں[3]''۔ اگرچہ اس پر رویندر رینا کو سپیکر اور حزب اختلاف کے ممبران کی ناراضگی بھی مول لینی پڑی، تاہم ویشنو دیوی کے نام سے حلف لیتے ہوئے رینا اور اس کی تنظیم نے دکھایا کہ

وہ ہندوتوا کلچر کے رنگ میں پوری ریاست کو آلودہ کرنا چاہتے ہیں۔

ذرائع ابلاغ کے نمائندوں نے جب رینا سے پوچھا کہ "آپ لوگ ترنگے جھنڈے کو اس وقت لہرا رہے ہیں، ریاستی پرچم ترنگا کے ساتھ کیوں نہیں اٹھاتے"۔ رینا نے جواب دیا "ہم صرف ترنگا اٹھائیں گے"(Only this flag) بھاجپا لیڈر نے مفتی سعید کے چناوی وعدوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا "افسپا ہٹانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس وقت آرمڈ فورسز خصوصاً فوج کے اختیارات کو مضبوط بنانے کا وقت ہے۔ ہم اس قانون کو منسوخ کرنے کی اجازت نہیں دیں گے"[4]۔ بھاجپا لیڈر اپنے اس بیان سے اس امر کی تصدیق کر رہے ہیں کہ بھارت صرف فوجی قوت کی بنیاد پر کشمیر کو اپنے ساتھ ملائے ہوئے ہے اور "جمہوریت"، "عوامی نمائندگی" اور "چناؤ" جیسی اصطلاحیں محض دھوکہ دہی اور فریب ہے۔

گزشتہ چھ عشروں میں پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ ایک منسٹر اپنے آفس میں ہون جیسی ہندو رسم کا انعقاد کرتا ہے۔ چھ مارچ کو بھاجپا کے ایک سینئر لیڈر نے ہندو پجاریوں کی ایک بڑی جمعیت کو سیکریٹریٹ کے اپنے دفتر میں ھون کرنے کے لیے بُلایا۔ ھون ایک ویدک رسم ہے جس میں ہندو آگ کو جلا کر اس کے اردگرد بیٹھ کر منتر پڑھتے رہتے ہیں تاکہ دیوی اور دیوتاؤں کو خوش رکھا جائے اور اسطرح ان کا آشیرواد لے کر اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل ہوسکے۔ سول سیکریٹریٹ حکومت کا سب سے اعلیٰ اختیارات والا ادارہ ہے، ابھی تک اس قسم کی رسموں سے یہ آزاد رہا ہے۔ بھاجپا اس کو بھی ہندو کلچر میں نہلانا چاہتی ہے"۔

بھاجپا سے زیادہ اسمبلی سیٹیں لینے کے باوصف پی ڈی پی قیادت مخلوط سرکار میں ایک کمزور اور نکمے حلیف کا تاثر دیتی آئی ہے۔ وزیر اعلیٰ بننے کے بعد مفتی سعید نے حریت

لیڈر اور مسلم لیگ کے چیرمین مسرت عالم کو رہا کرنے اور ترنگا کے ساتھ ریاستی پرچم استعمال کرنے کی ہدایات دے کر اس امر کی گویا تشہیر کروانی چاہی کہ وہ "بااختیار وزیر اعلیٰ" ہیں ,لیکن دونوں موقوں پر ثابت ہوا کہ ان نتھنوں میں دلی کی رسی پڑی ہوئی ہے اور جب بھی اس کو کھینچا گیا مفتی صاحب حون کرنے لگے۔ایک کھینچ سے بااختیار ہونے کا بھوت ان سے نکلوایا گیا۔مسرت عالم تو خیر پاکستانی جھنڈا لہرانے (حالانکہ متنازعہ خطہ ہونے کے ناطے کشمیر میں پاکستان کا جھنڈا لہرانا کوئی جرم نہیں۔اس لیے کہ بھارت کی طرح پاکستان بھی تنازعہ کا ایک اہم فریق ہے) کی پاداش میں پھر جیل بھیج دیے گئے,لیکن ریاستی جھنڈا (پرچم) لہرانا ایک طرح کا جرم بن جائے اور مفتی سرکار فرقہ پرست قوتوں کے سامنے اس معاملے میں سرنڈر کرے،ایسی کسی کو توقع نہیں تھی۔

12رمارچ کو حکومت سنبھالنے کے فوراً بعد مفتی کی سربراہی والی حکومت نے ایک سرکیولر جاری کیا جس میں آئین کے تحت منصب سنبھالنے والے ذمہ داروں (Constitutional Authorities) پر یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ بھارتی ترنگا کے ساتھ ریاستی پرچم بلند کریں۔اس طرح ریاست کے ججوں،وزیر اعلیٰ،وزراء اور قانون سازیہ کے ممبران کے لیے یہ ضروری بن گیا کہ وہ اپنی سرکاری گاڑیوں اور عماتوں پر ریاستی پرچم بھارت کے جھنڈے کے ساتھ بلند کریں۔

> "The flag shall always by hoisted on the buildings, housings and shall be used on the official cars of constitutional authorities."

جنرل ایڈمنسٹریشن ڈیپارٹمنٹ کے کمیشنر سیکریٹری کی طرف سے اجراء کیے گئے اس سرکیولر میں واضح کیا گیا کہ ریاستی جھنڈا (State Flag) کو ریاستی آئین کے تحت "وہی

تقدس اور رتبہ ہے" جو بھارت کے جھنڈے کو ہے۔ حکومت نے سرکیولر کے ذریعے انتباہ کیا کہ "قومی جھنڈے (یعنی بھارت کے جھنڈے) کے ساتھ ساتھ ریاستی جھنڈے کو نہ لہرانا اسٹیٹ آنرس ایکٹ کے تحت جھنڈے کی توہین قرار پائے گا"۔

> "Its non-hoisting along with the national flag amounts to insult the flag as per the provisions of Jammu and Kashmir prevention of insult to State Honours Act, 1979."[5]

بی جے پی نے اس آڈر کو "حکمِ نواب تادرنواب" کی "توقیر" کا مستحق سمجھ کر بڑی رعونت سے مسترد کر دیا۔ کہا گیا مجاز اتھارٹی (Competnat authority) کی طرف سے اس کو نہیں نکالا گیا۔ یہ ایک لغو اور بھونڈی دلیل ہے۔ اس سرکیولر کو اس طرح کی کسی بھی سینکشن (Sanction) کی ضرورت نہیں، جیسا کہ اے جی نورانی کہتے ہیں "اسے کشمیر میں آئین ساز اسمبلی، ریاست کے اپنے آئین اور دِلی ایگریمنٹ کی سینکشن حاصل ہے"۔

اجرا ہونے کے صرف 20 گھنٹے بعد بھاجپا کی مخالفت پر 13 رمارچ کو مفتی سعید نے اس سرکیولر کو واپس لیا۔ 1952ء شیاما پرساد مکھرجی نے "ایک دیس میں دو وردھان، دو پردھان اور دو نشان نہیں چلے گا" کا جو سلوگن دیا تھا مفتی سعید نے اسی سلوگن کی ریاستی آئین کی صریحاً خلاف ورزی کرتے ہوئے آبیاری کی۔ بھاجپا نے سرکیولر کو واپس لینے کے مفتی سعید کے اقدام کا "خیر مقدم" کیا اور کہا "ہم صرف بھارت کے قومی جھنڈے کو مانیں گے اور کسی دوسرے جھنڈے کو نہیں۔ ہماری گاڑیوں پر ترنگا کے سوا کوئی اور پرچم نہیں ہوگا"۔[6]

ریاست جموں کشمیر کے آئین کی دفعہ 144 ریاستی جھنڈے سے متعلق ہے اور

تفصیل کے ساتھ جھنڈے کی لمبائی، چوڑائی، اس کے رنگ اور علامتوں کی وضاحت کرتا ہے اور ہر ایک کمبل کو معنی عطا کرتا ہے۔ پھر دفعات 97.64.40 اور پانچواں شیڈول حکومت کو پابند بنا دیتا ہے کہ وہ اس امر کو یقینی بنائے کہ ریاستی آئین کے قائم کردہ مناصب پر بیٹھنے والے آئین کے ان شعائر اور علامتوں سمیت پورے آئین کے تئیں سچی وفاداری اور عقیدت کا مظاہرہ کریں۔

> "Bear true faith and allegiance to the constitution of the state as by law established."

اب دیکھئے دن کے اُجالے میں حکومت میں شامل ایک پارٹی اسی آئین کے احکامات کو ماننے سے صاف انکار کرتی ہے جس سے وفادار رہنے کا حلف اس نے اٹھایا ہے۔ پھر بھی حکومت آئین اور ریاستی جھنڈے کی توہین کرنے کے مرتکب افراد کی اس دیدہ دلیری پر آنکھیں بند کیے ہوئے ہے۔ اتنا ہی نہیں۔ آئین کی توہین کرنے والی اسی پارٹی کے ساتھ اقتدار میں شمولیت اختیار کیے ہوئے ہے۔ اقتدار میں رہنے کے لیے پی ڈی پی۔ بی جے پی کی ہر سیاسی۔ آئینی اور تہذیبی جارحیت کو کھلے بندوں برداشت کر رہی ہے۔ عجب تماشہ ہے یہاں مزاحمتی خیمہ اگر "خیالات کی لڑائی" پرامن طریقے سے اور جمہوری اور آئینی حدود میں رہ کر بھی لڑیں تو بھی نظر بندی اور جیل کی سلاخیں اور دیگر زیادتیں ان کا مقدر لیکن اس بے رحمی کے ساتھ آئین کا مذاق خود حکومت کی حلیف جماعت اڑائے اور قانون حرکت میں نہ آئے؟؟

کشمیر میں 13 رجولائی ہر سال سرکاری سطح پر "یوم شہداء" کے طور پر منایا جاتا ہے۔ 1931ء میں اس روز مہاراجہ ہری سنگھ کی فوجوں کی طرف سے معصوم نہتے لوگوں پر گولیاں چلانے کے نتیجے میں 21 کشمیری شہید ہوئے۔ اسی دن سے ڈوگرہ استبداد کے

خلاف عوامی مزاحمتی تحریک پھوٹ پڑی۔ یہ تحریک ڈوگرہ مہاراجہ کے مذہب کے خلاف نہ تھی، بلکہ اس کے مطلق العنانیت اور ظلم وجبر اور فرقہ پرستی کے خلاف تھی۔ یہ میثاق امرتسر (1846ء) کے اس شرمناک معاہدے کے خلاف تھی جس کی وجہ سے پوری کشمیری قوم کی تقدیر ایک مطلق العنان راجہ اور اس کے وارثوں کے ہاتھ میں دی گئی۔ ان کی جان ومال اور املاک، عزت وناموس، سب ایک ڈوگرہ راجہ کے لیے مباح قرار پائی۔ جموں کشمیر کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ ایک برسرِ اقتدار پارٹی نے یوم شہداء کے حوالے سے منعقد کیے جانے والی تقریب میں حصہ لینے سے انکار کیا۔ بی جے پی لیڈر رویندر رینا بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہتے ہیں "13 رجولائی کشمیر کی تاریخ میں ایک سیاہ دن ہے جب چند بدمعاشوں (goons) نے ہری سنگھ کی حکومت کے خلاف بغاوت کی۔ ہم اسے یوم سیاہ کے طور پر مناتے ہیں نہ کہ یوم شہداء کے طور پر۔ ہم حکومت سے کہتے ہیں کہ وہ اس روز سرکاری تعطیلات کے اعلان کو منسوخ کرے[7]۔" ان ہی باتوں کا اظہار بی جے پی کے ریاستی نائب صدر اور کشمیر امور کے انچارج رمیش اروڑا نے کیا۔ انہوں نے ہری سنگھ کو "جائز حکمران" (Genuine Ruler) کہا جس کے خلاف یہ لوگ مظاہرہ کر رہے تھے۔

13 رجولائی کو جو لوگ شہید ہوئے وہ ہماری قوم کے ہیرو تھے۔ اول تو ان کی یاد میں منعقدہ تقریب میں حکومت کی ایک حلیف جماعت کی عدم شمولیت شہداء کے تئیں توہین کرنے کے مترادف ہے، دوسرے پھر جب اقتدار میں رہنے والی جماعت ان کے پاکیزہ لہو کی توہین کر کے ان کو "باغی، مجرم اور اوباش" قرار دے تو اس کا صاف مطلب ہے بھاجپا ظالم اور سفاک ڈوگرہ راج کی دلدادہ ہے اور محض مہاراجہ کے ہندو مذہب سے تعلق رکھنے پر اس کے خاندانی اور جاگیردارانہ نظام اور مسلم اکثریتی طبقے کے بنیادی انسانی حقوق چھیننے کی اس قدر حامی اور حمایتی ہے۔ صاف واضح ہو رہا ہے کہ اکیسویں صدی میں بھی بھاجپا نہ صرف فسطائی ذہنیت رکھتی ہے، بلکہ اقلیتی افراد کی آمریت اور سفاکیت کا احیا چاہتی

ہے۔ اس قسم کے گستاخانہ رویہ پر بھی پی ڈی پی خاموش رہی۔ اسے محض ''نامناسب''(Inappropriate) حرکت کہہ کر پی ڈی پی نے ایک بار پھر باور کرایا کہ بی جے پی چاہے آئین، ریاستی جھنڈے اور شہداء کا مذاق اڑائے اور اس کی توہین کرے، اقتدار میں رہنے کے لیے پی ڈی پی کو یہ سب کچھ گوارا ہے۔ یوم شہداء کی سرکاری تقریب ایک اسٹیٹ ایونٹ(State event) تھا نہ کہ پارٹی ایونٹ(Party Event)اور 13 رجولائی ایک اسٹیٹ ہالی ڈے ہے۔ فرقہ پرست بی جے پی نے دکھایا کہ وہ گلاب سنگھ سے ہری سنگھ تک کے دورِ حکومت کے غلبہ کی خواہاں ہے اور اس جماعت سے ہاتھ ملا کر مفتی سعید نے اس عوامی تحریک کے اخلاقی اور نظریاتی اساس سے دغا کی جو ڈوگرہ ظلم و بربریت کے خلاف برپا ہوئی تھی۔

26 رمارچ 2014ء کو ہیرانگر میں پبلک ریلی سے خطاب کرتے ہوئے بھارت کے وزیر اعظم نریندر مودی نے شرنارتھیوں کے بارے میں سنگھ پریوار کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ہم این سی اور کانگریس کی طرح نہیں جو اس بارے میں جھوٹے وعدے کرتے رہیں۔ انہوں نے کہا شرنارتھی کئی عشروں سے جموں میں رہ رہے ہیں لیکن اب بھی وہ اپنے بنیادی حقوق حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔''ہم ان کے مسائل حل کریں گے جو کانگریس اور این سی نے 40 سال میں حل نہ کیے۔''انہوں نے کہا''بھارت میں بنگلہ دیش کے لوگ شہریت حاصل کیے ہوئے ہیں لیکن جو لوگ گھربار چھوڑ کر 1947ء میں یہاں آئے انہیں اب بھی جائز مقام نہیں دیا گیا۔''

آر ایس ایس لیڈر اندریش کمار نے 7 رنومبر 2014ء کو دلی میں ایک کتاب کی رسم رونمائی کے دوران کہا کہ آئندہ آنے والا اسمبلی الیکشن ایک موقعہ فراہم کرتا ہے کہ ہم ''کھوئے ہوئے کشمیر کو پھر سے حاصل کریں''۔[8] (to get back lost

کمار نے یہ بھی کہا وقت آیا ہے کہ کشمیر کے لوگ ''ہندوستانی بن جائیں'' (get Kashmir Indianisation)[9]۔ تقریب میں شامل ایک اور آر ایس ایس لیڈر رہبر امنیم سوامی نے ریاست میں مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کے گھناؤنے عزائم کا خلاصہ دیتے ہوئے اور اسٹریٹجی بتاتے ہوئے کہا ''ہمیں سابقہ فوجیوں کو وادی میں بسانا چاہیے تاکہ ان کے ذریعے پنڈتوں کی کشمیر واپسی کے لیے سازگار ماحول تیار کیا جاسکے''[10]۔

23 اکتوبر کو مودی جی دیوالی ''منانے'' کے لیے کشمیر آئے۔ عیدالاضحی کا متبرک دن اسی تاریخ کو تھا۔ مودی فوج اور فورسز کے ساتھ دیوالی منا رہے تھے لیکن لالچوک سرینگر میں کرفیو لگایا گیا۔ لبریشن فرنٹ چیرمین نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''مسلم میجارٹی کشمیر پر ہندوتوا ایجنڈے کو مسلط کرنے کی یہ ایک کوشش ہے''[10]۔

چناؤ منشور (Vision Document)، پارلیمانی سفارشات، ''گھر واپسی'' اور ''بہولاؤ، بیٹی بچاؤ'' جیسے جارحانہ اور کمیونل پروگرام وغیرہ، یہ سب آر ایس ایس سوچ کے نقیب ہیں۔ ان تمام چیزوں کا ایک ہی ہدف ہے کشمیر کی مسلم اکثریت۔ بھاجپا اپنی اکثریت کے زور پر اقتدار میں آتی اور اپنے زہرناک منصوبوں کو عملانے کی کوششوں میں مصروف رہتی تو یہ ایک الگ کہانی قرار دی جاسکتی۔ آخر سانپ کی فطرت ہی ڈسنے کی ہے، لیکن اگر ''ریجنل اسپیریشن'' (regional aspirations) کی ترجمانی کی دعویدار جماعت آر ایس ایس کے اس مکروہ ایجنڈے کو پورا کرانے کے لیے دست تعاون دے تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ اقتدار کی لیلیٰ نے مفتی سعید کو بڑی بے رحمی کے ساتھ اپنی زلفوں کا اسیر بنا رکھا ہے۔ ''محبوبہ'' کے تئیں ''سچی محبت'' دکھانے اور ثابت کرنے کے لیے وہ اس کا ہر مطالبہ پورا کرتا جارہا ہے۔ اپنی ''دھرتی ماں'' کے سینے سے دل نکال کر اسے لیلیٰ کے چرنوں میں ڈالنے کا جنون لیے ہوئے ہے۔

سنگھ پریوار اور بی جے پی نے پریوار اور حکومتی سطح پر کشمیر میں ڈیموگریفک انجینئرنگ کے لیے خاکے تیار کر رکھے ہیں، اقتدار میں اپنے ساتھ ملا کر اب وہ پی ڈی پی قیادت کے ہاتھوں ان خاکوں میں اپنی مرضی کے رنگ بھرنا چاہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں اقتدار کے لیے یہ لوگ اپنی قوم اور اس کے مستقبل کو بیچ کھانے پر ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ ہوس کی اس چتا میں لوگوں سے کیے گئے وعدے اور حاصل کیا گیا منڈیٹ جلے تو جلے، اس کی ان کو پروا نہیں۔ الیکشن نتائج سامنے آنے کے بعد دھیرے دھیرے یہ حقیقت واضح ہوتی چلی گئی کہ پی ڈی پی فرقہ پرست جماعت بی جے پی کے ساتھ حکومت بنانا ہی نہیں چاہتی، بلکہ اقتدار کی سلامتی کے لیے ناگپورا یجنڈے کو بھی پورا کرنے کی راہ پر گامزن ہے۔ پارلیمانی کمیٹی کی سفارشات کو مودی سرکار کی طرف سے من وعن تسلیم کرنے پر پوری وادئ کشمیر اور مسلم اکثریتی جموں علاقے سخت برہم تھے اور حکومت کو خبردار کر رہے تھے کہ اس کے نفاذ کو کسی صورت میں کشمیری عوام قبول نہیں کریں اور اس کے سنگین نتائج نکلیں گے، لیکن پی ڈی پی دوسری طرف ان سازشوں سے خود کو جوڑتی جا رہی تھی۔ مظفر حسین بیگ، پی ڈی پی کے سینئر لیڈر اور ممبر پارلیمنٹ ہیں۔ 31 ر جنوری 2015ء کو انہوں نے گریٹر کشمیر کے ساتھ ایک تفصیلی انٹرویو میں شرنارتھیوں کے بارے میں جو باتیں کہیں ان سے صاف لگ رہا تھا ان کا ''شدھی کرن'' کیا گیا ہے اور اب ''گھر واپسی'' کے لیے کشمیری عوام کو ''دعوت'' دے رہے ہیں اور اپنا ''اخلاص'' دکھانے کے لیے قرآن اور سنت کا حوالہ دینے سے بھی وہ گریز نہیں کر رہے تھے۔

انہوں نے کہا ''مغربی پاکستان کے رفیوجیوں (شرنارتھیوں) کی سیٹلمنٹ ایک انسانی مسئلہ ہے اور اسے انسانی بنیادوں پر ہی حل کرنا چاہیے''۔ انہوں نے کہا ''اگر پاکستان ان رفیوجیوں کو شہریت دینے پر تیار ہوتا ہے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں۔ لیکن لگتا ہے کہ یہ ناممکن

ہے۔ اس لیے ان حالات میں کوئی درمیانی راستہ نکالنا ہوگا جو ریاست کے آئین، بین الاقوامی قوانین اور حقوق انسانی سے مطابقت رکھتا ہو"۔ انہوں نے مودی کے ہیرانگر ریلی میں اس ایشو پر اٹھائے گئے نکات کو اپنے قلب و ذہن کا راستہ دکھاتے ہوئے کہا "انڈیا میں بہت سارے بنگلہ دیشی رہتے ہیں، اسی طرح امریکہ میں بھی بہت سارے مسلمان آباد ہیں۔ کیا ان کو ٹھوکر مار کر ملک بدر کیا جانا چاہیے"؟ برما میں روہنگیہ مسلمانوں کی نسلی صفائی پر مسلمانوں کے غم و اندوہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا "کیوں ہمارے دل مجروح ہوئے جب برما میں مسلمانوں کا قتل کیا گیا؟" نائن الیون پر کہا "آخر امریکی حکومت نے مسلمانوں کو ملک چھوڑنے کو کیوں نہ کہا؟" پھر خود کو جید عالم دین کے مرتبے پر فائز کرتے ہوئے فتویٰ صادر کیا "بحیثیت مسلمان ہمیں یہ ذہن نشین کرنا چاہیے کہ اس بارے میں قرآن اور سنت کیا کہتے ہیں۔ ہمارے عقیدے کے مطابق خدا کہتا ہے کہ تمام ابنائے آدم کو خدا کی زمین دی گئی ہے۔ اس میں شہریت (Citizenship) کا کہیں ذکر نہیں۔ اسلام میں عرب و عجم کی بات کہی گئی ہے، اس لیے کون عرب ہے، کون عجم، اسلام میں سب برابر ہیں"۔[12]

غور طلب بات یہ ہے کہ مظفر بیگ کا مذکورہ انٹرویو بی جے پی کے اس بیان کے صرف ایک روز بعد شائع ہوا جس میں کہا گیا کہ "مغربی پاکستان کے رفیوجیوں (WPRs) کی آبادکاری کے مسئلہ کو انسانی بنیادوں پر حل کیا جانا چاہیے"۔

"انسانی مسئلہ انسانی بنیادوں پر حل"!! اسی لیے تو یہ غیر ملکی گزشتہ چھ دہائیوں سے ریاست میں رہ رہے ہیں۔ کشمیریوں نے ان کو ریاست سے بدر کرنے کی کوئی تحریک نہیں چلائی، بلکہ یہ ان بہت ساری سہولیات سے مستفید ہو رہے ہیں جو ریاست 1947ء سے انسانی بنیادوں پر ان کو دیتی آئی ہے۔ امریکہ یورپ یا دوسرے ملکوں میں اپنے آبائی وطن چھوڑ کر آنے والے رفیوجیوں کو رفیوجی ہی ٹریٹ کیا جاتا ہے اور حالات میں بہتری آنے پر

ان کو اپنے اپنے ملکوں میں بھیجا جاتا ہے۔ یہاں صرف مغربی پاکستان سے آئے ہوئے رفیوجیوں کو ریاستی شہریت حاصل نہیں، اس لیے کہ وہ اس ریاست کے پشتنی باشندے نہیں۔آزاد کشمیر (پاکستان زیرِ انتظام کشمیر) کے رفیوجیوں کو غیر منقسم ریاست کا پشتنی باشندہ ہونے کی بنا پر ریاستی شہریت بھی حاصل ہے، حالانکہ وہ بھی مغربی پاکستان کے رفیوجیوں کی طرح غیر مسلم ہیں۔اس لیے فرقہ پرستی کی عینک سے اس مسئلہ کو دیکھنے کا سوال ہی نہیں۔ مسلم دینی محاذ کے صدر ڈاکٹر قاسم نے اپنے ایک بیان (گریٹر کشمیر 9 ر جنوری 2015ء) میں کہا کہ ”1947ء سے 2012ء تک پانچ لاکھ مستقل شہریت نہ رکھنے والے لوگ (Non-State Subject) ریاست میں آباد ہوئے ہیں اور جن کو مستقل شہریت کے حقوق دیے گئے ہیں۔ان میں سے اکثر پنجاب اور بھارت کی شمالی ریاستوں سے تعلق رکھتے ہیں“۔ بیگ جس ’درمیانی راستہ‘ کی بات کرتے ہیں وہ وہی ”درمیانی راستہ“ ہے جو آر ایس ایس کا تجویز کردہ ہے اور جسے وَن ٹائم بینیفیٹ (one time benefit) کہہ کر مشتہر کیا جاتا ہے، یعنی بس ایک بار مستقل شہریت کے قانون میں ذرا شگاف ڈالو اور یوں لاکھوں غیر ریاستی باشندوں کے ذریعے ریاست میں مسلم آبادی کا تناسب بگاڑ کر خود کو فلسطین کی سطح پر دھکیل دو۔

بیگ صاحب سے پوچھا جا سکتا ہے جس قرآن اور سنت کا آپ ذکر کرتے ہیں اس کے احکامات اور ہدایات کو آپ اپنی پسند کی تعبیر کا پوشاک نہیں پہنا سکتے۔ دوئم آپ Selectively اس کو نہیں لے سکتے۔ اسلام عرب وعجم، رنگ ونسل، زبان، قومیت، جغرافیہ سے بالاتر ہو کر جس ورلڈ آڈر کی بات کرتا ہے اس کی بنیاد ہی ”اَلْاَرْضُ لِلّٰہِ وَالْحُکْمُ لِلّٰہِ“ (زمین اللہ کی اور اس پر اللہ کا قانون ہی چلے گا) ہے۔اس اساس پر ریاست کی تشکیل ہو تب شہریت وغیرہ کی کوئی اہمیت نہیں۔ پھر جس پارٹی سے آپ تعلق

رکھتے ہیں اس کو اسلام کی ہوا تک بھی لگنی نہیں چاہیے۔ وہ سیکولرازم کے پجاری ہونے کے ناطے اسلام کے اصولوں کو رجعت پرست کہتی ہے۔ اس لیے آپ جیسے لوگوں کو زیب نہیں دیتا کہ آر ایس ایس کو خوش کرنے کے لیے قرآن اور شریعت کا اس بے رحمی کے ساتھ استحصال کریں اور ہاں فرصت ملے تو قرآن اور شریعت سے پوچھ لیں کہ ظالم اور مظلوم، جارح اور محکوم، حق اور باطل، جھوٹ اور سچ کے مابین فرق کیا ہے؟ یہ فرق واضح ہو جائے تب ہی ''ہر ملک ملکِ مااست کہ ملک خدائے ماست'' کے ارتقائی مرحلے پر انسانی ہاتھوں سے کھینچی گئی سرحدوں کا ''تقدس'' اور ان کے لیے لڑنے مٹنے کا جنون بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ تب تک ہم پر واجب ہے کہ ہم ہر اس سازش کو ناکام بنائیں جو ہماری عددی برتری کو ختم کرنے کے سلسلے میں کی جارہی ہے تاکہ ہمارا ملی اور دینی تشخص برقرار رہ سکے اور ہاں یہ بھی یاد رہے آپ جس اسلام کو ہمارے لیے ہادی اور راہنما بنانے کی تاکید کرتے ہیں وہ حاکمانہ اختیارات کی شان وشوکت اور تمکن رکھتا ہے، مگر محکومیت کی حالت میں آپ ہم سے اس کے قوتِ نافذہ کے تقاضے کریں کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ سعودی عرب میں اس وقت لاکھوں غیر مسلم روزگار کے تلاش میں محنت مزدوری کرتے ہیں۔ لیکن وہاں کے حکمران اس پوزیشن میں ہیں کہ جب بھی وہ محسوس کریں ان کی ثقافت، روایات، دینی عقائد، اسلامی تشخص اور آبادی کو ان سے خطرہ ہے تو ایک ہفتے کی نوٹس پر ان کو بدر کر سکتے ہیں، حتیٰ کہ مسلم ملکوں سے آئے ہوئے لاکھوں لوگوں کو بھی اس صورت میں برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ محکوم کشمیری اس پوزیشن میں ہے ہی نہیں کہ بیرون ریاست لوگوں کو اپنی زمینوں سے بے دخل کریں جب مستقل شہریت کی دیوار کو منہدم کر کے یہ ریلا سیلاب کی مانند ہماری طرف بڑھے۔

8 رابریل کو کشمیریوں پر یہ خبر بجلی بن کر ٹوٹ پڑی جب بھارت کے وزیر داخلہ

راجناتھ سنگھ کا دیا ہوا بیان اخبارات میں شائع ہوا۔ سنگھ نے اپنے بیان میں کہا کہ انہوں نے ریاست کے وزیر اعلیٰ مفتی سعید سے کہا ہے کہ وہ ''مرکز'' کو کشمیری پنڈتوں کے لیے الگ بستیاں بسانے کے لیے زمین فراہم کریں۔ ان الگ بستیوں کو ''کمپوزیٹ ٹاؤن شپ'' (Composite Township) کا نام دیا گیا۔ راجناتھ نے کہا کہ اس بارے میں انہوں نے آج (7 / اپریل) وزیر اعلیٰ مفتی سعید سے اس پر طویل بات چیت کی جو آج ان سے ملنے آئے تھے۔ پریس انفارمیشن بیورو کی طرف سے جاری کیے گئے ہینڈ آوٹ میں کہا گیا ''وزیر اعلیٰ نے یونین ہوم منسٹر کو یقین دلایا کہ ان کی حکومت اس کے لیے وادی میں جلد ہی زمین حاصل کر کے (مرکز کو) فراہم کرے گی''۔

> "The chief minister assured the Union Home Minister that government will acquire and provide that land in the valley at the earlier."[13]

اس میٹنگ اور پھر وزیر اعلیٰ مفتی صاحب کی طرف سے کرائی گئی ''یقین دہانی'' سے ''دو قطبین کے ملن'' اور ''کشمیریوں کو بھارت کے ساتھ انٹیگریٹ کرنے کے مقصد'' کی واضح تصویر سامنے آتی ہے۔ اس تصویر میں اس بھیانک صبح کی تمہید لکھ دی گئی جب آنے والی ہماری نسلیں اپنی نسبت ہم سے جوڑنے میں شرم محسوس کریں گے اور ہماری قبروں پر چڑھ کر ہمیں بددعائیں کریں گے۔ ''انڈین ہائی کنویکشن'' اپنے عقیدے اور سوچ کے مطابق یہ سب کچھ کر رہا تھا اس لیے کہ اسے اس مقصد کے حصول کے لیے اقتدار کے سنگھاسن پر بٹھایا گیا تھا۔ بی جے پی نے این سی (جو پہلے ناگپور استھانے پر نظر کرم کرنے کی التجاؤں کے ساتھ ماتھا ٹیکے ہوئے تھی) پر پی ڈی پی کو جو ترجیح دی وہ اس

لیے تھی کہ اسے یقین ہو چلا تھا کہ مفتی خانوادہ جس ایجنڈے کو خاموشی اور سنجیدگی کے ساتھ اپنے ایمان کا جز بنائے ہوئے تھا، عبداللہ فیملی ذرا منہ کھول کر اور کم احتیاط برت کر اسی ہدف کی طرف گامزن ہوگا۔ پی ڈی پی کی صراحی میں جیسا کچھ اور جو کچھ تھا، قطرہ قطرہ باہر آرہا تھا۔ چہرے سے اسی عبارت کو صاف پڑھا جارہا تھا جس کے ڈکٹیشن ناگپور سے دیے جارہے تھے۔ آنکھوں سے جس غضب کی وفاداری پھوٹ رہی تھی، آقا سر ہلا کر اس پر شرادھان جلی پیش کیے جارہا تھا۔ ''فرزندِ خاک وطن'' اپنی دھرتی کے احسانات (عددی برتری) کا کیا ہی قرض ادا کر رہا تھا!

مفتی سعید نے اگرچہ دو ہفتے قبل جموں میں پنڈتوں کے بارے میں کہا تھا کہ جس طرح وہ جموں میں بستیاں (Townships) تعمیر کرتے ہیں اسی طرح وہ کشمیر آکر اسی طرح کی بستیوں میں رہ سکتے ہیں۔ لیکن یہاں چونکہ الگ بستیوں کے قیام کا ذکر نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی بھارت سرکار کی طرف سے ''مرکز'' کو زمین فراہم کرنے کی بات کہی گئی تھی اس لیے کشمیریوں نے اس پر مخالفانہ ردِ عمل نہیں دکھایا۔ وہ سمجھ رہے تھے جیسے جموں میں، بنگلور، دہلی وغیرہ میں وہ دوسرے فرقوں کے ساتھ رہ رہے ہیں اسی طرح وہ کشمیر میں آکر مسلم ہمسایوں کے ساتھ مخلوط بستیوں میں رہیں گے، لیکن پھر دو ہفتے بعد راجناتھ سنگھ کے بیان اور مفتی صاحب کی ''یقین دہانی'' سے انہیں کمپوزیٹ ٹاؤن شپ کی حقیقت معلوم ہوئی۔

مزاحمتی خیمے کی طرف سے اس پر سخت اور شدید ردِ عمل ہوا۔ اس کی اپیل پر اگلے روز جمعۃ المبارک کو پرامن مظاہروں اور 11 اپریل کو مکمل ہڑتال اور بند کی اپیل کی گئی۔ حریت کانفرنس، بار ایسوسی ایشن، سول سوسائٹی، سرکاری ملازمین اور کاروباری اداروں کی تنظیموں نے کمپوزیٹ ٹاؤن شپ کو کشمیر کو دوسرا فلسطین بنانے کی سازش سے تعبیر کیا اور اعلان کیا کہ آر ایس ایس کے اس منصوبے کو جسے پی ڈی پی کی حمایت حاصل ہے، کسی

صورت میں کامیاب نہیں ہونے دیا جائے گا۔عوام اور قائدین نے اس امر کو واضح کیا کہ کشمیری پنڈت ہمارے سماج، ثقافت اور کلچر کا حصہ ہیں اور انہیں کشمیر میں رہنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا کہ مسلمانوں کو۔لیکن بی جے پی آر ایس ایس کا منصوبہ لے کر یہاں نفرت کی دیواریں کھڑا کرنا چاہتی ہے تاکہ کشمیر مذہبی بنیادوں پر تقسیم ہو۔انہوں نے پنڈتوں سے پھر اپیل کی کہ وہ فرقہ پرستوں کے بہکاوے میں نہ آئیں اور واپس آ کر مسلم بھائیوں کے ساتھ اپنے آبائی گھروں اور محلوں میں رہیں، مسلمان پہلے کی طرح آج بھی ان کے خیر خواہ ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ 11/اپریل کے بند اور مظاہروں میں مقامی پنڈتوں کے کئی لوگوں نے بھی شرکت کی۔انہوں نے میڈیا کے نمائندوں سے بتایا کہ ''مسلم اکثریتی کمیونٹی ہی ان کو تحفظ اور سیکورٹی فراہم کر سکتی ہے۔علیحدہ کالونیوں کی کوئی ضرورت نہیں، اس سے صرف دوریاں ہی بڑھیں گی اور بعض سیاست دانوں کی سیاست ہی چمکے گی''[14]۔سکھ کمیونٹی نے بھی مسلم بھائیوں کے ساتھ مظاہروں میں شرکت کی۔

زبردست عوامی اشتعال اور برہمی سے مفتی سعید گھبرانے لگے اور انہوں نے نئی وضاحتیں پیش کیں۔انہوں نے کہا ''یہ قصبے (township) مخصوص نہیں بلکہ مخلوط ہوں گے جہاں صرف پنڈت ہی نہیں، بلکہ ہر کوئی رہ سکتا ہے۔اس کے پیچھے مقصد صرف یہ ہے کہ پنڈتوں کی باعزت واپسی ہو''۔

"Those townships are nothing like exclusive settlements, but inclusive ones where anyone can reside, not just Kashmiri pandits... The entire idea is to ensure dignified return of Kashmiri

Pandits."[16]

مفتی سعید نے دوسرے ہی روز ریاستی اسمبلی میں کھڑے ہو کر پھر وضاحت کی کہ ''حکومت کے پاس پنڈتوں کے لیے علیحدہ ہوم لینڈ قائم کرنے کا کوئی منصوبہ نہیں۔ مائیگرنٹ کمیونٹی (پنڈتوں) کے لیے علیحدہ کالونیوں کی افواہیں بے بنیاد ہیں۔کوئی اسرائیلی طرز کی کالونیاں پنڈتوں کے لیے نہیں بنانی ہیں۔انہیں اپنے مسلم بھائیوں کے ساتھ شانہ بشانہ رہنا ہوگا۔وہ سیکولر کشمیر میں واپس آئیں گے۔ہم جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں اٹھائیں گے۔مسئلہ کے تمام فریقوں (Stake Holders) کے ساتھ پنڈتوں کی واپسی پر بات چیت کرنا ہوگی۔''[16] لیکن حکومت میں شامل پی ڈی پی کی اتحادی جماعت بی جے پی نے مفتی سعید کی طرف سے دئے گئے تازہ بیانات اور وضاحتوں پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''بی جے پی تنظیمی سطح پر (officialy) کشمیری پنڈتوں کے علیحدہ وطن (Seperate Homeland) اور مکمل سیکورٹی کی حامی ہے''۔[17]

اسی روز راجناتھ سنگھ نے مفتی سعید کے تازہ بیان کے برعکس پھر یہ واضح کیا کہ ''مائیگرینٹ پنڈتوں کی باز آبادکاری کے سلسلے میں علیحدہ بستیوں کے قائم کرنے کا جو منصوبہ مرتب کیا گیا ہے اس میں تبدیلی لانے یا پیچھے ہٹنے کا سوال ہی نہیں۔میں تفصیل میں جانا نہیں چاہتا ہوں تاہم اتنا ضرور کہوں مرکزی سرکار نے اس سلسلے میں جو بھی فیصلہ لیا ہے وہ برقرار رہے گا۔اس معاملے پر ریاست کے وزیر اعلیٰ سے خوش آئند بات ہوئی ہے''۔[18]

کشمیری عوام کے شدید ردعمل سے اگرچہ مفتی سعید اور پی ڈی پی کے ارادوں میں لکنت پیدا ہونا شروع ہوئی اور وہ وضاحتی بیانات سے یہ باور کرانے لگے کہ ''علیحدہ'' یا ''اسرائیلی طرز'' کی کالونیوں کا بنانے کا کوئی ارادہ نہیں، لیکن ان کی دلوں کی دھڑکنیں اعلان کر رہی تھیں کہ دل ان کی زبان کے رفیق نہیں۔ پہلے ان لوگوں نے مخصوص کالونیوں کے

قیام پر اتفاق کیا، پھر کہا یہ کالونیاں مخصوص نہیں، بلکہ مخلوط ہوں گیں اور ان میں پنڈتوں کے علاوہ وہ لوگ بھی رہائش پذیر ہوں گے جو 1990ء میں کشمیر چھوڑ کر چلے گئے اور اب ایک اور پینترا بدل کر مفتی سعید نے کہا وہ "سمارٹ سٹی" بنانے کے منصوبے پر کام کر رہے ہیں۔ بہرکیف پی ڈی پی اور اس کے لیڈر کا کالونیوں کے بارے میں اسٹینڈ کشمیری عوام کے خدشات کو دُور کرنے کے بجائے دلی کی بھاجپا سرکار کے عزائم کی تکمیل کا آئینہ دار معلوم ہوتا ہے۔ 11 رفروری کو کمپوزیٹ کالونیوں کے مجوزہ قیام پر فقید المثال بند سے واضح ہوا کہ کشمیری عوام کسی صورت میں دلی کے اس منصوبے کو قبول کرنے والے نہیں، لیکن بجائے اس کے عوامی خواہشات کا احترام کیا جاتا، جو اس ہڑتال سے پوری طرح واضح ہوا، مفتی صاحب نے ہڑتال کو "معمولی شور اور شغف" قرار دیا جو اُن لوگوں کی عادت ہے جو حکومت کے کام کاج میں رخنا ڈالنا چاہتے ہیں" اور "ہم ان معمولی قسم کے مشکلات (Hicups) سے ڈرنے والے نہیں ہیں"۔

> "I was not afraid of small hue and cry because it is habit of some elements to hamper functioning of the government. We will not fear small hicups..."[19]

مسلمانانِ کشمیر ایک طرف اپنی مسلم شناخت، مذہب اور کلچر اور زمین کو بچانے کی کٹھن جدوجہد میں مصروف ہیں اور اس سلسلے میں ہر قسم کی سختیاں اور مشکلات برداشت کر رہے ہیں لیکن دوسری طرف مفتی سعید چناوی وعدوں کو فراموش کر کے کشمیریوں کے مفادات سے کھیل رہے ہیں اور ان کی اس جدوجہد کو "معمولی شور" کہہ کر تضحیک کرتے ہیں۔ دوسری طرف بھارت کے وزیر داخلہ بار بار کہہ رہے ہیں کہ پنڈتوں کے لیے علیحدہ کالونیاں

بنانے کے منصوبے میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ کشمیر میں ان کالونیوں پر زبردست احتجاج کے باوجود بھی راجناتھ سنگھ اپنے ان ہی ارادوں کو ظاہر کر رہے ہیں اور لطف یہ ہے ان بیانات پر مفتی سعید نے ہر بار خاموشی کا رد عمل دکھا کر اپنی وفاداری کا سگنل دربار کے حضور بھیجا۔

جموں میں اپنی پارٹی سے خطاب کرتے ہوئے راجناتھ نے 27 مئی 2015ء کو کہا ''ہماری حکومت پنڈتوں کی وادی میں بسانے کے منصوبے کو پورا کرنے کے عزم پر قائم ہے۔ اس سلسلے میں وزیر اعلیٰ مفتی سعید سے کہا گیا ہے کہ وہ زمین فراہم کرے۔ وزیر اعلیٰ نے یقین دلایا کہ ریاستی سرکار اولین فرصت میں زمین کی نشاندہی کرے گی اور فراہم کرے گی۔ دلی اور سرینگر میں ہماری سرکاریں اس مقصد کو پورا کر کے ہی رہیں گی۔ اس کے لیے پہلے ہی سے ایک پراسیس (Process) شراوع کیا گیا ہے.... حکومت ہندوستان نے یہ تہیہ کیا ہے کہ وہ رفیوجیوں کے مسئلہ کو حل کرے گی اور ان کی ''ایک وقتی باز آبادکاری'' (one-time settlement) کا منصوبہ ہمارے زیرِ غور ہے''۔[20]

نیشنل کانفرنس نے اپنی منافقت کی روش برقرار رکھتے ہوئے ''ویٹ اینڈ واچ'' کی پالیسی پر عمل کر کے پہلے کشمیری عوام کے ردِ عمل کا انتظار کیا اور جب محسوس ہوا اس کی خاموشی کا مطلب جارحانہ عزائم کی تائید سمجھا جائے گا تو میڈیا اور عمر عبداللہ کے ٹویٹر سے بیانات داغنے شروع کیے، لیکن اسمبلی کے ایوان میں ان کے گلے بیٹھ گئے۔

''مخصوص'' یا ''مخلوط'' قصبے ہوں، علیحدہ کالونیاں ہوں، ''سمارٹ سٹیز'' (Smart Cities) ہوں، یا ''ہوم لینڈ'' یہ تمام اصطلاحیں اسرائیلی طرز کی بستیوں (Settlements) کے قیام کا نقطۂ آغاز ہے اور اگر کشمیریوں نے اس وقت اپنی ذمہ داریاں محسوس نہ کیں اور ہوش کے ناخن نہ لیے تو فلسطین میں جس طرح یہودی آبادکاروں

نے فلسطینیوں کو اپنی زمینوں سے بے دخل کر کے انہیں جہنم کے انگاروں پر لٹا دیا، بالکل یہاں بھی یہی حشر کشمیریوں کا ہوگا۔

بی جے پی جیسا کہ پہلے لکھا ان کالونیوں کو پنڈتوں کے لیے ''علیحدہ ہوم لینڈ'' سے تعبیر کرتی ہے۔ علیحدہ ہوم لینڈ ''پنن کشمیر'' نامی ایک کٹر فرقہ پرست تنظیم کا سلوگن ہے اور یہ تنظیم سنگھ پریوار کی پروردہ ہے۔ دسمبر 1991ء میں جموں میں ''پنن کشمیر'' نے ''مارگ درشن'' کے کنونشن (Convention) میں ایک ''تاریخی قرارداد'' پاس کر کے ہوم لینڈ (Home Land) کا مطالبہ کیا۔ پنڈتوں کے تقریباً ایک ہزار کے ڈیلی گیٹ نے، جو کشمیر چھوڑ کر آئے تھے، اس قرارداد کو منظور کیا۔ قرارداد میں کہا گیا۔

☆ ''یہ ہوم لینڈ وادی کے ان علاقوں پر مشتمل ہوگا جو دریائے جہلم کے مشرق اور شمال میں واقع ہیں۔''

☆ اس ہوم لینڈ میں بھارت کا آئین مکمل طور نافذ ہوگا تا کہ زندہ رہنے اور آزادانہ نقل وحرکت، اظہار اور عقیدے کی آزادی، مساوات اور قانون کی حکمرانی کے حق کو یقینی بنایا جاسکے۔

☆ اس ہوم لینڈ کو مرکزی حکومت کی عمل داری میں دے کر مرکز کا زیرِ انتظام اسٹیٹس (Union Territory Status) دیا جائے۔

☆ وہ تمام سات لاکھ کشمیری ہندو، جن میں وہ لوگ شامل ہیں جنہیں ماضی میں کشمیر سے نکالا گیا اور اب اپنے ہوم لینڈ میں واپس آنا چاہتے ہیں اور جو کشمیر میں تشدد کی وجہ سے مہاجرت کر گئے، ان سب کو مساویانہ حیثیت میں عزت اور وقار کے ساتھ اپنے ہوم لینڈ میں بسایا جائے۔

نقشہ اٹھا کر دیکھئے اور جہلم کے شمال اور مشرق میں پھیلے ہوئے علاقوں کو دیکھئے،

آپ کو معلوم ہوگا دو فیصد آبادی پر مشتمل کشمیری پنڈت پچاس فیصد سے زائد علاقہ پر اپنا الگ وطن تعمیر کرنا چاہتے ہیں، جبکہ 98 فیصد کی مسلم اکثریت کو پچاس فیصد سے کم زمین میں محدود کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ برابر وہی منصوبہ ہے جو صہیونیوں نے فلسطین کی غالب مسلم اکثریت کو 82 فیصد کی اپنی ملکیتی زمین سے محروم کر کے غزہ اور مغربی اردن کے علاقوں میں سمٹ کر رکھ دیا۔ یہ سٹلمنٹ ایک بار قائم ہوئے تو ان کو پھیلنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ یہ یہودی طرز کی آبادیوں (Enclaves) پر بنیں گے اور بالکل صہیونی فوج کی طرح بھارت کی فوج ان کی محافظ ہوگی۔ ان کے بننے سے نہ ہماری املاک اور جائدادیں اور زمین محفوظ رہیں گے اور نہ ہی ہماری زندگیاں۔ پنڈتوں کے نام پر بھارت سے غیر ریاستی ہندوؤں کا ایک سیلاب امنڈ آئے گا جو علیحدہ کالونیوں میں رہیں گے اسی طرح جس طرح صہیونیوں نے روس، امریکہ، یورپ اور دوسری جگہوں سے یہودیوں کو لا کر فلسطین میں بسا کر آبادی کے تناسب کو بگاڑ دیا۔

جس ہوم لینڈ کا مطالبہ کیا جاتا ہے وہ وادی کی تقسیم پر منتج ہوگا اور یہ کشمیر کی متنازعہ حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اقوام متحدہ کی قراردادوں کے منافی ہے۔ ریاست کا کوئی حصہ یونین ٹیریٹری اسٹیٹس کے دائرے میں نہیں دیا جاسکتا۔ بھارت یونائیٹڈ نیشنز کا رکن ملک ہونے کے ناطے اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کو ماننے کا پابند ہے۔ ریاست یا وادی کی تقسیم کسی صورت میں کشمیری عوام کو قابل قبول نہیں۔ کشمیر کی متنازعہ حیثیت کو ایک لمحے کے لیے چھوڑتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر کشمیری پنڈتوں کے لیے الگ وطن یا کالونیاں یا سمارٹ سٹیز اس بنیاد پر تعمیر کیے جائیں کہ انہیں مسلم اکثریتی کمیونٹی پر اعتماد نہیں رہا اور ''خوف کی نفسیات سے آزاد نہیں'' (جیسا کہ انوپم کھیر کہتے ہیں) تو ان کروڑوں مسلمانوں کے لیے آپ اسی طرح کی سمارٹ سٹیز اور کالونیاں کیوں نہیں بناتے جو آئے روز ہندو فرقہ پرستی کی بھینٹ

چڑھتے ہیں اور جن کی بستیوں اور گھروں اور املاک کو تاراج کیا جاتا ہے اور جن کو بے رحمی کے ساتھ مسلم کش فسادات کے شعلوں میں جھونک دیا جاتا ہے۔ 10 / اپریل کو جموں کشمیر کے وزیر اعلیٰ نے انکشاف کیا کہ 7247 پنڈت اب بھی وادی کے کئی علاقوں میں رہتے ہیں[21]۔ ایک مثال ایسی نہیں ملے گی جہاں اس اقلیت کے خلاف ان کے مسلم بھائیوں نے کوئی نازیبا حرکت کی ہو، زیادتی اور ناروا سلوک کا سوال ہی نہیں۔ اس سے جڑا دوسرا سوال یہ ہے کہ جب اس ریاست میں ہندو اقلیت مسلم اکثریتی ریاست کا حصہ بننے کے لیے تیار نہیں تو مسلم اکثریتی ریاست کو آپ اس ہندو اکثریتی والے ملک میں رہنے پر کیسے قائل کر سکتے ہیں جہاں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے ساتھ امتیاز برتا جا رہا ہے اور فرقہ پرست جنونی شکاری بھیڑیوں کی طرح ان پر جھپٹ پڑتے ہیں۔ سیکولر دیس میں سیکولر اقدار اور عقائد کو "قومی ضمیر کی تسکین" کے لیے کب فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔

انوپم کھیر بالی ووڈ ایکٹر رہے ہیں اور اب سیاسی سرگرمیوں میں بھی حصہ لے رہے ہیں۔ انہوں نے 12 / اپریل 2015ء کو جموں میں میڈیا سے بات کرتے ہوئے حکومت ہند پر زور دیا کہ وہ 370 آرٹیکل کو ختم کریں۔ سمارٹ سٹیز کے پروجیکٹ کی پرزور وکالت کی اور کہا "اس پروجیکٹ کی شروعات دس مربع کلومیٹر سے کی جا سکتی ہے"[22]۔ انہوں نے کہا "ابتدائی مرحلوں میں کشمیری پنڈت ان میں رہیں گے اور پھر دوسرے وہاں رہیں گے"[23]۔ یکم مئی کو فائنانس منسٹر ارون جیٹلی نے کہا ان کالونیوں میں "تمام مذاہب کے لوگ رہیں گے، لیکن یہ طے ہے کہ کشمیری پنڈت ان میں غالب تعداد میں ہوں گے"[24]۔ پنن کشمیر کے صدر اشون کمار چرنگو، جنہوں نے سنگھ برگیڈ کی فرقہ پرستی کی تھالی کو پوری طرح چاٹ لیا اور اب جسم کے ہر ذرے میں مسلم منافرت کا زہر پھیل کر اس کو بے قرار کیے ہوئے ہے نے کہا "بے گھر ہوئی پنڈت کمیونٹی کا اعتماد بڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ

حکومت ان کے لیے کمپوزیٹ ٹاؤن شپ تعمیر کرے جہاں ان کے انتظامی اور سیاسی اختیارات ہوں"[25]۔ مودی حکومت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے چرنگو نے کہا اس حکومت نے اس بارے میں کئی اچھے فیصلے کیے۔ انہوں نے کہا "یہ فیصلہ ہمارے ہوم لینڈ مطالبہ کے عین مطابق ہے"[26]۔

اب اس امر میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ پنڈتوں کی واپسی کے نام پر جو پروجیکٹ تیار کیا جارہا ہے، اس کا سارا لب لباب یہ ہے کہ کشمیر میں مسلمانوں کے حق میں آبادی کا تناسب بگاڑ دیا جائے۔ اس پروجیکٹ کا بلو پرنٹ تل ابیب (اسرائیل کی راجدھانی) کا عطا کردہ ہے۔ یہاں اس کے انطباق کی کوششیں بڑی سرعت کے ساتھ جاری ہیں۔

اگرچہ بی جے پی کی حامی پنڈت تنظیمیں یا افراد الگ بستیوں کے حق میں ہیں۔ (ظاہر ہے)، تاہم کئی دوسری پنڈت تنظیموں اور پنڈت لیڈروں نے اس کی کڑی تنقید کی ہے۔ ڈیموکریٹک فورم کے سربراہ پنڈت بھوشن بزاز نے بےگھر کشمیری پنڈتوں کے لیے وادی میں علیحدہ ٹاؤن شپ تعمیر کرنے کے کسی بھی منصوبے کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ "اس سے کشمیری پنڈتوں کی مصیبتوں میں اضافہ ہوجائے گا.... کشمیری پنڈت کشمیری تہذیب وثقافت کا اٹوٹ حصہ ہیں اور اپنے آبائی وطن میں سب کے ساتھ مل کر رہنا چاہتے ہیں۔ سماج سے کٹ کر اور الگ تھلگ رہنا انہیں کسی بھی صورت میں منظور نہیں"[27]۔ اسی طرح کشمیر پنڈت سنگھرش سمیتی (KPSS) دلی سرکار پر برس پڑی۔ اس کے صدر سنجے ٹیکو نے کہا کہ ایسے نیم دلانہ اقدامات سے پنڈت کمیونٹی اور بھی مصائب کی شکار ہوگی اور ان حالات میں یہ لوگ واپس کشمیر نہیں لوٹیں گے.... ہاں بعض پنڈت مکان کی لالچ کے لیے کشمیر آئیں گے۔ گرما کی تعطیلات منانے کے لیے وہ اس 'ویلا' (بنگلہ) میں ٹھہریں گے

جس کے لیے انہیں کرایہ نہیں دینا پڑے گا،لیکن توقع نہ رکھئے کہ وہ یہاں سرما میں بھی رہیں گے.... یہاں مسلمان، سکھ اور پنڈت سب مصائب کا شکار ہوئے۔ اس لیے کیوں آپ پنڈتوں کے جذبات کا استحصال کر رہے ہیں....[28]"

مکھن لال فوطیدار سینئر کانگریس لیڈر ہیں اور کشمیری پنڈت ہیں۔ گریٹر کشمیر کے ساتھ اپنے ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا "کشمیری پنڈتوں کی بڑی تعداد بھارت اور بیرون ممالک میں اچھی طرح آباد ہوئی ہے۔لیکن کچھ ایسے ہیں جو اپنے آبائی گھروں کو لوٹنا چاہتے ہیں۔نوجوان نسل کو واپس کشمیر لوٹنے میں زیادہ دلچسپی نہیں۔ ان کو اچھی سرکاری نوکریاں ملی ہیں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں میں بھی ملازمت کرتے ہیں۔کشمیری پنڈتوں کے لیے الگ کالونیاں بنانا اُن کے لیے قابل قبول نہیں۔ آخر جب وہ کشمیری سماج، کلچر اور روایات کا حصہ ہیں وہ کیوں الگ رہیں؟ اس لیے جن پنڈتوں کو اب بھی وہاں زمین ہے انہیں حکومت کی مدد سے وہیں مکانات تعمیر کرنے چاہییے اور جنہوں نے اپنی تمام جائداد بیچی ہیں انہیں اپنے مسلمان بھائیوں اور دوسری اقلیتوں کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہیے"۔[29]

کشمیر میں پیدا ہونے والے فلمی ایکٹر راہول بھٹ نے سرینگر میں کہا "فوج کی بھاری تعداد کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کشمیر ایک کنفلکٹ زون (Conflict Zone) ہے اور فوج کو پبلک مقامات سے انخلاء کرنا چاہیے[30]"۔انہوں نے کہا "کشمیر میں مسلمانوں نے پنڈتوں سے زیادہ تکلیفیں اٹھائی ہیں[31]"۔ پنڈتوں کی واپسی پر بات کرتے ہوئے راہول نے کہا "کشمیری پنڈت دوسری ریاستوں میں اچھی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔میں نہیں سمجھتا انہیں کشمیر آنے کی ضرورت ہے یا وہ وادی واپس آنا چاہتے ہیں،تاہم اگر وہ واپس آئیں تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کشمیری مسلمان کھلے دل سے ان

کا سواگت کریں گے اور عزت افزائی کریں گے۔ میں ایک کشمیری پنڈت ہوں اور ممبئی میں سیٹل (Settle) ہو چکا ہوں اور وہاں اپنی بزنس چلا رہا ہوں۔ میں اس سب کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں اور یہاں آؤں۔ اس لیے روز روز پنڈتوں کو واپس آنے کی اپیلیں کرنا بے مقصد ہے اور اب آگے بڑھنے کا وقت آچکا ہے"۔[32]

کالونیاں بن گئیں تو سماج میں تفریق ہوگی، نفرت کی دیواریں کھڑی ہوں گی اور کسی کو یہ معلوم نہیں ہو پائے گا کہ اندر ان کالونیوں میں کیا کچھ ہو رہا ہے اور کس قسم کے منصوبے تیار کیے جا رہے ہیں۔ حال (پلوامہ) اور ویسو (قاضی گنڈ) میں مائیگرنٹ پنڈت ملازمین کے لیے حکومت نے چند برس قبل کلسٹر (Cluster) کالونیاں بنائیں۔ جنوبی کشمیر کے گاؤں حال میں چند مکانوں پر مشتمل اس کالونی کے گرد اونچی دیوار کھڑی کی گئی ہے جس پر کانٹے دار تار بھی لگا دی گئی ہے۔ مقامی لوگ کہتے ہیں کہ "ان کلسٹر کالونیوں کے اندر کسی کو جھانکنے کی اجازت نہیں، یہ دو فرقوں کے مابین علیحدگی اور "وہ اور ہم" کا احساس دلاتی ہیں، حالانکہ اس سے قبل دونوں فرقے ایک ساتھ اچھے ہمسائیوں کی طرح رہتے تھے، ہمیں کچھ معلوم نہیں ان کالونیوں میں کس قسم کے لوگ آتے جاتے ہیں" ویسو کے مقامی باشندے بھی وہاں کلسٹر کالونی کے بارے میں اسی قسم کے خدشات رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کنکریٹ کی دیواریں ہیں جو نہ صرف جسمانی طور لوگوں کو الگ کرتی بلکہ نفسیاتی دیواریں (Psychological barriers) بھی ہیں جو خوف اور خدشات کو جنم دیتے ہیں۔ اب اندازہ لگائیے جب دس دس مربع کلومیٹر کے محیط پر علیحدہ کالونیاں یا مخصوص قصبے یا سمارٹ سٹیز بنائے جائیں جو "ہوم لینڈ" کا مطالبہ کرنے والے فرقہ پرستوں کی خواہشات کے عین مطابق ہوں تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کشمیر میں سب کچھ بدل جائے گا اور کشمیری مسلمانوں کا مستقبل تاریک تر ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ اگر دلی کے حکمرانوں کی نیت میں کھوٹ نہیں، اگر ان کے کشمیر مخالف عزائم نہیں تو پنڈتوں کو اپنے آباؤاجداد کی زمینوں پر سیٹل (settle) ہونے پر ان کو کیا اعتراض ہے، خصوصاً جب کہ مسلم کشمیر ان کو خوش آمدید کرنے اور ہر ممکن مدد کرنے کے لیے منتظر بیٹھا ہے۔ جب سات ہزار سے زائد کشمیری پنڈت اور ہزاروں سکھ بھائی اور عیسائی شانہ بشانہ مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہیں اور کسی قسم کے عدمِ تحفظ کے شکار نہیں تو لوٹ کر آنے والے پنڈت کیوں نہیں اسی طرح رہ سکتے۔ بارہ مولہ واپس آنے والے مائیگرینٹ پنڈت کئی سالوں سے پہلے کی طرح مسلم ہمسائیوں کے ساتھ رہ رہے ہیں اور یہی وہ واحد باعزت کامیاب طریقہ ہے پنڈت بھائیوں کے کشمیر واپس لوٹنے کا۔ ’’یہاں مسلمان ہمسائیوں کے مدد اور تعاون سے ہم اپنے گھروں کی طرف واپس لوٹے ہیں۔ بارہ مولہ قصبے میں مقامی لوگوں نے ہمیں گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا۔ مسلمان بھائیوں نے ہمیں اپنا کاروبار شروع کرنے کے لیے مالی اعانت بھی کی‘‘۔ یہ باتیں اشوک گنجو نے انڈین ایکسپریس کے رپورٹر میر احسان کو 9/اپریل 2015ء کو بتائیں۔ اشوک کپڑے کی دکان بارہ مولہ میں چلاتا ہے۔ کشمیر وادی میں چار علیحدہ کمپلیکس یا کلسٹر کالونیاں حکومت نے بنائی لیکن پنڈت برادری کو یہ راغب نہ کرسکیں۔ اصل حقیقت یہ ہے پنڈت کمیونٹی کے لوگ، جیسا کہ خود پنڈتوں کے بعض لیڈروں اور معروف شخصیتوں نے کہا، وادی سے باہر پوری طرح سیٹل ہو چکے ہیں اور کشمیر واپس آنے میں ان کو کوئی خاص دلچسپی نہیں، تاہم قلیل تعداد کے جو پنڈت واپس آنا چاہتے ہیں وہ اپنے گھروں میں ہی بسنا چاہتے ہیں۔ اس قلیل اقلیت کو آر ایس ایس اپنے ناگپور ایجنڈے کی تکمیل کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہے۔ ان کے نام پر علیحدہ قصبے قائم کرنا چاہتی ہے۔ بہت سارے کشمیری پنڈت اصرار کرتے ہیں کہ ’’علیحدہ کالونیوں کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس سے تفریق بڑھ جائے گی، جب کہ بعض لوگ اس سے سیاسی فائدہ

اٹھانا چاہتے ہیں۔ ہمیں مسلم اکثریتی فرقہ کے ہاتھوں ہی تحفظ ملے گا''۔ [33]

اس سب کے باوجود آخر دلی میں قائم بھاجپا حکومت بار بار یہی کہتی ہے کہ وہ کالونیوں کے سلسلے میں اپنے منصوبے کو عملانے پر وعدہ بند ہے۔ راجناتھ سنگھ نے 28 اپریل کو لوگ سبھا کو بتایا وزیر اعلیٰ مفتی سعید نے وعدہ کیا ہے کہ پہلے مرحلے میں وہ (دلی حکومت کو) 50 ایکڑ (400 کنال) زمین پنڈتوں کی باز آبادکاری کے لیے مشخص کرے گا''۔ [34] مفتی سعید نے راجناتھ کے اس بیان پر مکمل خاموشی اختیار کی۔ ریاستی حکومت کے کسی بھی ذمہ دار نے اس پر ''حکومتی موقف'' کی وضاحت نہ کی۔ راجناتھ کے اس بیان پر حسب توقع مزاحمتی خیمے اور سول سوسائٹی کی طرف سے برہمی کا اظہار کیا گیا۔ پاکستان نے بھی کھل کر اپنا سخت ردعمل دکھایا۔ پاکستان فارئن آفس کی خاتون ترجمان تسنیم اسلم نے کہا ''بھارت وادی میں غیر ریاستی باشندوں کو بسا کر آبادی کا تناسب بگاڑ نہیں سکتا۔ علیحدہ زون یا مخصوص قصبے قائم کرنے کی کسی بھی ایسی کوشش جس سے کشمیر کی ڈیموگرافی تبدیل ہو جائے یو این قراردادوں کی خلاف ورزی مانی جائے گی''۔ [35]

داخلی اور خارجی سطح پر سخت ردعمل کو دیکھتے ہوئے بھارت نے کہا پنڈتوں کے لیے الگ کالونیاں نہیں بنیں گی۔ لوک سبھا میں ایک سوال کے جواب میں منسٹر آف اسٹیٹ برائے وزارت داخلہ ہری بھائی چودھری نے کہا ''کشمیری پنڈتوں کے لیے، ریاست جموں کشمیر میں علیحدہ زون قائم کرنے کا کوئی منصوبہ حکومت کے زیر غور نہیں ہے''۔

اُدھر مفتی سعید کی طرف سے پنڈتوں کے لیے مخصوص کالونیاں بنانے کے دلی کے منصوبوں میں اپنی حکومت کا حصہ بنانے کی جھری اور سری کوششوں سے حوصلہ پا کر بھاجپا وزراء نے علی الاعلان ریاست کی مخصوص پوزیشن پر تیشہ چلانا شروع کیا اس کا بھیانک مظاہرہ اس وقت دیکھنے کو ملا جب آئین اور قانون کی دھجیاں اڑاتے ہوئے بھاجپا

کے وزیر مملکت برائے مالیات سنیل کمار شرما نے مستقل باشندگی (سٹیٹ سبجیکٹ) سرٹفکیٹ (PRC) سکول سے دینا شروع کیا۔ شرما نے بڑے فخر کے ساتھ کہا کہ حکومت نے سکول سطح سے پی آر سی اور کاسٹ سرٹیفکیٹ دینے کا ''پروجیکٹ'' شروع کیا ہے اور بقول ان کے اس کے لیے ضلع کشتواڑ سے ''آزمائشی بنیاد''(Trial Basis) پر 17 سکولوں سے اس قسم کی پانچ سو سرٹیفکیٹ اجراء کی گئیں۔ عوامی شکایت کیمپ (Public Grievence Camp) کشتواڑ کے باٹلہ اور کٹھان گاؤں میں کھولے گئے اور ''مدد''(MADAD) پروجیکٹ کے تحت اسکولی بچوں میں پی آر سی سرٹیفکیٹ تقسیم کیے گئے۔

پی آر سی قانون کے مسلمہ ضابطوں کی پیروی کرتے ہوئے ریونیو حکام کی طرف سے اجرا کی جاتی ہے۔ اس طریقہ کار کو چھوڑ کر بھاجپا منسٹر کی طرف سے اسکولی سطح سے پی آر سی کا اجرا صاف بتاتا ہے بھاجپا ایک خطرناک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش میں مصروف ہے تاکہ مغربی پاکستان سے آئے رفوجیوں اور دیگر غیر ریاستی باشندوں کو ریاست میں بسانے کی راہیں کھل سکیں۔ ظاہر ہے اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں میں ان رفوجیوں کے بچوں کے ساتھ ساتھ بہار، بنگال، پنجاب، راجستھان سے آئے ہوئے مزدور پیشہ لوگوں کے بھی بچے بھی پڑھتے ہیں۔ آپ اسکول میں اٹینڈنس رجسٹر پر ایک نظر دوڑا کر بچوں کو ریاست کا پشتینی باشندہ بناتے ہیں جیسے کہ مہاراجہ کے 1927ء میں بنائے گئے قانون، جو جموں کشمیر کے آئین کی دفعہ 6 اور بھارت کے آئین کی دفعہ 35-A کا اب مستقل آئینی درجہ رکھتا ہے، کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ فرقہ پرست قوتوں نے اپنے لحاظ سے تیر بہدف لائحہ عمل اختیار کیا ہے وہ ایک ''ماسٹر سٹروک''(Master Stroke) سے کشمیریوں کو کئی محاذوں پر شکست دے کر اپنی بالادستی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جب انہیں لگا کہ شرنارتھیوں کو

اسٹیٹ سبجیکٹ دینے پر کشمیری بھی اور کسی حالت میں تیار نہ ہوں گے اور نہ ان "ایک وقتی" صداؤں پر وہ کان دھرنے والے ہیں تو اسکولوں سے پی آر سی اسی طرح بانٹ دیے گیا جس طرح اسکول لیونگ (Leaving) سرٹیفکیٹ بچے کو اسکول جانے ہی دیکھ کر دی جاتی ہے۔ شرنارتھیوں کا دیرینہ مطالبہ حل ہوا اور ساتھ ہی دوسرے غیر ریاستی باشندوں کے لیے ریاست کی شہریت کے دروازے کھل گئے تو خود بخود ریاست کا مسلم اکثریتی کردار ختم ہو جائے گا اور ساتھ ہی بنیادی پولیٹکل پاور سٹرکچر بھی تبدیل ہو گا۔ پھر جونا گڑھ کی تاریخ دہرا کر خم ٹھوک کر کشمیریوں سے کہا جائے گا آؤ ہم تمہارے مطالبہ حق خودارادیت کو تسلیم کرا کے ریفرنڈم کراتے ہیں۔

"آزمائشی بنیادوں" پر کرایا گیا یہ پروجیکٹ کشمیری عوام کے زبردست احتجاج پر فلاپ ہو گیا۔ ریاستی حکومت عوام کے شدید ردعمل سے گھبرا گئی اور اعلان کیا کہ اب اسکولوں سے اس طرح کی کوئی سرٹیفکیٹ نہیں دی جائے گی۔ حکومت نے یہ بھی کہا کہ اس قسم کی صرف پچاس سرٹیفکیٹیں تقسیم کی گئی تھیں نہ کہ اجرا اور چھان بین کرنے پر ان کو ریونیو محکمے نے درست پایا۔

ابھی اسٹیٹ سبجیکٹ سرٹیفکیٹوں پر اٹھنے والے غم و غصے میں ٹھہراؤ ہی آیا تھا کہ بھارتی حکومت نے ریاست کی مخصوص پوزیشن اور اکثریتی کردار اور مسئلہ کشمیر کی متنازعہ ہیئت کو متاثر کرنے کے ایک اور دوررس اثرات کے حامل اقدام کا اعلان کیا اور وہ یہ کہ دلی حکومت اب کشمیر میں سینک کالونیاں سابقہ فوجیوں کے لیے بنانے جا رہی ہے۔ بھاجپا کے ایک ممبر پارلیمنٹ ترون دجے نے راجیہ سبھا میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ریاست جموں کشمیر میں ان فوجیوں کو جنہوں نے کشمیر میں فوجی خدمات انجام دے یا دوران ڈیوٹی ہلاک ہوئے ان کے نزدیکی ورثاء کو رہنے کے لیے زمین یا مکان فراہم کرے۔ بھارت

کے وزیر دفاع منوہر پاریکر نے اس مطالبہ، جوکہ پارلیمان کی تاریخ میں اس قسم کا پہلا مطالبہ تھا، کے جواب میں (16 جولائی کو) کہا کہ اگر چہ ریاست میں فوجیوں کو زمین دینے اور مکان فراہم کرنے کا معاملہ ریاستی سرکار کے دائرہ کار میں آتا ہے تاہم ’’ریاستی حکومت کو مناسب کارروائی کرنے کے لیے ہدایات جاری کیے گئے ہیں‘‘۔

"The matter has been forwarded to the state government for appropriate action."[37]

سبھی حریت قائدین، دانشوروں، سول سوسائٹی، بار ایسوی ایشن، تاجر برادری اور ملازمین انجمنوں نے اس طرح کے کسی بھی اقدام کو عمل میں لانے پر خبردار کرتے ہوئے حکومت پر واضح کیا کہ کشمیری عوام کسی بھی صورت میں اس کو برداشت نہیں کریں گے۔ سید علی گیلانی نے کہا ’’جموں کشمیر بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ متنازعہ خطہ ہے جس کے مستقبل کا فیصلہ کرنا ابھی باقی ہے۔ اس لیے یہاں کسی بھی فوجی یا بھارت کے کسی بھی شہری کو بسانا عالمی قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ علاوہ ازیں اس قسم کا اقدام اٹھانے کے لیے بھارت کے پاس کوئی اخلاقی یا آئینی جواز نہیں ہے[38]‘‘۔ گیلانی نے مفتی سعید کے رویہ کو ’’مبہم اور مشکوک‘‘ قرار دیتے ہوئے کہا کہ اگرچہ بھارت کے وزیر دفاع منوہر پاریکر نے 16 جولائی کو اس معاملے پر راجیہ سبھا میں بیان دیا (جس کا اوپر ذکر کیا گیا) لیکن مفتی سعید یا اس کے کسی بھی وزیر نے اب تک اس کی نہ تردید کی ہے اور نہ ہی تائید اور نہ اس انتہائی نازک معاملہ پر اپنی حکومت کا موقف واضح کیا ہے۔ گیلانی نے کہا ’’کشمیر میں ریٹائرڈ فوجیوں کو زمین ایلاٹ کرنے کا اقدام ریاست کے خصوصی مقام پر براہِ راست حملہ ہے‘‘[39]۔

مفتی سعید نے اگرچہ 9/اپریل کو وضاحت کی کہ پنڈتوں کے لیے علیحدہ کالونیاں نہیں بنیں گی، لیکن راجناتھ سنگھ نے جب 28/اپریل کو 400 کنال دینے کے

مفتی کے ''وعدے'' کا انکشاف کیا تو وزیر اعلیٰ نے اس کی کوئی تردید نہیں کی۔ 28 مئی کو جموں میں راجناتھ سنگھ نے پھر کہا کہ کشمیری پنڈتوں کو واپس وادی میں بسانے کے لیے وزیر اعلیٰ نے ''جلدی زمین کی نشاندہی اور اس کے حصول کی یقین دہانی کرائی ہے جس کے بعد مرکزی حکومت اس سلسلے میں حقیقی منصوبے کا اعلان کرے گی''۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ''دلی سرکار مغربی پاکستان اور پاکستانی زیرِ انتظام کشمیر سے آئے رفوجیوں کا مسئلہ حل کرنے کی بھی وعدہ بند ہے اور ان کی ایک وقتی باز آبادکاری کا منصوبہ (حکومت دہلی) کے زیرِ غور ہے''۔ اس طرح بھارت کے وزیر داخلہ پاکستانی زیرِ انتظام کشمیر اور مغربی پاکستان کے رفیوجیوں کو ایک دوسرے سے نتھی کر کے اپنے منصوبے کو عملانے کی راہیں استوار کر رہے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے مغربی پاکستان سے آئے رفوجی اسی طرح غیر ریاستی باشندے ہیں جس طرح پنجاب، بہار دلی وغیرہ کے جب کہ پاکستانی زیرِ انتظام کشمیر سے آنے والے لوگ ریاست کے پشتنی باشندے ہیں جن کو ریاست کی شہریت دینے پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں۔ شرنارتھیوں کو ان کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا جا سکتا۔ ''ایک وقتی باز آبادکاری'' اسٹیٹ سبجیکٹ کے قانون میں شگاف ڈالنے کے مترادف ہے جس سے کشمیر کی ڈیموگرافی پر منفی اثرات پڑیں گے۔

راجناتھ سنگھ کے ان انکشافات اور مفتی سعید کی طرف سے دئے گئے ''وعدوں'' کو بار بار دہرانے کے باوصف مفتی نے ان پر خاموشی کا پردہ ڈال کر گویا پیغام دیا کہ ''دلی دربار کے ساتھ'' اس معاملے میں وہ ہمراز اور ہمرکاب ہیں۔ جیسا کہ سید علی گیلانی نے 6 ستمبر 2015ء کو اپنی رہائش گاہ (حریت آفس) کے سبزہ زار (Lawn) میں منعقدہ ایک سیمینار ''ہند و پاک کشیدگی، عوامل وسد باب'' سے خطاب کرتے ہوئے کہا ''مفتی سعید نے علیحدہ کالونیوں اور شرنارتھیوں کو اسٹیٹ سبجیکٹ دینے کے خفیہ معاہدے پر بہت پہلے صاد کیا ہے'' پی ڈی پی کو اپنے ساتھ ملا کر نئی دہلی جس طرح اپنے منصوبوں پر عمل پیرا ہے

اس پر بار ایسوسی ایشن کے صدر میاں قیوم نے جو تبصرہ کیا ہے وہ حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ شہید جلیل اندرابی ایڈوکیٹ کی برسی کی مناسبت سے شہدائے کشمیر کو خراج عقیدت پیش کرنے کے سلسلے میں منعقدہ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے معروف ایڈوکیٹ نے 27 مارچ کو کہا:

''بھارت نے سب سے پہلے تشدد اور حراستی ہلاکتوں کا سلسلہ جاری رکھ کر کشمیریوں کی جدوجہدِ آزادی کو دبانے کی کوشش کی لیکن اس میں ناکام ہونے کے بعد انہوں نے آر ایس ایس کے منصوبوں پر عمل پیرا ہو کر یہاں کا سیاسی نقشہ ہی تبدیل کرنے کی کوششیں شروع کی ہیں''۔[40]

دختران ملت کی سربراہ آسیہ اندرابی پی ڈی پی کو آر ایس ایس کی آلہ کار کہہ کر کہتی ہیں:

''یہاں (کشمیر میں) عملاً آر ایس ایس کی حکمرانی ہے اور پی ڈی پی اس کی آلۂ کار ہے اور اس فسطائی طاقت کی مشین کو آگے بڑھا رہی ہے۔ بی جے پی اور پی ڈی پی میں کوئی فرق نہیں۔ نیشنل کانفرنس نے یہاں انڈیا کی فوج کو لایا، پی ڈی پی نے بھارت کی لیڈرشپ کو لایا''۔[41]

سید علی گیلانی نے بی جے پی اتحاد کو ''بڑا فراڈ'' اور ''منحوس گھڑی'' قرار دے کر کہا:

''مفتی سعید نے یہ گٹھ جوڑ کر کے کشمیریوں کے ساتھ بڑا فراڈ کیا ہے اور بھارت کی فاشسٹ فرقہ پرست قوتوں کو کشمیر میں براہِ راست راہداری دی ہے۔ شیخ عبداللہ نے اگرچہ کشمیر کی زمین کو دہلی والوں

کی جھولی میں ڈال دیا تھا تو مفتی سعید نے ایسا (گٹھ جوڑ) کر کے کشمیری قوم کی مسلم شناخت، مذہب، کلچر اور آبرو کو خطرے میں ڈال دیا ہے"۔[42]

اقتدار کے دوسرے دور میں پی ڈی پی نے مفتی سعید کی سربراہی میں جو ''کارہائے نمایاں'' انجام دیے ان کو دیکھ کر کشمیر کے عوام این سی اور عبداللہ فیملی کے اس سابقہ دور کو ''قدرے بہتر'' کی باتیں کرنے لگے ہیں جس کے چنگل سے چھٹکارا پانے کے لیے ''قدرے بہتر'' متبادل کی تمنائیں کر رہے تھے۔ یہ کشمیریوں کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے کہ اس پولیٹکل سیٹ اپ میں جس سیاسی تنظیم پر وہ اعتماد کرتے ہیں وہی ہوس اقتدار کے عوض ان کے مفادات کا کھلواڑ کرتی ہے۔ پہلے ہمارے سیاسی مفادات پر شب وخون مارنے کی سازشیں رچائی جارہی تھیں، اب ہمارے ملی تشخص اور اکثریتی کردار کو ختم کرنے کے منصوبے بنائے جارہے ہیں۔ پہلے این سی بھارت کے عزائم کے تکمیل میں معاون رہی، اب پی ڈی پی کی تاسیس کر کے دونوں ریجنل پارٹیوں میں ان ہی مقاصد کی آبیاری کے لیے سیاسی رقابت کی دوڑ لگ چکی ہے۔اس وقت مفتی خانوادہ عبداللہ فیملی پر سبقت لیے جارہا ہے اور "Indian by Conviction" اپنی وفاداری کے خلیوں کو ناگپور کے تئیں عقیدت سے جلا بخشتا جارہا ہے اور موہن بھاگوت سے شاباشی لیتا جارہا ہے۔تاریخ کے اس Defining Moment پر مزاحمتی قیادت پر قوم کی نظریں مرکوز ہیں، کہیں ہمارا حشر فلسطین جیسا نہ ہو!!

Notes and Refrences

1, 2 Greater Kashmir - December 2, 2014
3. Kashmir Uzma - March 18, 2015
4. Greater Kashmir - March 18, 2015

5. The Telegraph - March 14, 2015
6. The Hindu - March 13, 2015
7. The Hindu - July 14, 2015
8,9,10. Greater Kashmir - November 18, 2014
11. Greater Kashmir - October 23, 2014
12. Greater Kashmir - (Exclusive Interview), February 1, 2015
13. Greater Kashmir - April 8, 2015
14. Indian Express - April 11, 2015
15. Greater Kashmir - April 9, 2015
16,17,18 Greater Kashmir - April 10, 2015
19. Greater Kashmir - April 13, 2015
20. Greater Kashmir - May 28, 2015
21. Greater Kashmir - April 11, 2015
22, 23 Greater Kashmir - April 13, 2015
24. Greater Kashmir - May 02, 2015
25, 26 Greater Kashmir - Kashmir Uzma - April 12, 2015
27. Kashmir Uzma - April 11, 2015
28. Greater Kashmir - April 09, 2015
29. Greater Kashmir - June 01, 2015
30,31, 32 Greater Kashmir - February 03, 2015
33. Indian Express - April 11, 2015
34. Greater Kashmir - April 29, 2015
35. Greater Kashmir - May 01, 2015
36. Greater Kashmir - May 06, 2015
37. Greater Kashmir - July 17, 2015
38, 39 Greater Kashmir - July 23, 2015
40, 41 Kashmir Uzma - March 28, 2015
42 Kashmir Uzma - April 07, 2015

''گائے ماتا'' کی فرمانروائی

حقیقت یہ ہے یہ چیپٹر اس کتاب کا حصہ ہی نہ بن جاتا اگر تحریری مواد پروف ریڈنگ کے لیے جلد ہی مجھ کو مل جاتا۔ کتاب کا اختتام ''کیموزیٹ کالونیز اور آبادی تبدیل کرنے کے دیگر منصوبے'' کے موضوع پر خیالات کو سمیٹنے کے ساتھ ہی ہوتا مگر چند مہینوں کے ناگزیر انتظار نے سوچ میں بدلاؤ لایا۔ اس لیے کہ ان مہینوں میں بھارت اور کشمیر میں ایسے کئی واقعات پیش آئے جو اس کتاب کے مرکزی موضوع سے پورے طور جڑے ہوئے تھے اور دل نہیں چاہتا تھا کہ ان کو چھوڑ کر قارئین سے الوداعی سلام لوں۔ وقت کم تھا اور ان واقعات کا حجم بہت زیادہ تھا جو پے در پے رونما ہو رہے تھے۔ اسی لیے سرسری جائزہ تک ہی قلم کی توانائی صرف کرنی پڑی۔ وقت زیادہ ملتا تو اور بھی کئی گوشوں پر پڑا نقاب اٹھ جاتا۔

سیاسی اور ثقافتی منظرنامے پر انتہائی غیر معمولی اہمیت کے واقعات پیش آرہے تھے اور ہر ایک واقعہ چیخ چیخ کر پکار رہا تھا کہ اس وقت ''ٹگ ٹگ دیدم، دَم نہ کشیدم'' کی کیفیت خود پر طاری کرنے کا موقعہ نہیں ہے۔ پُرعزم اور پُراعتماد ہو کر حالات کی نزاکت کو سمجھ لینے کا وقت اور پھر ان خطرناک منصوبوں کو خاک میں ملانے کے لیے آگے بڑھنے کا وقت ہے۔ جمائی لینے اور بت بن کر کھڑا رہنے کی عادت کو خیرباد کہنے کا وقت ہے۔ ہندو فرقہ پرستی کا جن اب پورے طور بوتل سے باہر آیا ہے اور یہ سیکولر طنابیں کاٹ کر ہماری طرف بڑھتا جا رہا ہے اور اگر اس کی پیش قدمی روک نہ دی گئی تو کل بھیانک ہی ہوگا۔

اعلیٰ اختیارات کے ایوانوں اور مراکز میں پہنچ کر بھاجپا نے ایک لمحے کے۔۔۔

کشمیر کے حوالہ سے اپنے ایجنڈے کو فراموش نہ کیا۔ چنانچہ ڈوگرہ مہاراجہ کے بنائے گئے 1862ء کے اس قانون کو پھر سے زندہ کر کے نافذ کرنے کے اقدامات اٹھائے گئے جب مطلق العنان حکمران نے ہندو تہذیب وثقافت کا احیا کرنے کے لیے گائے، بیل، بچھڑے اور بھینس کے ذبح کرنے اور بڑے گوشت (Beef) کے کھانے اور تقسیم اور خرید وفروخت پر پابندی لگا دی تھی۔ اس قانون کے تحت قانون شکنی کرنے والے شخص پر دس سال قید اور جرمانہ کی سزا عائد کی گئی تھی۔ اگرچہ رنبیر پینل کوڈ میں یہ قانون اب بھی موجود ہے، لیکن ڈوگرہ استبداد کے خاتمے کے بعد اس کا عملی سطح پر نفاذ نہیں ہو رہا تھا۔ اس طرح بڑے گوشت کے کھانے پر نافذ پابندی بے اثر ہو کر رہ گئی تھی اور مسلمان گائے اور دوسرے جانوروں کا ذبیحہ کرتے آئے ہیں۔ لیکن اچانک دس ستمبر 2015ء کو ریاستی ہائی کورٹ کے دو ججوں پر مشتمل ایک بینچ نے ایک مفاد عامہ عرضی (Public Interest Litigation) کی سماعت کرتے ہوئے اپنے فیصلے میں ڈیڑھ سو سال پرانے قانون کو سختی سے نافذ کرنے کی ریاستی سرکار کو ہدایت دی۔ یہ پٹیشن ایڈوکیٹ پاری کوش سیٹھی نے دائر کی تھی اور حیران کن امر یہ ہے کہ یہ صاحب ریاست جموں کشمیر کے ڈپٹی ایڈوکیٹ جنرل بنائے گئے یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس نے ریاست کے خلاف ہی مقدمہ دائر کیا ہے۔ اتنا ہی نہیں، ڈپٹی ایڈوکیٹ جنرل بننے کے بعد بھی اس نے عرضی واپس نہیں لی۔ موصوف بھاجپا سے منسلک ہے۔ یہ ایک اور ثبوت ہے مفتی کی سربراہی والی سرکار پر فرقہ پرست قوتوں کے حاوی ہونے کا۔ حکومت کے اسٹینڈ کے دفاع کرنے کے ذمہ دار ایڈیشنل ایڈوکیٹ جنرل وشال شرما تھے۔ وشال وی ایچ پی (ویشوا ہندو پریشد) کے لیڈر اور ایڈوکیٹ لیلا کرن شرما کے بیٹے ہیں۔ لیلا نے 2008ء میں کشمیریوں کے خلاف اقتصادی ناکہ بندی کی تحریک چلائی تھی۔ صاف ظاہر ہے اس کیس میں مدعی اور مدعیٰ علیہ ایک ہی صف میں کھڑے ہندو احیا پرستی کی خوشیاں بانٹتے نظر آ رہے ہیں۔ یہ سب کچھ کیا کم تھا کہ جس دو نفری ہائی کورٹ بینچ نے مذکورہ فیصلہ سنایا وہ

دونوں ہندو تھے، جسٹس دھیراج سنگھ ٹھاکر اور جسٹس جنک راج کوتوال۔ گویا عرضی دائر کرنے سے لیکر کورٹ میں دفاع کرنے اور فیصلہ صادر کرنے تک کے تمام مراحل تک یہ سارا معاملہ محض ہندوؤں کے "احساسات کے احترام کرنے" کا یک طرفہ معاملہ تھا اور اس میں دوسرے طبقے، جو ریاستی آبادی کا غالب حصہ ہے، کو اپنی صفائی پیش کرنے کا کوئی موقعہ نہیں دیا گیا چہ جائے ان کے مذہبی جذبات کا احترام کیا جاتا!

ظاہر ہے کشمیر میں ریاستی عدالتِ عالیہ کے اس فیصلے پر سخت ردِ عمل ہونا تھا جو ہوا اور لوگوں نے قطعی طور اس کو ماننے سے انکار کیا اور سڑکوں اور چوراہوں پر دن کے اُجالے میں گائے سمیت بڑے گوشت کے جانوروں کو ذبح کیا۔ عدالت کا یہ فیصلہ صریحاً مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت کا متکبرانہ انداز لیے ہوئے تھا اور ان کے بنیادی حقوق اور آزادیوں کی خلاف ورزی بھی ہے۔ شریعتِ اسلامی نے جس چیز کو حلال کیا ہے، دنیا کی کوئی طاقت اور کوئی پارلیمان اس کو حرام قرار نہیں دے سکتی۔ اس لیے مسلمانوں کا غصہ واجبی تھا۔ دریں اثنا سرینگر میں ریاست کے عدالتِ عالیہ کے ایک اور ڈویژن بینچ (ڈی بی) میں مفادِ عامہ کی ایک اور عرضی دائر کی گئی جس میں عدالت سے درخواست کی گئی کہ وہ بڑے گوشت پر پابندی سے متعلق دفعات کو کالعدم قرار دے۔ عدالت عالیہ نے حکومت کو اس بارے میں نوٹس جاری کی۔ ریاستی حکومت نیک نیت ہوتی تو ڈوگرہ مہاراجہ کے فرسودہ قانون، جو مسلم بیزاری پر مبنی تھا، کو ریاستی اسمبلی کے ذریعے منسوخ کراتی اور ایسا کرنے کے اختیارات اسمبلی کے پاس تھے لیکن اس نے جان بوجھ کر اس معاملے کو بھارت کے سپریم کورٹ میں لے لیا تاکہ معاملہ قانونی موشگافیوں میں الجھ کر رہ جائے۔ لیکن سپریم کورٹ کے چیف جسٹس ایچ ایل دتو اور جسٹس امیتو رائے پر مشتمل بینچ نے 5 راکتوبر کو اپنے ایک غیر معمولی فیصلے کے تحت، ریاستی ہائی کورٹ کی جموں شاخ کے متنازعہ حکمنامے کو دو ماہ کے لیے التوا میں رکھنے کے احکامات صادر کرتے ہوئے ریاست جموں کشمیر کے چیف جسٹس کو ہدایت دی کہ اس معاملے پر ریاستی عدالت کے دو متضاد فیصلوں سے پیدا شدہ

تنازعہ حل کرنے کے لیے تین ججوں پر مشتمل بینچ تشکیل دیں۔ سپریم کورٹ نے مزید کہا کہ ریاست کے چیف جسٹس ہی سماعت کے مقام کا تعین کریں گے۔

اس حقیقت کے باوصف کہ سپریم کورٹ کی طرف سے ہائی کورٹ کی جموں شاخ کے حکمنامے پر اسٹے (Stay) دیا گیا، آزاد ممبر اسمبلی لنگیٹ اور عوامی اتحاد پارٹی کے سربراہ انجینئر رشید پر بی جے پی ممبران اسمبلی نے 8 ر اکتوبر کو قاتلانہ حملہ کیا۔ انہیں اس بات پر غصہ تھا کہ انجینئر رشید نے 7 ر اکتوبر کو اسمبلی ہوسٹل میں بیف پارٹی دی تھی اور ایسا کر کے ان کے ''مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی''۔ سوال یہ ہے اگر تم اسمبلی ہوسٹل میں سور کا گوشت کھا سکتے ہو اور شراب کی محفلیں منعقد کر سکتے ہو جو دونوں مسلمانوں پر حرام ہیں، (سور کی شکل دیکھ کر ہی مسلمانوں کو قے آتی ہے، لیکن آپ بڑے شوق سے اسے اپنے صحنوں میں پالتے ہیں اور اس کا گوشت ہضم کرتے ہو) تو ایک انجینئر رشید نے ایسا کیا جرم کیا کہ ان کو جان سے مارنے کی کوششیں کی گئیں اور لطف یہ اس قسم کی غنڈہ گردی کے بدترین مظاہرہ پر بھی اسمبلی کے اسپیکر کویندر گپتا اپنے مارشلوں سمیت بے حس و حرکت کھڑے رہے اور ''ایوان کے تقدس'' کی پامالی پر سیخ پا نہیں ہوئے۔ بھلا جو شخص علی الاعلان کہے کہ ''مجھے آر ایس ایس کا ممبر ہونے پر فخر ہے'' اس سے کیا یہ توقع رکھی جائے کہ وہ تمام ممبران سے یکساں سلوک روا رکھے اور انصاف اور قانون کی لاج رکھ کر اپنی آئینی ذمہ داریاں سنبھالے؟ ایسا ہو نہیں سکتا۔ چند روز قبل اسی ایوان سے نیشنل کانفرنس کے بعض ممبران کو ہنگامہ کرنے کے الزام میں گپتا نے معطل کیا تھا لیکن آج بھاجپا کے ممبران ایوان کی مٹی پلید کرتے ہوئے ایک ممبر اسمبلی کو لاتوں، گھونسوں، تھپیڑوں سے اَدھ مُوا کرتے رہیں لیکن ان ''معزز'' مجرمین کے خلاف کوئی انضباطی کارروائی نہیں کی گئی۔ دوسری طرف چیف منسٹر مفتی سعید اور ان کی جماعت پی ڈی پی بھاجپا کی اس دہشت گردی پر خاموش تماشائی بنی رہی۔ مفتی سعید کو اتنی توفیق بھی نہ ہوئی کہ وہ سپیکر سے کہے وہ ملوث افراد کے خلاف آئینی کارروائی کرے۔ زیادہ سے زیادہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ یہ کہ بھاجپا لیڈر اور نائب وزیر اعلیٰ نرمل سنگھ سے گزارش کی کہ وہ معافی

مانگے۔زمل نے افسوس ظاہر کیا لیکن معافی نہ مانگی۔اسی روز شام کو مفتی نے زمل سنگھ کی رہائش گاہ پر جا کر شام کا کھانا کھایا۔اس دعوت میں بھاجپا کے جتھے کے وہ دو ممبران بھی شامل تھے جنہوں نے اسمبلی میں انجینئر پر حملہ کیا تھا۔گویا انجینئر رشید پر اسمبلی میں کیے گئے قاتلانہ حملے پر مفتی سعید اور پی ڈی پی پوری طرح حظ اٹھا رہی تھی۔

8 ر اکتوبر کو قانون ساز اسمبلی میں بیف پر پابندی ہٹانے کے سلسلے میں تین ترمیمی بلوں کو دفن کر دیا گیا۔یہ بلیں انجینئر رشید، نیشنل کانفرنس اور یوسف تاریگامی کی طرف سے پیش کی گئی تھیں۔اس طرح پی ڈی پی نے اقتدار میں رہنے کے لیے اپنے ضمیر کے ساتھ ساتھ اپنے دین ومذہب کو بھی فرقہ پرست بی جے پی کے ہاتھ گروی رکھنے میں کوئی قباحت محسوس نہ کی۔جیسا کہ تجربہ بتاتا ہے اسی قسم کا رویہ نیشنل کانفرنس بھی دکھاتی اگر وہ بھاجپا کے ساتھ شریکِ اقتدار ہوتی۔ پوری قوم بھارت نوازوں کے اس دہرے کردار اور منافقت کی ڈسی ہوئی ہے۔

16 ر اکتوبر کو ریاستی عدالت عالیہ کے سہ رکنی بینچ، جو جسٹس مظفر حسین عطار، جسٹس علی محمد ماگرے اور جسٹس اتشی ربستان پر مشتمل تھا، نے سرینگر اور جموں میں دائر عرضیوں کو خارج کر دیا۔ عدالت عالیہ نے فیصلے میں کہا کہ 1947ء سے قبل بنائے گئے بڑے جانوروں کے ذبیحہ اور کاروبار سے متعلق قانون کو کالعدم قرار دینے یا اس میں ترمیم کرنے کے لیے قانون ساز اسمبلی پوری طرح بااختیار ہے۔عدالت نے واضح کیا کہ بھارت کا کوئی سرکاری مذہب نہیں ہے اور یہاں ہر ایک کو آئین کی دفعہ 25 کے تحت جو حقوق دیے گئے ہیں اس میں مذہب کی پیروی اور اس کی ترویج واشاعت کا قانونی حق بھی شامل ہے۔عدالت نے حکومت سے کہہ دیا کہ تمام شہریوں کے مذہبی جذبات کے احترام کرنے کو یقینی بنائے۔عدالت نے ڈوگرہ استبداد میں بنائے گئے ان قوانین پر سخت موقف اختیار کرتے ہوئے کہا کہ جو قوانین سماج کے بہت بڑے طبقے کے آئین میں دیے گئے قانون سے متصادم ہوں، یا اب مردہ ہو چکے ہیں یا کافی وقت سے ریاست نے شعوری طور ان کے نفاذ پر زور نہیں دیا ہے تو قانون ساز اسمبلی کو چاہیے کہ ان قوانین کا

از سر نو جائزہ لے۔ عدالت نے مزید کہا کہ کچھ ایسے قوانین جو مطلق العنان مہاراجہ یا ایک طبقہ کے مقاصد کو پورا کرنے کی غرض سے بنائے گئے ہوں، وہ اب آئین کے عملی نفاذ کے بعد بے مقصد ہو گئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ آئین کے ہوتے ہوئے ایسے قوانین کی موجودگی آئین کے خلاف ہے۔ ایسے قوانین کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔

"When some laws violate guranteed constitutional rights of a large section of society, or have become dead laws, or have not been consciously enforced by executive wing of the state for considerable period of time, they would call for fresh look and consideration by the executive and legislative wing of the state.... Certain laws or some provisions created to achieve a definite purpose, or to serve the ends of autocratic monarch, or a section of people, have after comming into force of constitution became obsolete, or an offence to it. Remaining of such laws or provisions is therefore on the statute book would be inconsequential and are incapable of enforcement, having

assumed the character of fossils."

یہاں کشمیر جیسی مسلم اکثریت والی ریاست میں بیف کے ایشو پر پورا کشمیر سراپا احتجاج تھا۔ ادھر ہندوستان میں دادری (یوپی) میں اخلاق احمد کو عید الاضحیٰ کے روز بیف کے کھانے کے شبہ میں ہندوتوا کے دہشت گردوں کی طرف سے رات ساڑھے دس بجے ان کے گھر پر حملہ کرنے کا ایک اندوہناک واقعہ پیش آیا جس میں 52 سالہ اخلاق کو مار مار کر ہلاک کیا گیا اور اس کے جوان بیٹے کو کوما کی حالت میں ہسپتال پہنچایا۔ ہندوتوا بریگیڈ نے اس بھیانک قتل کا دفاع کیا اور مسلمانوں کے خلاف انتہائی جارحانہ رویہ اختیار کیا۔ مغربی یوپی کے بھاجپا لیڈر شری چندر شرما نے کہا ’’جب تم ہندوؤں کے جذبات کو مجروح کرو گے تو یہی ہوگا‘‘ (یعنی اخلاق کی طرح تمہیں مار مار کر ہلاک کیا جائے گا)۔ آر ایس ایس کے ترجمان ’’پنچ جنیہ‘‘ نے اکتوبر کے ایشو میں صاف صاف کہا کہ ’’وید میں لکھا ہے کہ گاؤکشی کرنے والوں کو قتل کرو‘‘ اور ’’گاؤ ہتھیا ہندوؤں کے لیے مان بندو ہے‘‘ (گاؤکشی ہندوؤں کے لیے وقار کا سوال ہے)۔ اخلاق کے قتل کا دفاع کرتے ہوئے پنچ جنیہ نے لکھا ’’گاؤکشی کا جو جرم کیا گیا اس پر اس طرح کا قتل ایک فطری ردعمل تھا‘‘۔ بھاجپا ایم پی ساکشی مہاراج نے کہا ’’جو کوئی بھی گائے ماتا کی بدسلوکی کرے گا اس کا حشر ایسا ہی ہوگا۔ گائے ماتا ہمارے لیے ماں کا درجہ رکھتی ہے‘‘۔ یوپی کے بھاجپا ایم ایل اے سنگیت سوم نے بساری میں ایک مجمع سے خطاب کرتے ہوئے 4/اکتوبر کو حکومت یوپی سے کہا کہ وہ مجرموں (بقول اُسے ’’بے گناہ ہندوؤں‘‘) کو نہ پکڑے ورنہ ’’ٹھوک کر جواب دیا جائے گا‘‘۔ وزیر داخلہ راجناتھ سنگھ، جنہوں نے 5/دسمبر 2015ء کو کہا کہ ’’میں بھی سیوک سنگھ ہوں اور وزیر اعظم مودی بھی سیوک سنگھ ہیں‘‘، نے اخلاق کے قتل کو محض ’’افسوسناک‘‘ (Unfortunate) کہا۔ فائنانس منسٹر ارون جیٹلی نے اسے محض ’’واقعہ‘‘ (Incident) کہا۔ قریباً دو ہفتوں تک وزیر اعظم مودی نے اس پر زبان ہی نہ کھولی اور جب کھولی تو اس بہیمیت کا ذکر تک نہ کیا اور جو کچھ کہا وہ یہ تھا کہ ’’ہندوؤں اور مسلمانوں کو آپس میں نہیں غربت کے خلاف لڑنا چاہیے‘‘۔ گویا مظلوم کو ظالم کے صف میں کھڑا کیا۔

مودی کی خاموشی سے ہی مسلم مخالف ماحول کے بننے کو تقویت ملتی ہے جیسا کہ انڈین ایکسپریس نے ’’بسارا میں قتل‘‘(Murder in Bisara) کے عنوان سے اپنے ایڈیٹوریل، یکم اکتوبر 2015ء کو لکھا کہ ’’جب یونین منسٹر مہیش شرما کہے کہ مسلمان قوم دشمن ہیں اور ایم پی یوگی ادتیا ناتھ مسلمانوں کی بڑھتی آبادی کو ہندوؤں کے لیے خطرہ قرار دے تو مسلم مخالف ماحول ہی بنے گا اور بسارا (دادری) جیسے واقعات ہی پیش آئیں گے۔ اقلیت دشمنی کے اس بڑھتے ہوئے تسلسل کو مودی کی خاموشی تقویت دے رہی ہے۔‘‘

بھاجپا فرقہ پرست تنظیم ہے ہی لیکن بھارت کی نام نہاد سیکولر جماعتیں بھی آپ اپنے ہاتھوں اپنے سیکولر دعوؤں کا مذاق اڑاتی ہیں۔ اسی دادری واقعہ کو لیجیے۔ یوپی میں سماج وادی پارٹی حکومت میں ہے۔ اس کے سربراہ اکلیش یادو ہیں جو خود کو سیکولر کہتے ہیں۔ ان کی حکومت نے فریج (Fridge) میں رکھے گوشت کو ’’فارینسک لیبارٹری میں جانچ کرنے‘‘ کے لیے بھیجا کہ آیا یہ بڑا گوشت ہی ہے۔ کچھ روز بعد وہاں سے جواب آیا یہ بڑا گوشت نہیں بلکہ بکرے کا گوشت (meat) تھا۔ سوال یہ ہے کہ مان لیا جائے یہ بیف ہی نکلتا تو کیا گوشت کا ٹکڑا رکھنے یا کھانے پر ’’قصوروار‘‘ کو سزا ریاست دے گی یا عوام؟ اس بارے میں قانون پہلے سے بھارت کی بعض ریاستوں میں موجود ہے، جس میں گاؤکشی کرنے والے شخص کو دس سال کی جیل کی سزا اور جرمانہ بھگتنا پڑے گا۔ اصل میں فرقہ پرست قوتوں اور سیکولرازم کا ڈھونگ رچانے والے لیڈروں کے ذہنوں، نہ کہ گوشت، کی جانچ کرانے کی ضرورت ہے۔ بھارت کی ممتاز دانشور ارون دتی رائے کھل کر کہتی ہیں کہ آج بھارت میں ٹھگ، تنگ نظر اور جنونی پیروکار ایک نئے نظام کو مسلط کرنے جارہے ہیں جہاں جب یہ ’’غیر قانونی قتل‘‘ کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب وہ خیالی گائے ہے جو ماری گئی نہ کہ وہ حقیقی انسان جو قتل کیا گیا۔ جب یہ موقعہ واردات سے ’’فارینسک تجزیہ کے لیے شواہد‘‘ لینے کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب فریج میں رکھا گیا خوراک ہے نہ کہ مار مار کر ہلاک کیے گئے شخص کا جسم ہے۔ ان کے خوبصورت الفاظ میں۔

"Today, we live in a country in which, when the thughs and apparatchiks of New Order talk of "illegal slaughter", they mean the imaginary cow that was killed-not the real man who was murdered. When they talk of taking "evidence for forensic examination" from the scene of the crime, they mean the food in the fridge, not the body of the lynched man..."

(Why I am returning my award - Arundhati Roy, Indian Express: Nov 5, 2015)

دادری کے بعد ہماچل پردیش میں بھی ایک اور مسلمان کو ''گایوں کی سمگلنگ'' کرنے پر انتہا پسند ہندوؤں کی ایک بھیڑ نے مار مار کر ہلاک کیا۔ اسی طرح لکھنؤ میں شیوسینا کے غنڈوں نے دو مسلم نوجوانوں کو مردہ بیل کا چمڑا اپنے پاس رکھنے پر درخت کے ساتھ باندھ دیا اور ان کی مارپیٹ کی۔ بعد میں پولیس نے انہیں جیل میں بند کیا۔ عدم برداشت اور فرقہ پرستی کے ان واقعات کو بھاجپا حکمران برابر ہوا دیتے رہے۔ ہریانہ میں بھاجپا کے چیف منسٹر منوہر لال کھاتر نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہا ''مسلمان بھارت میں رہ سکتے ہیں لیکن انہیں بیف کھانا چھوڑنا ہوگا''۔ (انڈین ایکسپریس، 16 ر اکتوبر 2015ء)

اقلیتوں کے قومی کمیشن (National Commission for Minorities) نے دادری جاکر اس بہیمانہ قتل اور اس کے محرکات کا جائزہ لیا اور رپورٹ جاری

کی جس میں کہا گیا کہ "یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں تھا جیسا کہ بی جے پی کے لیڈر کہتے ہیں، بلکہ یہ پہلے سے تیار کیا گیا منصوبہ تھا"۔ (انڈین ایکسپریس، اکتوبر 22، 2015ء)

ایک طرف کھانے پینے کے عادات (Food Habits) کو ہندو کلچر کے رنگ میں ڈھالنے کی یہ جارحانہ اور سفاکانہ کوششیں جاری تھیں، دوسری طرف جب جین مت کے لوگوں نے جین فیسٹیول "پریوشنا" (Paryushana) کے احترام کرنے کے لیے مہاراشٹر میں چار دنوں کے لیے چھوٹے گوشت (Meat) کے کھانے پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا اور اس کے لیے ہائی کوٹ سے لے کر سپریم کورٹ پر دستک دی تو سنگھ پریوار کی ہی ایک شاخ شیوسینا نے اپنے پارٹی ترجمان "سامنا" کے ایڈیٹوریل میں لکھا کہ "کھانے پینے کے عادات پر پابندی لگانا تشدد کی ہی ایک شکل ہے اور ان دنوں جب کہ ریاست میں خشک سالی ہے میٹ پر پابندی لگانے کا مطالبہ کرنا غیر انسانی ہے اور زیادتی کرنے کے مترادف ہے"۔ سامنا نے پھر انتہائی متکبرانہ اور متشددانہ اندازِ تخاطب میں جین مت والوں سے کہا "کم از کم مسلمانوں کو بھاگنے کے لیے پاکستان ہے لیکن جین لوگوں کو بھاگنے کے لیے کوئی جگہ بھی نہیں ملے گی۔ اگر تم سنز آف سوئیل (Sons of Soil) کے ساتھ مخاصمت روا رکھو گے تو تمہاری مالی سلطنت (Financial Empire) کو خاک میں ملانے میں کچھ زیادہ وقت نہیں لگے گا۔"

یہاں اس امر کا تذکرہ کرنا برمحل ہے کہ سپریم کورٹ آف انڈیا نے 17 ستمبر 2015ء کو دوٹوک الفاظ میں کہا کہ کھانے پینے کے معاملات ایک فرد کی آزادی سے تعلق رکھتے ہیں اور اس پر "پابندی نہیں لگائی جا سکتی ہے" اور یہ کہ "برداشت کی روح سب سے اہم ہے۔"

"Sending a strong message amidst concerns over mounting curbs on individual liberties, the SC said that " a

ban cannot be forced down somebody's throat" and that the "Spirit of tolerance" was paramount. (Indian Express - Sept 18/2015)

سپریم کورٹ کی طرف سے دیے گئے اس فیصلے سے قبل ممبئی ہائی کورٹ نے ریاستی حکومت کی طرف سے "پریوشا" کے احترام میں چار مخصوص دنوں کے لیے گوشت پر پابندی لگانے کے فیصلے کو کالعدم قرار دیا تھا۔ عدالت عالیہ نے فیصلے میں کہا تھا "شہریوں کے کھانے پر پابندیاں لگائی نہیں جاسکتیں"۔ کیوں کہ اس سے فرد کی ذاتی آزادی سلب ہوتی ہے (یاد کیجیے ہماری ریاست جموں کشمیر میں ریاستی عدالتِ عالیہ کے دیے گئے اُس فیصلے کو جس میں ان ہی بنیادی آزادیوں کو سلب کرتے ہوئے کھانے پینے کے عادات پر بیجا قدغنیں لگادی گئیں تھیں) ممبئی ہائی کورٹ کے اس مذکورہ فیصلے کو جین برادری نے SC میں چیلنج کیا تھا۔

ہندو فاشسٹ قوتوں کو مسلمانوں کے خون سے خاصا چسکا لگا ہوا ہے، اس لیے وہ ان کی خاص ڈیش (Dish) ہے، لیکن ذائقہ بدلنے کے لیے دوسری تمام اقلیتیں بھی ان کے خونخوار جبڑوں سے بچ کے نہیں رہتی۔ سکھ، دلت، عیسائی، آدی واسی سب ان کی سفاکیت کے دستر خوان سے خوف زدہ ہیں۔ اسی سال اکتوبر کے مہینے میں ہریانہ میں دو دلت بچوں سمیت تین دلت افراد کو گھر میں زندہ جلایا گیا۔ لبرل سوچ رکھنے والے اور باضمیر اور بیباک دانشور بھی ان کے خاص نشانے پر ہیں۔ اس سال کے اوائل میں معروف سی پی آئی لیڈر گویند پانسری اور پروفیسر کالبرگی کو انہوں نے قتل کیا۔ دوسری طرف جن ہندو جنونیوں نے مالیگاؤں، اجمیر شریف، مکہ مسجد اور سمجھوتہ ایکسپریس میں بم دھماکے کرا کے سینکڑوں معصوم انسانوں کی جانیں لی تھیں اور ان دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث پائے گئے تھے انہیں بھاجپا سرکار بننے کے بعد ضمانتوں پر رہائی دلائی جارہی ہے اور عدالتوں میں ان کے خلاف درج مقدمات میں عدم دلچسپی اور غیر سنجیدگی

دکھائی جارہی ہے۔

بی جے پی مودی کی قیادت میں ہندو انتہا پسندی کا جو ایجنڈا اور جھنڈا ہاتھ میں لیے ہوئے ہے اس کے خلاف بھارت کے منصف مزاج اور حق پرست دانشور طبقے نے سخت اور زور دار آواز بلند کی ہے۔سینکڑوں کی تعداد میں صحافیوں، کالم نویسوں، ادیبوں، شعرا، مصنفین، مورخین حتیٰ کہ فلمی صنعت سے وابستہ بڑی شخصیتوں اور سائنس دانوں نے ساہتہ اکیڈمی کی طرف سے ملنے والے انعامات اور وظائف واپس کیے تاکہ آر ایس ایس کے اس فسطائی نظامِ سیاست وثقافت کے خلاف اپنا احتجاج درج کرائیں۔دلی ہاتھ سے نکلنے کے بعد بہار نے "بہاری" کو ترجیح دی۔ اس شرمناک شکست سے مودی اور اُمت شاہ کا غرور ٹوٹ چکا ہے۔لیکن فرقہ پرستی سے وہ تائب ہوں ایسا ہو نہیں سکتا۔یہ ان کے خلیے میں گھل مل گئی ہے۔

اِدھر اپنی ریاست جموں کشمیر میں مودی اور سنگھ پریوار، پی ڈی پی کے ساتھ ساجھے داری کی وجہ سے اپنی جارحانہ روش اختیار کیے ہوئے ہے۔ایسا لگ رہا ہے جیسے پی ڈی پی خصوصاً مفتی خانوادہ کو اسی غرض کے لیے تخلیق کیا گیا ہے کہ منڈیٹ کشمیر اور کشمیریوں کے جائز مفادات کی پاسبانی کے نام پر لیتے رہیں لیکن پھر اسی منڈیٹ کو ناگپور کی مرضی وخواہش کے تابع رکھ کر پوری طرح بے اثر بنا کر رکھ دیا جائے۔مفتی گھرانہ ناگپور کے لیے ایسی سواری بن چکا ہے جو کبھی دولتی نہیں مارتا۔اقتدار کا ٹوبرا جب تک اس کی آنکھوں کے سامنے رہے وہ تب تک اُف نہیں کرے گا۔

آر ایس ایس اپنا ایجنڈا آگے لے جانے کی خاطر منصوبہ بند طریقے پر عمل پیرا ہے۔ شرنارتھیوں کو مستقل طور بسانے،مقامی پنڈتوں کو سیکورٹی حصار میں رکھ کر الگ کالونیاں قائم کرنے اور دفعہ 370 اور 35-A کے خاتمے کے لیے آر ایس ایس کے ارادے بالکل واضح ہیں۔لیکن بڑی سرعت کے ساتھ وہ دوسرے محاذوں پر بھی کام کر رہی ہے اور حکومت میں بھاجپا کی شراکت داری سے خوب فائدہ اٹھا رہی ہے۔جموں صوبے میں چونکہ ان فرقہ پرست قوتوں کا غلبہ

ہے اور مسلمان وہاں اقلیت میں ہیں، اس لیے اپنے مذموم منصوبوں کی عمل آوری کے لیے وہ اس خطہ کو تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ جنگلات کی اراضی کو خالی کرنے کے نام پر غریب مسلمانوں کو اپنی بستیوں سے بے دخل کرانے کا سلسلہ وسط مئی 2015ء سے شروع کیا گیا۔ بجائے اس کے ہم اس پر مزید کچھ کہیں بہتر یہ ہے کہ جموں کے ہی کسی غیر مسلم ذمہ دار شخص جو فرقہ پرست سوچ نہیں رکھتا ہو، کی زبانی سنیں این سی کے سینئر لیڈر رجتندر سنگھ رانا نے کشمیر عظمیٰ کے ساتھ خصوصی بات چیت کے دوران کہا:

’’جنگلات سے ناجائز قبضہ چھڑانے کے نام پر جموں کے کچھ مخصوص علاقوں میں مہم چلانا ریاست میں آر ایس ایس کا ایجنڈا نافذ کرنے کا ایک طریقہ ہے جس کا مقصد یہاں مسلمانوں کو نفسیاتی طور خوف زدہ کرنا اور انہیں غیر یقینیت میں مبتلا کرنا ہے۔ جموں شہر میں مسلم بستیاں کافی پہلے سے ہی بھگوا جماعت کو کھٹکتی تھیں لیکن اب بھاجپا کو اپنا مقصد حاصل کرنے کا موقع مل رہا ہے۔۔۔ حکومت کی بدنیتی اس امر سے عیاں ہوتی ہے کہ صرف ان ہی علاقوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے جہاں مسلمان آباد ہیں ورنہ بہت سی دیگر بستیاں بھی ہیں جو جنگلات کی اراضی پر بنی ہیں۔‘‘

(کشمیر عظمیٰ 21 رجون 2015ء)

جموں خطے میں پورا کنٹرول بھاجپا نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے اور مقامی بیروکریسی میں ہندو فرقہ پرستانہ ذہنیت رکھنے والوں کو اہم مناصب پر فائز کر دیا ہے۔ اخباری رپورٹوں کے مطابق سیکریٹریٹ سے لے کر ضلعی سطح تک اہم سرکاری پوزیشنوں سے غیر جانب دار افسروں کو ہٹا کر ان کی جگہ سنگھ پریوار سوچ کے قائل افسروں کو تعینات کیا گیا ہے‘‘ 8 رجون کو مرمت ڈوڈہ میں فرقہ پرستوں کے ایک بڑے جتھے نے، جس کی قیادت وہاں کے اسمبلی ممبر شکتی پریہار کر رہے تھے، مسلمانوں پر حملہ کیا۔ ان کی دکانوں میں توڑ پھوڑ اور لوٹ مار کر کے لاکھوں کی مالیت کا نقصان کیا

اور متعصبانہ انتظامیہ کا حال یہ رہا کہ جب زخمی مسلمان فریاد لے کر پولیس کے پاس گئے تو پولیس نے کیس درج کرنے سے انکار کیا بلکہ گل محمد نامی ایک سرکردہ شخصیت کو حوالات میں بند کر دیا۔ (حریت کانفرنس (گ)، کشمیر عظمیٰ 11 / جون 2015ء)

بھلا جنگلات کی اراضی کو ناجائز قبضہ سے چھڑانے پر کس کو اعتراض ہوگا، لیکن اس میں کسی قسم کا تعصب روا نہ رکھا جائے۔ لیکن اس کارروائی میں فرقہ پرستی صاف جھلک رہی ہے۔ اوّل تو اس حقیقت کو نظر انداز کیا گیا کہ جن علاقوں سے مسلمانوں کو بے دخل کیا جا رہا ہے (جنگلات کی اراضی چھڑانے کے نام پر)، وہ ان جگہوں پر 1931ء سے رہ رہے ہیں اور اس وقت کے مہاراجہ ہری سنگھ کی اجازت سے رہ رہے ہیں۔ پھر اس حقیقت کی کیوں پردہ پوشی کی جاتی ہے کہ گاندھی نگر اور تر کوٹا نگر سمیت جموں کی پوش کالونیاں بھی اسی جنگلاتی اراضی کے زمرے کے تحت آتی ہیں، لیکن یہاں دہرا معیار برتا جا رہا ہے۔

عددی برتری کے طفیل اب تک کشمیر میں فرقہ پرست قوتیں خود کو اتنی جری نہیں سمجھ رہی تھیں کہ بھارت میں رہنے والی اقلیتوں کی طرح یہاں بھی مسلمانوں کو اپنی جارحیت کا شکار بنائیں۔ لیکن جب سے مفتی خانوادے کے عملی تعاون سے بھاجپا اقتدار میں آئی، ان قوتوں کے خون کے خلیوں میں ایڈریلین (Adrelin) کی لیول اس حد تک بڑھ گئی کہ وہ خود کو ڈوگرہ فیوڈل سسٹم کے وارث اور ہمیں مزارعین تصور کرنے لگی ہیں۔

10 / اکتوبر 2015ء کو "سوابھیمانی ہندوؤں" نے ادھم پور جموں کے شونگر علاقہ میں وادی کی طرف جا رہے ایک مال بردار ٹرک میں سوار تین کشمیری مسلمانوں کو زندہ جلانے کی کوشش کی۔ ایک درجن کے قریب جنونی ہندوؤں نے ٹرک کا سامنے والا شیشہ توڑ ڈالا اور پھر ٹرک کے اندر پٹرول بم پھینک دیے۔ کسی طرح ڈرائیور منیر احمد بچ گیا، جب کہ 35 سالہ شوکت احمد اور 19 سالہ زاہد احمد شدید طور پر جھلس گئے۔ زاہد احمد جو ستر فیصد جھلس گیا آل انڈیا میڈیکل انسٹی چیوٹ دہلی میں دم توڑ بیٹھا، جب کہ شوکت احمد جو چالیس فیصد جھلس گیا تھا وہ بچ تو گیا مگر بہت کچھ

کھو گیا۔ اس المناک واقعہ نے پوری وادی کو ہلا کے رکھ دیا۔ لوگوں نے زبردست احتجاج کیا اور حسبِ دستور مخلوط حکومت نے کرفیو اور دیگر قدغنیں لگا کر ''جمہور نوازی'' کا ثبوت دیا اور ٹیر گیس شلوں، گولیوں، پیلٹ اور پیپر کا کھلا اور بے تحاشا استعمال کر کے آرام کی نیند لی۔ کشمیریوں کو اس تلخ حقیقت کا احساس ہونے لگا یا کرایا گیا کہ وہ اپنی سرزمین میں بھی محفوظ نہیں۔ مفتی سرکار نے شدید عوامی دباو کے نتیجے میں مجرموں کو پکڑ لیا لیکن بجائے اس کے انہیں عام مجرمین کی طرح عدالت سے ریمانڈ لے کر جیل بھیج دیا جاتا اور پھر سزائیں دی جاتیں، ان پر سیفٹی ایکٹ لگا کر عدالتی کارروائی سے بچایا۔ پی ڈی پی نے مفتی کی کرسی کے تحفظ کے لیے اپنی پوری تنظیم کو بھاجپا کے ہاتھ میں گروی رکھ دیا ہے۔

25/اکتوبر کو آر ایس ایس نے جموں میں ایک بڑی ریلی نکالی جس میں اسلحہ اور تلواروں کا کھلے عام مظاہرہ کیے جانے کے ساتھ ساتھ مذہبی جذبات برانگیختہ کرنے والے نعرے لگائے گئے۔ یہ ریلی جموں میں نافذ دفعہ 144 کے ہوتے ہوئے اور ضلع مجسٹریٹ کی اجازت کے بغیر نکالی گئی۔ ریاستی اسمبلی کے اسپیکر رویندر گپتا اور بی جے پی سے وابستہ دیگر حکومتی وزراء اور ممبران اسمبلی نے بھی ریلی میں شرکت کی اور آر ایس ایس کی وردی ''گاونیش'' (gavnesh) یعنی سفید قمیض اور خاکی نِکٹ پہنے ہوئے تھے۔ بھاجپا لیڈروں نے ہتھیاروں کی اس نمائش کے دفاع پر کہا کہ آج چونکہ دسہرہ کا متبرک دن ہے اس لیے وہ اس دن کی مناسبت سے ہتھیاروں کی پوجا ''شاستر اپوجن'' کرتے ہیں۔ آر ایس ایس اس دن کو ''وجے داشمی'' کے طور پر بھی مناتی ہے جب 90 سال قبل آر ایس ایس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ دسہرا کو ہندو ''بدی پر نیکی'' کی فتح کے متبرک دن کے طور پر مناتے ہیں۔ آر ایس ایس نے حکومت کا سہارا لے کر اس روز اپنی قوت اور مسلم منافرت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

بندوقوں، تلواروں، ترشولوں کو لہرا کر مسلمانوں اور اسلام کے خلاف اشتعال انگیز نعرے لگا کر اور حرکتیں کر کے فرقہ پرست طاقتوں نے پیغام دیا کہ اس ریاست میں مفتی سعید نہیں

آر ایس ایس برسرِ اقتدار ہے۔ دفعہ 144 کے دوران اور ضلع مجسٹریٹ کی اجازت کے بغیر اس قسم کی ریلی کا انعقاد جہاں قانون کی دھجیاں اڑا دینے کے مترادف ہے، وہیں یہ حکومت کے دہرے رویے کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ یہاں وادی میں ان تمام قسم کی سیاسی سرگرمیوں پر پہرے بٹھائے گئے ہیں جو دلی اور سرینگر کی سرکاروں کے سوچ سے مطابقت نہ ہوں۔ چاہے جلسے جلوس سو فیصد پرامن ہوں مگر اس کو ناکام بنانے کی قسم فورسز اہلکاروں نے پَو پھٹنے سے پہلے ہی کھائی ہوتی ہے۔ یہاں محرم کے جلوس اور مذہبی نوعیت کے دوسرے جلوسوں اور سرگرمیوں پر قدغنیں لگانا ''قومی مفادات'' کی آبیاری کا درجہ رکھتی ہے۔ یہاں فی الواقع حق وانصاف کی فرمانروائی ہوتی تو ہندو جنونی تلواریں اور اسلحہ لے کر سڑکوں پر نہ آتے۔ وادی میں محض پاکستان زندہ باد کے نعرے پر آپ سیخ پا ہو کر پی ایس اے لگاتے ہیں اور لوگوں کو جیلوں میں سڑاتے ہیں۔ یہاں مذہبی منافرت پھیلانے والی ریلیوں میں وزراء اور ممبران اسمبلی حتیٰ کہ اسپیکر شمولیت کرتے ہیں اور ''گاو نیش'' پہن کر کہتے ہیں'' مجھے فخر ہے کہ میں آر ایس ایس سے تعلق رکھتا ہوں''۔ یہاں آئین کی بالادستی ہوتی تو اس سنگھی اسپیکر کو کب کے اپنے عہدے سے معزول کیا جاچکا ہوتا۔ اسپیکر کا عہدہ غیر سیاسی ہوتا ہے اور یہ غیر جانب داری برتنے کا عہدہ ہے۔ وہ پارٹی لائن سے بالاتر ہو کر اس عہدے پر فائز ہوتا ہے۔ ایڈوکیٹ ریاض خاور کے مطابق جموں میں دفعہ 144 کے نفاذ کے دوران اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی اجازت کے بغیر ریلی نکالنا اور اس ریلی میں ہتھیاروں کا بے تحاشا استعمال اور مذہبی جذبات مشتعل کرنے والے نعرے لگانا ''غیر آئینی اور غیر قانونی'' ہے۔ انہوں نے کہا یہ ایک ''مجرمانہ عمل'' ہے اور پولیس کو چاہیے کہ وہ ریلی میں شریک افراد کے خلاف ایک ایف آئی آر درج کرے۔ ایڈوکیٹ خاور نے مزید کہا کہ آر ایس ایس ریلی کا حصہ بننے کے خلاف اسمبلی میں ''تحریک معزولی''(Impeachement) لایا جائے کیونکہ غیر سیاسی عہدہ سنبھالنے والے اسپیکر کے لیے یہ جائز نہیں کہ کسی مخصوص آئیڈیالوجی اور سوچ یا سیاسی فکر کی نمائندگی کریں۔

سنگھ پریوار مذہب کا سہارا لے کر اپنے اس غیر قانونی اقدام کا دفاع نہیں کر سکتی۔کل اگر سرینگر کی گلیوں یا جموں کے مسلم اکثریتی علاقوں سے کوئی مسلم گروہ مذہب کا سہارا لے کر’’جہاد، جہاد‘‘ کا نعرہ لگا کر آئے تو کیا ’’مہان بھارت‘‘ یا کٹھ پتلی ریاستی حکومت ایسا کرنے کی اجازت دے گی۔ ہرگز نہیں۔ یہاں تو مخالف سوچ رکھنے والوں کے لیے زمین تنگ کی گئی ہے۔ پرامن مظاہرین کا ’’استقبال‘‘ گولیوں سے کیا جاتا ہے اور جو آنکھ اوپر اٹھانے کا ’’جرم‘‘ کرے اس کی بینائی لینے کے لیے پیلٹ گنوں کے دھانے ہمہ وقت چہروں کو ہدف بنائے ہوتے ہیں۔حقیقت یہ ہے اس طرح کی اشتعال انگیز کارروائیوں کا مقصد جموں کے مسلمانوں کو خوف زدہ کر کے ان کے حوصلوں کو توڑنا ہے اور دوسری طرف ہندو اکثریت کو مذہبی جنون میں مبتلا کر کے آر ایس ایس کے منصوبوں کو تقویت پہنچانا ہے۔جب سے بی جے پی حکومت میں آئی ہے، کشمیر کے حوالے سے اس کے گھناؤنے عزائم کھل کر سامنے آئے۔اس نے اپنے حقیقی دانت دکھائے ہیں۔ان چند مہینوں میں بھاجپا کے لوگ اپنی آئیڈیالوجی کے پرعزم ’’چالک‘‘ ثابت ہوئے ہیں۔جہاں مفتی کو صرف کرسی کی فکر ہے، بھاجپا پوری ایمانداری اور اخلاص کے ساتھ آر ایس ایس کے قطب نما پر اپنی پارٹی اور حکومتی مشینری مرکوز کیے ہوئے ہے۔وہ دھیرے دھیرے مگر بڑی مستعدی کے ساتھ جموں میں 1947ء کی تاریخ دہرانے اور پوری ریاست کو مسلم اکثریتی کردار سے محروم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ پورا مسلم کشمیر آتش زیر پا ہے، فلسطین کچھ دُور نہیں۔ ماضی قریب میں وہ 82 فیصد مسلمانوں کا وطن عزیز تھا۔آج غزہ اور مغربی کنارے کے کونوں میں اسے مقید کر کے رکھ دیا گیا ہے اور یہاں بھی ان کا تعاقب کیا جارہا ہے۔مے ویسٹ (Mea West) نے خوب کہا ’’تم ایک ہی بار جیتے ہو لیکن اگر تم اس کا صحیح استعمال کرو تو ایک بار جینا کافی ہے‘‘۔

"You only live once, but if you do it right, once is enough"

"It is well-known fact that

we always recognize our homeland

when we are about to lose it."

-Albert Camus-

(''یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ

ہمیں اپنے وطن کی قدر و قیمت اسی وقت آتی ہے

جب ہم اس سے محروم ہونے کے قریب ہوتے ہیں۔'')

-البارٹ کامس-



"That men don't learn very much

from the lesson of history is the most important

of all lessons of History."

-Aldous Huxley-

(''لوگ تاریخ سے سبق حاصل نہیں کرتے،

یہی تاریخ کا سب سے بڑا سبق ہے۔'')

-الڈس ہاکسلے-



''میں بغیر کسی مبالغہ اور تصنع کے اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوں کہ یہ کتاب اپنے عنوانات کے پیشِ نظر فی الواقع جموں کشمیر کے مظلوم، محکوم اور غلام قوم کے لیے دھکتے آگ کا انگارہ ہے۔ اگر اس انگارہ کی تپش اور تڑپ کو محسوس کر کے اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے ہر فرد نے اس کا مداوا نہیں سوچا اور عملی اقدام کر کے اپنے مسلمان ہونے کی حیثیت اور شناخت کا تحفظ نہیں کیا تو یہ آگ نہ صرف ہمارے مال و متاع بلکہ ہمارے دین، ایمان، اخلاق، کردار، تہذیب، تمدن، دنیا اور آخرت سب کو مسمار کر کے ہمیں خسر دنیا و آخرہ کا شکار بنائے گی..... زینہ گیر کے سپوت نے ''کشمیر... آتش زیرِ پا'' لکھ کر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ہم پر کیا ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں اس پر بات کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ کتاب جتنا ممکن ہو سکے زیادہ سے زیادہ چھاپی جائے اور پڑھے لکھے لوگوں تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش ہو۔ ہمارے پڑھے لکھے جوان، بیٹے ہوں یا بیٹیاں میری اُن سے دردمندانہ اپیل ہے کہ خود بھی پڑھیں اور گھر گھر پہنچانے کی کوشش بھی کریں۔ کتاب نہ صرف جموں کشمیر کے حدود میں پھیلائی جائے، بلکہ بھارت کے باسیوں تک بھی پہنچانے کی کوشش ہو۔ ہندو برادری بھی پڑھے، مسلمان، عیسائی، سکھ، دلت اور دوسرے لوگ بھی اس کتاب کو پڑھیں تاکہ اُن کو معلوم ہو جائے کہ آر ایس ایس والے بھارت کو کس طرف لے جا رہے ہیں۔''

سید علی گیلانی

''کشمیر، آتش زیرِ پا'' زینہ گیری صاحب کی کتابی شکل میں تحریر ہے۔ اس میں بھی زینہ گیری صاحب نے خالصتاً تحقیقی انداز اپناتے ہوئے اُن خطرات کا پردہ فاش کیا ہے جن سے کشمیر ہندوستان میں فسطائی عناصر کے برسرِ اقتدار آنے کی بنا پر دو چار ہے۔ ہر مضمون میں مذکور واقعیات اور تحریرات کو حوالوں سے مزین کیا گیا ہے اس سے اس کتاب کی اہمیت اور اعتباریت عیاں ہے۔ ہمارے حریت پسند حلقوں کی طرف سے اکثر اس طرح کی تحریرات شاذ و نادر ہی سامنے لائی جاتی ہیں۔ نتیجتاً ہمیں اپنے موقف کو سامنے رکھنے میں اغیار کی ہی تحریروں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پچھلی ایک دہائی سے اس خلاء کو پُر کرنے کے ضمن میں کچھ پیش رفت ہوئی ہے۔ حسن زینہ گیری صاحب کی یہ تحریر اس چیز کا بین ثبوت ہے...... اس کتاب کا اردو میں آنا اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ یہ زبان اب بھی ریاست کے اکثر عوام اور قیادت میں مستعمل ہے اور یہ کاوش بجائے خود اردو زبان کی خدمت ہی ہے، خصوصاً اس وقت جب یہ زبان اپنوں کی عدم توجہی اور بے اعتنائی اور غیروں کے تعصب اور امتیاز کی شکار ہو رہی ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب میں اُبھارے جانے والے نکات کشمیر کی حریت پسند قیادت کے لیے اپنا مستقبل کا لائحہ عمل مرتب کرنے میں مددگار اور معاون ثابت ہوگی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ زینہ گیری صاحب اس کتاب کا انگریزی متن بھی جلدی تیار کریں تاکہ ایک طرف ریاست کی نئی نسل اس سے بہرہ ور ہو وہیں دنیا کے سامنے اُس نام نہاد ''سیکولر ڈیموکریسی'' کا حقیقی چہرہ سامنے آجائے جس کا عتاب کشمیری مسلمانوں اور ہندوستان کی اقلیتوں اور دیگر دبے کچلے طبقات کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

ڈاکٹر شیخ شوکت حسین (صدر شعبہ قانون، سینٹرل یونیورسٹی کشمیر)